مکتبہ اشرفیہ غازی پور سے شائع ہونے والا

دو ماہی مجلہ

زمزم

مکتبہ اشرفیہ قاسمی منزل
سیدواڑہ غازی پور (یوپی)

شمارہ ۱

محرم، صفر ۱۴۲۲ھ

مُدیر مسئول و مُدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ — ۷۰ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی ۱۲۰ روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ

غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

فہرست مضامین

فون نمبر ـ ۰۵۴۸ ـــ ۲۲۲۱ ۷۵۷

۲۲۲۲ ۵۳۳

اداریہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امریکہ دہشت گردی کے نام پر عالم اسلام کو اپنی غلامی لینے کی سازش بڑی ہوشیاری سے رچ رہا ہے ، طالبان کو ختم کرنے کے بعد اب عراق اس کے نشانہ پر ہے ، اس وقت عراق پر حملہ کی امریکہ پوری تیاری کر چکا ہے ، اقوام متحدہ کے مشاہدین اس وقت عراق میں جراثیمی اسلحوں کی چھان بین کے نام پر جو کچھ کر رہے ہیں وہ سارے عالم اسلام کے لئے باعث شرمندگی ہے۔ عراق جنگ سے بچنے کیلئے یہ سب کچھ برداشت کر رہا ہے ، اور ابتک کی چھان بین کے نتیجہ میں عراق میں اقوام متحدہ کے مشاہدین کو کچھ نہیں ملا ، مگر امریکہ اور اس کا چیلا برطانیہ عراق پر حملہ کرنے کیلئے بہانہ پر بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں ، اور ان سطور کو جب تک قارئین پڑھیں گے ممکن ہے کہ عراق پر امریکی حملہ ہو چکا ہو ، اس حملہ کے نتیجہ میں مالی نقصان کو تو چھوڑیے جانی نقصان کتنا ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ، ایک اندازہ کے مطابق پانچ لاکھ انسانوں کی جانیں ضائع ہونے کا اندیشہ ہے ۔ اتنی جانوں کا نقصان کرنے پر امریکہ اور برطانیہ محض اپنے گھمنڈ اور غرور اور طاقت کے نشہ میں چور ہونے کی وجہ سے اور اپنی انا کو تسکین دینے کیلئے بے چین اور بے قرار ہیں ، امریکہ اور برطانیہ میں سمجھدار طبقہ اس حملہ کی مخالفت کر رہا ہے اور ہر روز اس کی مخالفت میں جلسے اور جلوس ہو رہے ہیں ، مگر بش وہ شیطان ہے جو کسی کی ماننے کو تیار نہیں ہے ، اسے حملہ کرنا ہے اور وہ کرے گا ۔

ایک طرف یورپ اور امریکہ میں اس حملہ کی بھرپور مخالفت ہو رہی ہے دوسری طرف

کسی عرب ملک میں عوام کو اپنے جذبات کے اظہار کرنے کا موقع نہیں دیا جارہا ہے، نہ کہیں جلسہ ہے اور نہ جلوس اور نہ کسی قسم کا کوئی مظاہرہ، عرب حکمراں بے غیرت و بے حس بنے ہوئے ہیں، عراق میں امریکہ جو بھی شیطنت کرے کسی عرب ملک میں ہمت نہیں ہے کہ اس کے خلاف کسی جرأت کا مظاہرہ کریں۔

یہ بات بالکل طے ہے کہ اگر عراق پر امریکی حملہ ہوا تو امریکہ عراق پر قبضہ کرے گا، یہ دگرا امریکہ اور برطانیہ کی سازش سے بن چکا ہے اس کے بعد نہ صرف عرب ممالک کے تیل کے ذخائر پر یورپ اور امریکہ اور اسرائیل کا قبضہ ہوگا بلکہ پوری سرزمین عرب پر صلیبی پرچم لہرائے گا، اور عرب کے عیاش اور بے حس حکمراں منہ دیکھتے رہ جائیں گے، اسرائیل کے عزائم بھی کسی کھلی آنکھ والے سے پوشیدہ نہیں ہیں وہ مکہ اور مدینہ پر اپنا تسلط جمانے کا خواب دیکھ رہا ہے، سعودیہ اور خلیجی ممالک میں امریکہ اور برطانیہ کی اتنی فوج جمع ہیں کہ عرب کے یہ حکمراں عملاً بے دست وپا ہیں، ترکی میں پچاس ہزار امریکی فوج اُتارنے کا امریکہ کا منصوبہ ہے، گویا چاروں طرف سے عربوں کو گھیرا جارہا ہے، اسرائیل ایٹمی طاقت بن چکا ہے، اسے زیر کرنا ان عربوں کیلئے بہت مشکل ہے۔

مسلمان حکمرانوں میں دینی و ملی غیرت ختم ہو چکی ہے، اب مسلمان عوام ہی ہر طرح کی آزمائش اور امتحان کیلئے اپنے کو تیار کریں، اگر عوام میں پورے طور پر اسلامی جذبات پیدا ہوجائیں تو انشاء اللہ ہم مصیبت کی گھڑی سے سرخ رو نکلیں گے، قوموں کی آزمائش کا ایک وقت ہوتا ہے، آج یہ وقت مسلمانوں پر آپڑا ہے، ہمیں کٹھن گھڑی کیلئے اپنے آپ کو تیار رکھنا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد سہیل رحمان
پاکستان

ضمیر کی آواز

انٹرنیٹ پر سابق امریکی فوجیوں نے ایک مقالہ دیا ہے، جس کا عنوان انھوں نے رکھا ہے "جنگ کر کے ریٹائرڈ ہونے والے فوجیوں کی طرف سے ضمیر کی پکار"۔

اس مقالے میں ایک بڑی تعداد میں سابق فوجیوں نے اپنا احساس جرم بیان کیا ہے۔ یہ وہ فوجی ہیں کہ جنھوں نے ویت نام کی جنگ لڑی یا پھر عراق کی۔ ان کا کہنا ہے ــــ "ہم امریکہ کے سابق فوجی ہیں۔ ہم انسانیت کی اکثریت کے ساتھ ہیں، جن میں ہمارے ملک کے کروڑوں لوگ بھی شامل ہیں، ہم عراق کے ساتھ جنگ کی مخالفت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے جنگیں دیکھی ہیں، بدلتے زمانے اور بدلتی سیاستیں دیکھی ہیں۔ ہم میں سے کئی یہ سمجھتے تھے کہ امریکی فوج میں نوکری کرنا ملک کے دفاع کا عظیم فریضہ انجام دینا ہے، لیکن اب ہم جان چکے ہیں کہ ہمارا اصل فرض کیا ہے۔ ہم امریکی حاضر سروس فوجیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر چلیں۔

ہم نے عراق کے خلاف جنگ لڑی۔ ہمیں حکم تھا کہ "محفوظ فاصلے" سے قتل کریں۔ ہم نے بیشتر عراق تباہ کر دیا اور عام شہریوں کو بے دریغ قتل کیا۔ ہمیں یاد ہے کہ شاہراہ بصرہ کی جانب جانے والی سڑک موت کی سڑک تھی۔ ہمیں حکم تھا کہ ہم جان بچانے کیلئے بھاگنے والے عراقیوں کو قتل کریں ہم نے یہ کیا۔ ہم بے بل ڈوزر کے ذریعے لوگوں کو زندہ دفن کیا۔ ہم نے دوسرے درجے کی افزودہ (Depleted) یورینیم والے ہتھیار استعمال کئے اور میدانِ جنگ کو تابکاری سے بھر کر چھوڑ دیا۔ ہم نے کیمیائی مواد اور دیگر تجرباتی دواؤں کو اور کیمیائی اسلحے کے ڈپوؤں کو آگ لگا کر فضا میں زہر گھول دیا۔ یہ زہر کی ایسی کھچڑی تھی کہ جس کا نہ صرف عراق بلکہ خود ہم لوگ بھی شکار ہوئے

۔یہی وجہ ہے کہ ہم جنگ کرنے والے ہر چار امریکی سپاہیوں میں سے ایک مکمل طور پر معذور ہو چکا ہے
ہمیں ویت نام کی جنگ میں فضا سے اور میدان میں ویت نامیوں کو نیست و نابود کرنے کا حکم تھا
ویت نام کے گاؤں مائی لائی میں ہم نے ۵۰۰ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قتل کیا۔ ہم نے ایجنٹ اورنج
(ایک کیمیائی اسلحہ) بھی آزمایا اور اس کے نتائج خود اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ہم میں سے اکثریت سارے
قتل عام کے بعد نفسیاتی مریض بن گئی کیونکہ بیس لاکھ مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل کرنے کے بعد
ان کی روحیں خوابوں میں ہمیں تنگ کرتی ہیں ۔

عراق پر حملے کیلئے جانے والے فوجیو! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا اصل مشن کیا ہے؟ تم ناجائز
قبضہ کرنے جا رہے ہو، لیکن تم نے کبھی مقبوضہ علاقے کے لوگوں کی آنکھوں میں وہ نفرت نہیں دیکھی، جو
آنکھوں سے بہتے ہوئے دل کو چیر دیتی ہے۔ عراقی وہ لوگ ہیں، جو اپنا ملک چلانا چاہتے ہیں اور
اپنے بچے بڑے کرنا چاہتے ہیں۔ صدام جیسے جابر حکمران کی موجودگی میں بھی عراق امریکہ کیلئے کوئی خطرہ نہیں
ہیں ۔ ہم کون ہوتے ہیں عراقیوں کو یہ بتانے والے کہ وہ اپنا ملک کیسے چلائیں، جب کہ ہم میں سے
اکثر اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہمارا اپنا صدر (بش) دھاندلی کرکے الیکشن جیتا ۔

صدام پر اعتراض ہے کہ وہ وسیع پیمانے پر تباہی کرنیوالا اسلحہ تیار کر رہا ہے، حالانکہ جب وہ اس
اسلحے کے استعمال جیسا گھناؤنا جرم کر رہا تھا، تو امریکی حکومت اس کی حمایت کر رہی تھی۔ اب عراق پر
اقتصادی پابندیاں عائد ہیں۔ دس لاکھ بچے صرف دوائیاں نہ ملنے کی وجہ سے موت کے منہ میں چلے گئے
ہم نے عراق کے ہسپتال، دواساز فیکٹریاں، بجلی گھر اور پانی صاف کرنے کے پلانٹ تباہ کر دیئے
کہ یہ ۔ فوجی ٹارگٹ ، تھے۔ جب ایک بم سے ایک عورت اور اس کا بچہ مر جاتے ہیں تو یہ جنگی نقصان
نہیں، یہ قتل ہے ۔

ناانصافی پر مبنی جنگ میں جب ایک بچہ اسہال سے مر جاتا ہے کیونکہ فضائی بم نے پائپ
پھاڑ دیا تھا اور پینے کا پانی زہر آلود ہو گیا تو یہ دشمن کی تنصیبات تباہ کرنا نہیں ۔ یہ قتل ہے ۔

جب ناانصافی پر مبنی جنگ میں ایک باپ دل کے دورے سے مر گیا کیونکہ ایک بم نے
ٹیلی فون کے نظام کو تباہ کر دیا تھا اور وہ فون کرکے ایمبولینس نہ بلا سکا تو یہ کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم

کو تباہ کرنا نہیں۔ یہ قتل ہے۔

ناانصافی پر مبنی جنگ کے دوران جب کسی دیہات کے غریب کسان اپنی جان اور اپنا گاؤں بچانے کیلئے موروچوں میں مارے جائیں کہ جہاں انھوں نے ساری عمر گزاری تو یہ فتح نہیں، یہ قتل ہے۔

تمہارے کمانڈر تم سے حکم منوانا چاہتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ تم سوچو، ضمیر کی آواز کی طرف کان لگاؤ۔ (بشکریہ ماہنامہ القاسم)

صہ ۹ کا بقیہ

(۶) کسی کو حسین وجمیل عورت بلا رہی ہے، دعوت گناہ دے رہی ہے کوئی رکاوٹ اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے، اپنی خواہش پوری کرنے کا پورا موقع ہے مگر اللہ کے ڈر سے وہ اس عورت کو ٹھکرا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے یہ گناہ کا کام نہیں ہو سکتا، میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں، ایسے پاکباز کا بھی اللہ کے یہاں بڑا درجہ ہے۔

(۷) اللہ کے لئے مال کا خرچ کرنا بڑے ثواب کا کام ہے، شرط یہ ہے کہ یہ خرچ کرنا پورے اخلاص کے ساتھ ہو نام آوری اور شہرت مقصود نہ ہو، اس طرح خرچ کرے کہ بایاں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ کتنا خرچ کیا اور کیا خرچ کیا، یعنی پورے اخفا کے ساتھ خرچ کرے، تو ایسا صدقہ اللہ کو بہت پسند ہے اور ایسے خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی رحمت سے نوازے گا۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخص وہ ہیں کہ جن کو اللہ اپنے سایہ میں اس روز رکھے گا جس روز صرف اسی کا سایہ ہوگا اس کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا، پہلا وہ شخص جو عدل کے ساتھ حکومت کرے، دوسرا وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں لگ کر زندگی گذارے، تیسرا وہ آدمی جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد بھی مسجد میں لگا رہے، چوتھے وہ دو آدمی جو اللہ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کریں۔ اللہ کی محبت میں ان کا اکٹھا ہونا اور جدا ہونا ہو، پانچواں اللہ کا وہ بندہ جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسو بہائیں، چھٹا وہ نیک بخت جس کو کسی حسین وجمیل عورت نے دعوتِ گناہ دی تو وہ یہ کہہ کر اس سے الگ ہوگیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، ساتواں وہ آدمی جو اللہ کے راستہ میں اس طرح خرچ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چل پاتا کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور کتنا خرچ کیا ہے۔

قیامت کا دن بڑا شدید دن ہوگا، ہر شخص کو نفسی نفسی پڑی ہوگی اس شدید دن میں یہ سات آدمی ایسے ہیں جو اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے۔ (۱) عدل کے ساتھ حکومت کرنے والا، اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کے پاس فیصلہ جائے خواہ حکمراں ہو یا قاضی یا مفتی یا پنچایت کرنے والے لوگ، یا عدالت میں جج اور منصف جن کے پاس بھی دو آدمی کا فیصلہ جائے اس میں وہ انصاف کا پہلو مدنظر رکھے، کسی کی بیجا حمایت نہ ہو، اگر حکمراں ہے اور ملک کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے تو اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، تمام رعایا کے ساتھ

انصاف کرنا، ان کے حقوق کو ادا کرنا، ان کی ہر طرح خبر گیری رکھنا، ملک کی دولت کو ان کے مفاد میں خرچ کرنا، یہ عادل حکمراں کی ذمہ داری ہے، اور ایسے حکمراں کا اللہ کے یہاں بہت بڑا درجہ ہے۔

(۲) نوجوانی کا زمانہ خواہشات وجذبات میں بہنے کا زمانہ ہوتا ہے اگر اس وقت کوئی اپنا وقت اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں گذارے تو ایسا نوجوان اللہ کی خاص رحمت کا مستحق ہوگا۔

(۳) وہ آدمی جو مسجد سے باہر رہ کر بھی مسجد کا دھیان رکھے، اور اس کو خیال رہے کہ نماز باجماعت ادا کرنی ہے، ایسا شخص گویا مسجد ہی میں ہے اور اللہ کے حضور ہے، اس کا مقام بھی اللہ کے یہاں بہت بلند ہے۔

(۴) محبت اور دوستی، دشمنی اور عداوت کا معیار دین ہونا چاہئے، کسی سے محبت ہو تو اللہ کیلئے کہ اللہ اس سے راضی ہوگا کسی سے عداوت ہو تو اللہ کیلئے یعنی عداوت کی بنیاد اپنی مصلحتیں نہ ہوں بلکہ اگر کسی سے دشمنی ہو تو اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ شخص اللہ کا نافرمان ہے، اس کے حکموں کو توڑنے والا ہے، شریعت سے بے تعلق ہے، بے نمازی ہے، گناہوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ ان امور کی وجہ سے اگر کسی سے کنارہ کشی ہو جایا جائے تو نہ یہ صرف جائز ہے بلکہ اس پر اللہ کی خاص رحمت نازل ہوگی اور قیامت کے دن وہ اللہ کے سایہ میں ہوگا۔ محبت کی بنیاد بھی اللہ کی ذات بنے کہ یہ شخص دیندار ہے، پرہیزگار ہے اللہ کا فرماں بردار ہے، اس کی صحبت سے دین حاصل ہوگا، اچھائیاں ملیں گی برائی سے بچنا ہوگا، کسی سے محبت کی بنیاد محض دنیاوی اغراض اور مادی مصلحتیں نہ ہوں۔

(۵) اخلاص کی اللہ کے یہاں بڑی قدر ہے، آدمی تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اس کے سامنے روئے گڑگڑائے، ایسے آنسو کی اللہ کے یہاں بڑی قیمت ہے اور ایسے شخص کا رونا دھونا گڑگڑانا اور آہ و زاری کرنا ریا سے پاک ہوتا ہے، اور جو عمل ریا سے پاک ہو وہی عمل عمل ہے اور ایسا شخص اللہ کے یہاں خاص اکرام کا مستحق ہوتا ہے۔

بقیہ ص۔۔ پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

(پانچویں قسط)

امام ابوحنیفہؒ اور مسئلہ قیاس

منکرینِ قیاس کے انکار کے سلسلہ میں احادیث کے استدلال پر نقد

آپ کی نظر سے وہ احادیث گذری ہیں جن سے منکرین قیاس قیاس کے عدم جواز پر حجت پکڑتے ہیں مگر یہ افسوسناک واقعہ ہے کہ یہ حضرات اس سلسلہ میں ناواقفوں کو سخت مغالطہ دیتے ہیں وہ یہ تو کہتے ہیں کہ دیکھو ان احادیث میں قیاس ورائے کی مذمت کی گئی ہے مگر یہ نہیں بتلاتے کہ کون سے قیاس اور رائے کی مذمت کی گئی ہے۔

آئیے میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ احادیث میں کس چیز کی مذمت کی گئی ہے آیا مطلق رائے اور قیاس کی یا وہ کوئی اور چیز ہے جس کی مذمت ان احادیث میں کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے دیکھا کہ اللہ کے رسولؐ کے زمانہ سے لے کر صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اور بعد کے ہر دور میں قیاس ورائے پر عمل کیا گیا ہے اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ قیاس اور رائے کا استعمال حرام ہے اگر واقعہ وہی ہو جو منکرین قیاس کا مقصود ہے تو آخر وہ احادیث جن میں قیاس ورائے کی مذمت کی گئی ہے کیا وہ سب صحابہ سے لیکر ائمہ مجتہدین تک سب کی نگاہ سے مخفی رہی کہ انھوں نے رائے پر عمل کیا اور اس کا حکم بھی دیا یا یہ کہا جائے کہ انھوں نے دانستہ اس امر حرام کا ارتکاب کیا ہے؟

قیاس وہ مذموم ہے جس کی اصل شریعت میں نہ ہو

سنئے جس رائے اور قیاس کی مذمت کی گئی ہے یہ وہ

رائے اور قیاس ہے جس کی کوئی اصل شریعت میں نہ ہو یا جو محض ہوائے نفس کی خاطر برتی اور استعمال کی جارہی ہو نہ یہ کہ مطلق رائے کی مذمت کی ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں:

والمقصود ان السلف جميعهم على ذم الرأي والقياس المخالف للكتاب والسنة وان لا يحل العمل به۔ (اعلام صفحہ ۸۹/۱۲۰)

مقصود یہ کہ سارے سلف اس رائے کی مذمت پر متفق ہیں جو کتاب وسنت کے مخالف ہو اور اسی رائے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ ابن قیم فرماتے ہیں:

ان الرای علی ثلاثة انواع رای باطل، رای صحیح، و رای هو موضع الشبهة۔ وقال استعمل السلف الرای الصحیح وعملوا به وافتوا به وسوغوا القول به والرای الذی هو موضع الشبهة سوغوا العمل والفتیا به عند الاضطرار الیه حیث لا یوجد منه بد وذموا الباطل۔ والرای الباطل انواع احدهما الرای المخالف للنص ولا تحل الفتیا به ولا القضاء والثانی هو الکلام فی الدین بالخرص والظن مع التفریط والتقصیر فی معرفة النصوص وفهمها واستنباط الاحکام منها فان من جهلها وقاس برایه فیما سئل عنه بغیر علم

رائے کی تین قسم ہے، رائے باطل، رائے صحیح، وہ رائے جس میں شبہ ہو سلف نے صحیح رائے کا استعمال بھی کیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا اور فتویٰ بھی دیا ہے اور اس کے قائل ہونے کو انھوں نے جائز بھی رکھا ہے، اور وہ رائے جس میں شبہ ہو حاجت اور مجبوری کے وقت اس پر عمل کرنے اور فتویٰ دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ ہاں باطل رائے کی مذمت ہے۔ باطل رائے کی بھی چند قسمیں ہیں ایک وہ رائے جو نص کے مخالف ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، دوسری وہ رائے کہ دین میں ظن اور اٹکل سے کلام کیا جائے نیز نصوں کی معرفت اس کا فہم اور احکام کے

فقد وقع فی الرای مذموماً باطل والثالث الرای المتضمن تعطیل اسماء الرب وصفاته وافعاله بالقیاس الباطل۔ والرابع الذی احدثنا به البدع وغیرت به السنن والخامس القول فی احکام الشرع بالاستحسان والظنون من غیر رد الفروع الی الاصول ایضاً ص۴۸/۱۲۶ ص۴۹/۱۲۶

استنباط کا بھی سلیقہ نہ ہو اسلئے بلا علم کسی نے اپنی رائے سے قیاس کر کے جواب دیا تو وہ مذموم اور باطل رائے میں پڑ گیا تیسری وہ رائے جس سے اسماء باری صفات اور افعال باری معطل ہو جائیں۔ چوتھی وہ رائے جس سے سنتیں بدل جائیں اور بدعتیں پیدا ہو جائیں، پانچویں وہ رائے کہ احکام شرعیہ میں استحسان اور ظنون سے فروع کو اصول کی طرف رد کئے ہوئے کوئی بات کہی جائے۔

اس پورے کلام میں آپ غور کر جائیے اور خود فیصلہ کیجئے کہ ابن قیم جو بہر حال ظاہریہ ہی کی طرف میلان رکھتے ہیں اور قیاس و رائے کے بارے میں ان کا مذہب بڑا تشدد آمیز ہے مگر ان کو بھی یہ جرأت نہ ہو سکی کہ قیاس و رائے کی مطلقاً مذمت کر سکیں بلکہ صاف صاف یہ فرما دیا کہ پہلی دو قسم کی رائے پر عمل کرنا درست ہے ہاں تیسری قسم کی رائے وہ مذموم ہے اور پھر اس کی انھوں نے پانچ قسمیں کیں۔ میں کہتا ہوں کہ ابن قیم کا یہ کلام اور ان کی یہ تقسیم اپنی جگہ برحق ہے اور اس طرح کی رائے کا کوئی بھی امام مجتہد، فقیہ قائل نہیں ہے بلکہ اس طرح کی رائے کی مذمت ہر عالم اور امام نے کی ہے اور بلا شبہ اس طرح کی رائے پر عمل کرنا جس کی بنیاد قرآن و حدیث پر نہ ہو جس سے بدعتوں کا فروغ ہو اور سنتیں مٹیں اور جو محض حرص اور گمان پر مبنی ہو اسی رائے پر عمل کرنا، فتویٰ دینا اور اس کا قائل ہونا بلا شبہ حرام ہے اور مذمت قرآن و حدیث میں اسی رائے کی کی گئی ہے۔

لیکن اس کی وجہ سے مطلقاً رائے اور قیاس کا ہی انکار کر دینا یہ محض منکرین قیاس کی زبردستی ہی نہیں بدبختی ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

قال طائفة الرای المذموم هو البدع المخالفة للسنن فی الاعتقاد کرای جهم۔
(جامع ص۱۳۸/۲۶)

ایک جماعت نے کہا کہ مذموم رائے وہ بدعتیں ہیں جو اعتقاد کے باب میں سنت کے خلاف ہوں جیسے جہم کی رائے۔

وقال جماعۃ من اھل العلم انما الرای المذموم المعیب المھجور الذی لا یحل النظر فیہا ولا الاشتغال بہا الرای المبتدع وشبہہ من ضروب البدع۔ (ایضًا)

اور اہل علم کی ایک جماعت نے کہا کہ مذموم رائے جس کے ساتھ اشتغال جائز نہیں وہ رائے ہے جس کی اصل شرع میں نہ ہو اور اس جیسی دوسری بدعتیں۔

ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

"مذمت اس رائے کی کی گئی ہے جو کتاب وسنت اور اجماع کے باوجود اختیار کی گئی ہو یعنی مذمت اصل رائے کی نہیں بلکہ ترک ترتیب پر ہے اور یہ بات صرف رائے ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کسی نے سنت ہی کو اختیار کیا مگر اس سے اقوی دلیل کو چھوڑ گیا تو اس کی یہ حرکت مذموم کہلائے گی۔" (روضۃ الناظر ص۳۴۲/۲)

نیز فرماتے ہیں کہ:

"دوسرا جواب یہ ہے کہ لوگوں نے مذمت اس رائے کی کی ہے جو جاہل سے صادر ہو جو اجتہاد اور رائے کا اہل نہیں ہے۔" (ایضًا)

بہرحال ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ علماء نے اس رائے کی مذمت کی ہے جو کسی اصل شرعی پر مبنی نہ ہو یا جو جاہلوں سے سرزد ہو جو اجتہاد اور رائے کا اہل نہیں یا جس کا مقصد احداث فی الدین ہو اور احکام شرعیہ کو رائے سے باطل کرنا وغیرہ ہو۔ مطلق رائے کی مذمت سوائے جیسا کہ عرض کیا گیا ایک شرذمہ قلیلہ کے اور کسی سے ثابت نہیں ہے اور یہ بات کہ ان ائمہ کا مقصود ہر رائے کی مذمت کرنا ہو اس لئے بھی ناقابلِ فہم ہے کہ

انھیں ائمہ سے قول بالرائے کا ثبوت بھی ہے۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں:

ان الذین نقل عنھم ھذا ھم الذین نقل عنھم القول بالرای والاجتھاد۔ (روضۃ الناظر ص ۲۴۲/۲)	یعنی جن سے رائے کی مذمت منقول ہے انھیں سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ رائے اور اجتہاد کے قائل تھے۔

اور ظاہر بات ہے کہ اس طرح کا تضاد عقلاء کے کلام میں نہیں ہوا کرتا اسلئے لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ رائے جس کا مقصد احکام شرع کا ابطال نہیں بلکہ اثبات ہو اور جس کی بنیاد اصول شرعیہ پر ہو وہ رائے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ خلفاً عن سلف قرناً بعد قرن زمانہ صحابہؓ سے لیکر آج تک اس پر عمل ہوتا آیا ہے۔

اور ائمہ مجتہدین نے اس سے ہر زمانہ میں کام لیا ہے بلکہ میں ابھی آگے چل کر بتلاؤں گا کہ اس سے کسی زمانہ میں استغنا نہیں رہا ہے اور نہ اس کے بغیر مسائل شرعیہ کا فیصلہ کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔

سردست ہم اس وقت اس بحث کو یہیں چھوڑ کر منکرین قیاس کی تیسری عقلی دلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

منکرین قیاس کی عقلی دلیل کا جواب

منکرین قیاس کی عقلی دلیل پر جو صفحات گذشتہ میں بیان کی گئی ایک دفعہ اور آپ نظر ڈال لیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ان کے اس عقلی استدلال کا حاصل ہے کہ شریعت کے احکام جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں وہ تو قطعی ہیں اور قیاس سے جو حکم ثابت کیا جائیگا وہ ظنی ہوگا تو قطعی کو چھوڑ کر ظنی پر عمل کرنا کیسے درست ہوگا۔ نیز یہ کہ اس اصل کی علت منصوص ہے وہ تو قطعی ہے مگر یہی علت جو فرع میں آپ نکالیں گے وہ ظنی ہوگی تو اب ایک ہی حکم دونوں کا ایک ہی درجہ میں کیونکر ہوگا؟

یہاں بھی ان منکرین قیاس کو شدید مغالطہ ہوا ہے ان بیچاروں نے یہ سمجھ رکھا ہے

کہ شریعت کے سارے مسائل دلیل قطعی ہی سے ثابت ہوتے ہیں ظنی دلیل سے کوئی حکم ثابت ہی نہیں ہوتا۔ اگر یہی بات ہے تو پھر خبر آحاد کا بھی انکار کردینا چاہئے اس لئے کہ اس سے بھی کوئی حکم قطعی ثابت نہیں ہوتا۔

اور پھر یہ بتلانا چاہئے کہ سارے قیامت تک آنے والے احکام کو خدا اور اس کے رسولؐ نے کیوں نہیں قرآن اور احادیث متواترہ ہی میں بیان کر دیا تاکہ کسی طرح کے شبہ کی گنجائش ہی نہ رہتی۔

میں نہیں سمجھ پاتا کہ اس طرح کی لغو باتیں منہ سے نکالتے وقت یہ حضرات یہ کیوں نہیں سوچتے کہ گفتگو اہل علم سے ہو رہی ہے اس لئے جوابات بھی ہو با وزن ہونی چاہئے سوال یہ ہے کہ کب قائلین قیاس نے یہ کہا ہے کہ جو حکم قیاس سے ثابت ہوگا وہ قطعی ہوگا۔ بلکہ وہ تو یہی کہتے ہیں کہ قیاس سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے اور وہ بھی حدیث آحادیث سے جو حکم ظنی ثابت ہوتا ہے اس سے بھی کمتر درجہ کا یہ ظنی حکم ہوتا ہے کتاب و سنت اور اجماع کے بعد یہ چوتھی شرعی دلیل ہے اسی اعتبار سے اس کا حکم بھی ہوگا۔

ہاں اگر مقصود یہ ہے کہ احکام جب قطعیت ہی کے ساتھ ثابت ہوں گے جب ہی ہم اس پر عمل کریں گے تو براہِ کرم آپ اس کا اعلان کر دیں اور صاف صاف کہیں کہ کیا خبر آحاد کا آپ انکار کرتے ہیں یا غلط فہمی سے آپ نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان سے بھی احکام قطعی ثابت ہوتے ہیں بہر حال جو بھی ہو اسے واضح ہونا چاہئے تاکہ لوگ جان لیں کہ منکرین قیاس صرف منکرین قیاس ہی نہیں بلکہ منکرین احادیث بھی ہیں۔

رہا منکرین قیاس کا یہ کہنا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اصل کی علت فرع میں پائے جانے کی وجہ سے فرع میں بھی اصل ہی کا حکم جاری ہوگا جیسا کہ مثال میں انھوں نے کہا کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ہم نے سالم غلام کو اس کے سواد کی وجہ سے آزاد کیا تو علت سواد کے وجود کی وجہ سے ہر کالا غلام آزاد نہیں ہو جائے گا۔

میں عرض کروں گا کہ یہاں بھی منکرین قیاس کو مثال کے پیش کرنے اور مسئلہ کو

سمجھنے میں دھوکہ ہوا ہے شاید انھیں معلوم نہیں کہ املاک کا حکم حصولاً وزوالاً مرتبع الفاظ اور عبارت کا متقاضی ہے ارادوں اور نیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے مثلاً اگر کوئی اپنے جی میں ارادہ کرلے کہ اس کے سارے غلام آزاد ہیں یا اس نے اپنا فلاں مال کو ہدیہ کردیا یا اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو محض یہ ارادہ کرلینا حکم کے ثابت ہونے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ زبان سے بھی اس کا تلفظ کیا جائے یا ایسے کلمات کا تلفظ کیا جائے جن سے ان چیزوں کی طرف اشارہ ہوتا ہو اس وقت یہ احکام ثابت ہوں گے مجرد ارادہ قطعاً ان جگہوں میں لغو اور باطل ہوگا۔

اس کے برخلاف جو دوسرے احکام شرعیہ ہیں اس کا ثبوت کبھی تلفظ کلمات اور عبارات کے بغیر بھی محض اشارہ کنایہ اور ارادہ سے بھی ہوجاتا ہے مثلاً کسی نے نیت کرلی اور دل میں یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر فلاں کام ہوجائے گا تو وہ روزہ رکھے گا اب اگر وہ کام ہوگیا تو روزہ رکھنا واجب اور ضروری ہوگا یہاں محض قلب کا ارادہ کافی ہے۔

یا اسی طرح مثلاً صحابہؓ نے آنحضورؐ کی موجودگی میں کوئی عمل کیا اور آنحضورؐ کے چہرہ سے رضامندی کے آثار ظاہر ہوئے تو اب وہ حکم شرعی کہلائے گا اگرچہ آنحضورؐ نے زبان سے کچھ بھی نہ کہا ہو۔ اس کے برخلاف اگر ایک شخص نے کسی دوسرے کے مال کو اس کی موجودگی میں فروخت کردیا اگرچہ دگنی اور تگنی قیمت سے اس نے فروخت کیا اور صاحب مال بظاہر خوش بھی ہے اس کے چہرے پر مسرت اور رضامندی کی علامتیں بھی ہیں مگر جب تک وہ زبان سے اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کرتا ہے محض چہرہ کے ان آثار مسرت اور علامات فرح کی وجہ سے بیع جائز نہ ہوگی۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب میں کہتا ہوں کہ یہاں بھی محض علتِ سواد جو سالم کے آزاد کرنے کی علت تھی اور جو دوسرے غلاموں میں محض علامت کا رکھتی ہے اس علامت پائے جانے کی وجہ سے غلام آقا کی ملک سے نہیں نکلیں گے جب تک کہ زبان سے صراحۃً انکی آزادی کا تلفظ نہ کرے جس طرح اس نے سالم کی آزادی کا تلفظ کیا تھا اس لئے کہ یہاں

معاملہ ملکیت کا ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ملکیت کے ثبوت اور زوال دونوں میں صریح عبارت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

غرض اس مثال پر قیاس کر کے سارے مسائل شرعیہ سے قیاس کا انکار کر دینا اور اس کو حجت تسلیم نہ کرنا یہ محض زبردستی کی بات ہے اور مسائل کے عمل و حکم سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

نیز کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کا یہ قیاس کیا خود آپ کے دعویٰ انکار قیاس کی تردید نہیں ہے۔

بہرحال آپ نے منکرین قیاس کے استدلالات کے ضعف کو معلوم کر لیا اور یہ بھی آپ کے سامنے واضح ہو گیا کہ انکار قیاس کی ان کے پاس کوئی قابلِ اعتماد دلیل نہیں ہے اس سلسلہ میں ان کی ساری باتیں محض مغالطہ اور غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ اب میں آئندہ سطور میں بتلانا چاہتا ہوں کہ بلا قیاس و اجتہاد احکام شرعیہ کا فیصلہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

بقیہ صـ ۲۹ کا

کہ امام ابوحنیفہ پر ان کی نگاہ کرم ان سے ایک خاص تعلق کی بنا پر ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ پر طعن و تشنیع کرنا غیر مقلدیت کی معراج کمال ہے اور غیر مقلدین اپنے اس کمال پر بڑے نازاں و فرحاں نظر آتے ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت دے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے قلم کا صحیح استعمال کریں اور اکابر و اسلاف کے بارے میں زبان درازی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔

امید ہے کہ میری اس مختصر سی تحریر سے آپ کے سامنے غیر مقلدین کے اعتراض کی حقیقت آشکارا ہو گئی ہو گی۔ فقط

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازیپوری

(خط اور اس کا جواب)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ پر ایک اعتراض کا جواب

کیا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرنا خلافِ سُنت عمل ہے؟

مکرمی حضرت مولانا غازی پوری صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمدللہ دوماہی زمزم کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے، دینی پرچوں میں ایک زمزم ہی ایسا پرچہ ہے جس سے غیر مقلدیت کے پھیلائے ہوئے جال سے بہت سے لوگ نکل گئے یہ زمزم کی بہت بڑی کامیابی ہے، آپ کی اور مولانا نورالدین نوراللہ صاحب کی تحریر بڑی پراثر اور زوردار ہوتی ہے، زبان ہلکی پھلکی ہونے کی وجہ سے کم پڑھے لکھے لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں ——— حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی تھی، غیر مقلدین اس کو خلافِ سنت عمل قرار دیتے ہیں اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ براہ کرم اس بارے میں کچھ تحریر فرمادیں تاکہ واقعہ کی صحیح صورتِ حال سامنے آجائے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

محمد اسلم خان نظام آباد

ناظرین ! غیر مقلدین حضرات پر اللہ رحم فرمائے ان کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی
عبادت وریاضت پر بھی اعتراض ہوتا ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ان کا یہ
اعتراض نیا نہیں ہے، ان کے بزرگوں نے بھی اس واقعہ کو لے کر بہت کچھ اپنے خاص انداز
میں لکھا ہے، اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بکثرۃ السجود یعنی نمازوں
کی کثرت کو اپنے اوپر لازم کرو ۔ قرآن میں صحابہ کرام کے بارے میں ہے۔ تراھم رکعا سجدا
یبتغون فضلاً من اللہ و رضوانًا یعنی صحابہ کرام کو دیکھو گے کہ وہ رکوع میں ہیں اور
سجدے میں ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں۔ مسلمان مرد اور عورتوں
کی صفات کا قرآن کی ایک آیت میں تفصیل سے ذکر ہے اس میں ان کی ایک صفت
یہ ذکر کی گئی ہے۔ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات یعنی مسلمان مرد اور
عورتیں اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں، اور ان کیلئے اللہ کا یہ وعدہ ہے اعد اللہ
لھم مغفرۃ واجرًا عظیمًا اللہ نے ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔
قرآن ہی میں ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یعنی اللہ کے ذکر سے دل میں
اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ قرآن ہی میں ہے فاذکروا اللہ کثیرا اللہ کا ذکر کثرت
سے کرو، حدیث میں آتا ہے من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرًا جس نے
میرے اوپر ایک دفعہ درود پڑھی اللہ اس کو دس دفعہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔

اگر ان آیات واحادیث کی روشنی میں کوئی اللہ کا ذکر کثرت سے کرے، نماز
کثرت سے پڑھے درود کثرت سے پڑھے راتوں کو کثرت سے جاگے، اپنا دھیان اور اپنی
توجہ اللہ کی طرف رکھے تو اس کا یہ عمل قابلِ تعریف ہوگا یا قابلِ ملامت، اس عمل کی
تعریف کی جائے گی یا اس کو برا سمجھا جائے گا؟ اس کا فیصلہ ہر عقل سلیم خود کرے گی۔

حدیث میں آتا ہے بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، تو میں اس
کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کا
ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

تو گر اس حدیث کی روشنی میں کسی کو نوافل کا شوق ہو اور وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے نوافل کثرت سے پڑھے تو اس کا یہ عمل قابلِ تعریف ہوگا یا اس پر نکیر کی جائے گی۔

قرآن میں عباد الرحمٰن یعنی ان بندوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے اوپر اللہ کی خاص رحمت ہوتی ہے، تو ان کی ایک صفت یہ ذکر کی گئی ہے الذین یبیتون لربھم سجداً وقیاماً یعنی جو لوگ راتوں کو اس حال میں گزارتے ہیں کہ وہ سجدے میں ہوتے ہیں اور حالتِ قیام میں ہوتے ہیں۔

اب اگر کوئی اللہ کا بندہ رات بھر نماز میں گزارے اور اس کا یہ معمول زندگی بھر کا ہو تو اس کا یہ عمل عین شریعت کے مطابق ہوگا یا اس کو خلافِ شرع کام کہا جائے گا۔

ایسے ہی اللہ کے بندوں کے بارے میں قرآن ہی میں ہے تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً یعنی یہ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کے پہلو ان کے خوابگاہوں اور بستروں سے علیحدہ ہوتے ہیں (کہ نماز پڑھتے رہتے ہیں) اور اپنے رب کو عذاب کے ڈر اور ثواب کی امید میں پکارتے رہتے ہیں۔

آپ فرمائیں کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ رات بھر جاگ کر اللہ کی عبادت کرے اور اللہ کو پکارے، اس کی رحمت کا امیدوار ہو اور اس کے عذاب سے پناہ چاہے اور اس کا یہ عمل چالیس سال نہیں پوری زندگی بھی اسی طرح کا رہے تو اس کا یہ عمل قرآن کے مطابق ہوگا یا قرآن کے خلاف اس کو کہا جائے گا۔

اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی ان آیات و احادیث پر عمل کیا تو کون سا جرم کیا اور اس سے غیر مقلدین کو تکلیف کیوں ہے؟۔

بات یہ ہے کہ غیر مقلدین کی عبادت رفع یدین آمین بالجہر اور قرأت خلف الامام اور نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے تک ہے، ان بیچاروں کو اس سے زیادہ کی توفیق ہی نہیں، نہ ان کو ذکر و اذکار سے مطلب اور نہ ان کو کثرت نوافل سے مطلب، نہ انکے مقدر میں راتوں کا جاگنا ہے، نہ آنحضور پر صلوٰۃ وسلام کی برکت حاصل کرنا ہے۔ اس لئے

یہ غیر موفق لوگ، اللہ والوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کا ذکر و اذکار، کثرتِ صلوٰۃ وسلام اور راتوں کو جاگ کر اللہ سے دعا و مناجات کرنا بھی ان پر بار ہوتا ہے، ـــ جب خود کتاب و سنت کی ہدایات پر عمل کرنا ان کے نفس پر شاق ہوتا ہے تو کتاب و سنت والا کام ان کو بدعت نظر آتا ہے اور اللہ والوں کے بارے میں ان کی زبان بے لگام ہوتی ہے۔

تاریخ اور سیر کی کتابوں کو پڑھئے تو امام ابوحنیفہ جیسے کتنے اللہ کے بندے آپ کو نظر آئیں گے جنھوں نے پوری زندگی اللہ کی عبادت میں لگا کر گذار دی، یہ لوگ ائمہ فقہ و حدیث تھے شریعت کے اسرار کے واقف کار تھے، کتاب و سنت کے عالم تھے، ان میں صحابہ بھی تھے اور تابعین بھی، محدثین بھی اور فقہاء بھی، کیا یہ سب لوگ گمراہ تھے اور غیر شرعی عبادتوں میں اپنی زندگی گذارنے والے تھے؟ اس طرح کا تصور کوئی مسلمان اسلاف امت کے بارے میں کر سکتا ہے؟ مگر برا ہو، غیر مقلدین کے مزاج و فکر کا کہ ان کا نقطۂ نظر اسلاف کے بارے میں عیب گیری و نکتہ چینی کا ہے۔ میں یہاں پر صرف حافظ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ جلد اول سے چند ایسے لوگوں کا نام ذکر کرتا ہوں جو اپنی عبادت و ریاضت اور کثرتِ صلوٰۃ و صوم میں مشہور تھے۔

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام ذہبی لکھتے ہیں۔ کان من السابقین القائمین الصائمین المنفقین فی سبیل اللہ۔ حضرت عثمان سابقین میں سے تھے۔ نمازیں لگے رہنے، بہت روزہ رکھنے اور اللہ کے راستہ میں بہت خرچ کرنے والے تھے۔ حضرت عثمان کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ نے پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کیا تھا۔

(۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری کے بارے میں ذہبی فرماتے ہیں کہ۔ کان ابوموسیٰ عابدًا صوامًا قوامًا۔ یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری عابد تھے۔ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور نماز پڑھنے والے تھے۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے۔ کان کثیر التعبد والذکر۔ یعنی بہت زیادہ عبادت کرنے والے اور ذکر نے والے تھے۔ حضرت ابوہریرہ نے ایک دھاگا میں ایک ہزار گرہ لگا رکھی تھی، ایک ہزار تسبیح پڑھ کر ہی آپ سوتے تھے۔ انکے گھر کا معمول یہ تھا کہ ان لوگوں نے رات کے تین حصے کر لئے تھے۔ ایک حصہ میں حضرت ابوہریرہ عبادت کرتے، ایک حصہ میں ان کی بیوی عبادت کرتی اور ایک حصہ میں ان کا خادم عبادت میں لگا رہتا۔

(۴) مسروق بن اجدع مشہور تابعی اور امام فقہ حدیث ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے۔ حج مسروق فما نام الا ساجداً یعنی مسروق نے حج کیا تو ان کا سونا بس اس وقت ہوتا جب وہ سجدہ میں ہوتے۔ مسروق کی بیوی کا بیان ہے۔ انما کان یصلی حتی یتورم قدماہ۔ یعنی وہ اتنی طویل نماز پڑھتے کہ ان کا دونوں قدم ورم کر جاتا تھا۔

۵۔ اسود بن یزید بھی مشہور امام فقہ وحدیث اور جلیل القدر تابعی ہیں، انکے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے اسی حج اور اسی عمرے کئے تھے۔ ولم یجمع بینھما یعنی حج الگ تھا، اور عمرہ الگ تھا۔ حج کے ساتھ عمرے کا شمار نہیں ہے۔ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن اسود کے بارے میں لکھا ہے۔ یصلی کل یوم سبع ماۃ رکعۃ یعنی وہ روزانہ سات سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے، اور لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ اپنے گھر میں سب کم عبادت کرنے والے ہیں۔

(۶) حضرت عروہ بن زبیر مشہور تابعی اور محدث ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے۔ کان عروۃ یقرأ ربع القرآن کل یوم فی المصحف ویقوم بہ فی اللیل۔ یعنی حضرت عروہ کی زندگی کا معمول یہ تھا کہ وہ دن میں ایک چوتھائی قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے اور پھر اسی کو رات میں نوافل میں پڑھا کرتے تھے۔

(۷) عروہ بن میمون مشہور تابعی ہیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وغیرہ سے حدیث سنی تھی، ان کے بارے میں لکھا ہے۔ حج واعتمر ماۃ مرۃ انھونے

سو مرتبہ حج اور عمرہ کیا تھا۔ لکھا ہے کہ جب وہ بوڑھے ہو گئے تھے تو دیوار میں ایک کھونٹا گاڑ دیا گیا تھا۔ جب وہ نماز پڑھتے پڑھتے اکتا جاتے تو اس کو پکڑ لیا کرتے تھے (پھر کچھ آرام کر کے نماز شروع کرتے)

(۸) حضرت ابو عثمان نہدی بھی جلیل القدر تابعی ہیں کبار صحابہ مثلاً حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود وغیرہما سے حدیث کو سنا تھا ان کے بارے میں لکھا ہے۔ کان حالماً صوامًا قوامًا یصلّی حتی یغشی علیہ یعنی کتاب وسنت کے عالم تھے بہت زیادہ روزہ رکھنے والے تھے اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والے تھے۔ نماز پڑھتے ہوئے ان پر غشی طاری ہو جایا کرتی تھی۔

(۹) مرۃ الطیب بن شراحیل بھی مشہور تابعی ہیں۔ حضرت ابوبکر حضرت معاذ حضرت ابن مسعود وغیرہم کے شاگرد ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے۔ یقال انہ سجد حتی اکل التراب جبہتہ یعنی ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے سجدہ کیا (اور اتنا سجدہ کیا کہ) ان کی پیشانی کو مٹی نے کھا لیا۔

(۱۰) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ مشہور امام فقہ وحدیث ہیں ان کا دستور تھا کہ وہ کان یصوم یومًا ویفطر یومًا۔ ایک روز روزہ رہتے اور ایک روز ناغہ کرتے۔

(۱۱) علی بن حسین زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ خاندان نبوت کے چشم وچراغ تھے ان کے بارے میں حضرت امام مالک فرماتے ہیں۔ انما کان یصلّی فی الیوم واللیل الف رکعۃ الیٰ ان مات۔ یعنی ان کی ساری زندگی کا دستور یہ تھا کہ وہ روزانہ رات دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔

(۱۲) سعید بن جبیر مشہور امام فقیہ اور محدث تھے۔ بہت سے صحابہ کرام سے احادیث کو سنا تھا۔ ان کے بارے میں لکھا ہے۔ یبکی باللیل حتی عمش یعنی رات میں اتنا روتے تھے کہ ان کی آنکھ کی روشنی متاثر ہو گئی۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قام لیلۃ فی جوف الکعبۃ فقرأ القرآن فی رکعۃ یعنی وہ ایک رات کعبہ کے اندر نماز

پڑھنے کھڑے ہوئے تو پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھ ڈالا ۔ ان کا معمول تھا کہ دو دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے ۔

(۱۳) خالد بن معدان جنھوں نے ستر صحابہ سے حدیث کو سنا تھا ۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ کان یسبح فی الیوم سبعین الف مرۃ کہ وہ چوبیس گھنٹوں میں ستر ہزار مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے ۔

(۱۴) عطا ابن رباح کے بارے میں آتا ہے کہ کان المسجد فراشہ عشرین سنۃ کہ بیس سال تک مسجد ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی اور ان کی زبان پر برابر اللہ کا ذکر جاری رہتا کبھی زبان اس سے رکتی نہیں تھی حضرت عطار نے بھی بہت سے صحابہ کرام سے حدیث کو سنا تھا ۔

(۱۵) میمون بن مہران کا ذکر حافظ ذہبی ان الفاظ سے کرتے ہیں ۔ الامام، القدوۃ عالم اھل الجزیرۃ ان میمون بن مہران کے بارے میں آتا ہے کہ صلی فی سبعۃ عشر یوماً سبعۃ عشر الف رکعۃ ۔ یعنی انھوں نے سترہ روز میں سترہ ہزار رکعتیں پڑھی تھیں ۔ یعنی روزانہ ایک ہزار رکعت ۔

(۱۶) وہب بن منبہ مشہور محدث اور تابعی ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے ۔ لبث وھب عشرین سنۃ لم یجعل بین العشاء والصبح وضوءً ۔ یعنی وہب ابن منبہ نے بیس سال کی مدت اس طرح گذاری کہ عشار اور صبح کے درمیان دوسرا وضو کرنے کی ضرورت ان کو پیش نہ آئی، یعنی عشار کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہب بن منبہ بیس سال تک عشار کے وضو سے صبح کی نماز پڑھ سکتے ہیں تو پھر کوئی تیس سال کیوں نہیں پڑھ سکتا اور کیوں کوئی چالیس سال عشار کے وضو سے صبح کی نماز نہیں پڑھ سکتا ۔

(۱۷) ابو اسحٰق سبیعی مشہور حافظ حدیث ہیں اور تابعی بھی ہیں، متعدد صحابہ کرام سے انھوں نے حدیث کو روایت کیا ہے ۔ ان کے بارے میں لکھا ہے ۔ کان صواماً قواماً

مبتلا، بہت زیادہ روزہ رکھنے والے نماز پڑھنے والے اور لوگوں سے کٹ کر اللہ کی طرف مائل رہنے والے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ چالیس برس ہو رہا ہے کہ میں نے پلک نہیں جھپکائی ہے۔

(۱۸) ثابت بنانی جن کو حافظ ذہبی الامام، الحجۃ القدوۃ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ بھی مشہور تابعی ہیں۔ ان کے بارے میں محدث شعبہ فرماتے ہیں۔ کان ثابت البنانی یقرأ القرآن فی کل یوم ولیلۃ ویصوم الدھر۔ یعنی یہ چوبیس گھنٹے میں قرآن ختم کرتے تھے اور صائم الدھر (ہمیشہ روزہ رکھنے والے) تھے۔

(۱۹) ایوب سختیانی جو حافظ حدیث اور جلیل القدر محدث تھے۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ یقوم اللیل کلہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے۔

(۲۰) صفوان بن سلیم فقیہ تابعی تھے، ان کے بارے میں آتا ہے حلف صفوان ان لا یضع جنبہ علی الارض حتی یلقی اللہ مکث علی ھذا ثلاثین عاما فمات وانہ جالس۔ یعنی انھوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنا پہلو زمین سے نہیں لگائیں گے یہاں تک کہ ان کی موت آجائے۔ چنانچہ تیس سال تک ان کا یہی حال تھا کہ وہ سوئے نہیں بیٹھے ہی کی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔ لکھا ہے کہ انھوں نے اتنی کثرت سے سجدے کئے تھے کہ ان کی پیشانی میں اس کی وجہ سے سوراخ ہو گیا تھا۔

(۲۱) منصور بن معتمر مشہور محدث ہیں بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایت کیا ہے۔ حافظ حدیث تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے۔ صام منصور اربعین سنۃ وقام لیلھا وکان یبکی اللیل کلہ۔ یعنی منصور نے چالیس سال تک مسلسل روزہ رکھا اور چالیس سال کی یہ پوری مدت رات میں نماز پڑھتے گزاری اور وہ پوری رات رویا کرتے تھے۔

(۲۲) منصور بن زاذان کے بارے میں آتا ہے کہ: کان یصلی من طلوع الشمس الی ان یصلی العصر۔ وہ سورج نکلنے سے لے کر عصر تک برابر نماز میں رہا کرتے تھے۔

(۲۳) داؤد بن ابی ہند زبردست محدث ہیں، ان کے بارے میں آتا ہے۔
صام داؤد بن ابی ھند اربعین سنۃ لا یعلم بہ اھلہ انھوں نے چالیس سال تک اس طرح روزہ رکھا کہ ان کے گھر والوں کو بھی اس کا پتہ نہیں چل سکا. گھر والوں سے ناشتہ اور کھانے کا سامان لے کر چل دیتے راستہ میں اس کو صدقہ کر دیتے اور پھر شام کو گھر آکر افطار کرتے۔

(۲۴) عاصم بن سلیمان بھی زبردست محدث اور حافظ حدیث تھے۔ بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ عشار کی نماز پڑھ کر صبح تک نفل نماز میں مشغول رہتے۔

(۲۵) سلیمان تیمی مشہور محدث ہیں، حافظ ذہبی کو ان کو الحافظ الامام شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ چالیس سال تک ان کا حال یہ تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن روزہ کا ناغہ کرتے اور عشار کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے۔ انھیں کے بارے میں آتا ہے کہ ہر سجدہ میں ستر مرتبہ سبحان اللہ کہتے مزید لکھا ہے کہ ان کی پوری زندگی اس طرح گذری کہ انھوں نے صبح کی نماز عشار کے وضو سے پڑھی ہے۔

(۲۶) حضرت امام اعمش مشہور محدث ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ستر سال تک ان کی تکبیر اولیٰ نہیں چھوٹی۔

(۲۷) ہشام بن حسان حافظ حدیث تھے، بڑے بڑے فقہار اور محدثین ان کے شاگرد تھے، ان کے بارے میں آتا ہے۔ کان یلازم الصوم سوی یوم الجمعۃ۔ جمعہ کے دن کے سوا ہر دن روزہ رکھتے تھے اور ان کا یہ عمل دائمی تھا۔

(۲۸) مسعر بن کدام مشہور حافظ حدیث اور امام المسلمین تھے۔ ان کے بارے میں ان کے لڑکے محمد فرماتے ہیں۔ کان ابی لا ینام الیٰ ان یقرأ نصف القرآن یعنی میرا والد جب تک آدھا قرآن نہ پڑھ لیتے سوتے نہیں تھے۔

(۲۹) ابن ابی ذئب مشہور محدث اور شیخ وقت تھے، ان کا معمول یہ تھا کہ پوری رات نمازیں گزارتے پہلے ایک روز ناغہ کر کے روزہ رکھتے تھے پھر روزانہ رکھنے کا معمول ہو گیا تھا۔

(۳۰) مسلم بن خالد امام فقیہ اور شیخ حرم تھے۔ ان کے بارے میں ازرقی کہتے ہیں کہ کان فقیھا عابدا یصوم الدھر کہ وہ فقیہ عابد تھے، اور ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے۔

(۳۱) ابو بکر بن عیاش جن کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ الامام، القدوۃ شیخ الاسلام ان کے بارے میں یزید بن ہارون کہتے ہیں لم یضع جنبہ الی الارض اربعین سنۃ یعنی انھوں نے چالیس سال تک اپنا پہلو زمین سے نہیں لگایا، یعنی اتنی مدت وہ سوئے نہیں۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان کی بہن رونے لگی تو انھوں نے ان سے کہا۔ ما یبکیک، کیوں رو رہی ہو، انظری الی تلک الزاویۃ قد ختمت فیھا ثمانی عشر الف ختمۃ۔ گھر کا وہ گوشہ دیکھو میں نے اس میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا ہے۔

(۳۲) یحییٰ بن سعید القطان سید الحفاظ کے لقب کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ زبردست محدث اور فقیہ تھے۔ ان کے بارے میں ابن معین فرماتے ہیں اقام یحیٰ القطان عشرین سنۃ یختم کل لیلۃ۔ یعنی یحییٰ بن سعید قطان بیس سال تک مسلسل ہر رات ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

(۳۳) غندر ابو عبداللہ بڑے محدث ہیں جن سے بڑے بڑے محدثین نے حدیث روایت کی ہے۔ ان کے بارے میں یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ پچاس سال سے وہ ایک دن کا ناغہ کر کے روزہ رکھتے تھے۔

(۳۴) امام وکیع کا علم حدیث ورجال میں جو پایہ ہے اس کا علم اہل علم کو ہے۔ ان کی روایات سے کتب حدیث بھری ہیں۔ ان کے بارے میں یحییٰ بن اکثم فرماتے ہیں

صحبت وكيعا في السفر والحضر فكان يصوم الدهر ويختم القرآن كل ليلة یعنی میں وکیع کے ساتھ سفر و حضر میں رہا وہ صائم الدھر تھے اور ہر رات ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اور یحییٰ بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں ما رأیت افضل منه يقوم الليل ويسرد الصوم ويفتي بقول ابي حنيفة۔ یعنی میں نے امام وکیع سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ پوری رات نماز پڑھتے تھے، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور حضرت امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے، امام وکیع کے مقام و مرتبہ کا پتہ ابن عمار کے اس بیان سے چلتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ما كان بالكوفة في زمان وكيع افقه واعلم بالحديث منه۔ یعنی کوفہ میں امام وکیع کے زمانہ میں امام وکیع سے زیادہ فقہ کا ماہر اور حدیث کا جانکار نہیں تھا۔ اس زمانہ میں یعنی دوسری صدی میں امام وکیع جیسا محدث اور فقیہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتا تھا۔

(۳۵) بشر بن المفضل کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں الامام۔ الثقة الحافظ، العابد یہ روزانہ چار سو رکعت نفل پڑھتے تھے اور ایک دن کا ناغہ کرکے روزہ رکھتے تھے۔

(۳۶) ابواحمد زبیری جلیل القدر محدث تھے، حافظ ذہبی ان کو الحافظ الثبت کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ان کے بارے میں آتا ہے۔ کان یصوم الدھر وہ صائم الدھر تھے۔

(۳۷) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا علم و فضل میں جو مقام ہے سب کو معلوم ہے حافظ ذہبی لکھتے ہیں یختم فی رمضان ستین مرۃ وہ رمضان میں ساٹھ ختم کرتے تھے۔

(۳۸) علی بن جعد جلیل القدر محدث تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ ساٹھ سال تک ایک دن کا ناغہ کرکے روزہ رکھتے تھے۔

(۳۹) ابو قلابہ محدث البصرہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں، مشہور محدث اور بڑے زاہد تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے۔ کان یصلی فی الیوم واللیلۃ اربع مائۃ رکعۃ یعنی یہ رات دن میں چار سو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۴۰) اب اخیر میں امام بخاری کی بھی عبادت وریاضت کو جان لیجئے، امام بخاری امام الحفاظ تھے اور اپنے وقت کے شیخ الاسلام تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

راسا فی العلم راسا فی العبادۃ ۔ علم میں بھی بڑا مقام رکھتے تھے اور عبادت میں بھی بڑا مقام رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری رمضان میں تراویح کے بعد نصف قرآن سے ایک تہائی قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور ہر تیسری رات میں قرآن ختم کرتے تھے، اور دن میں روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ امام بخاری اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ چالیس سال میں نے سالن کے ساتھ کھانا نہیں کھایا۔ امام بخاری جو کی خشک روٹی کھا کر کے زندگی گزارتے تھے۔ لکھا ہے جب وہ حدیث لکھتے تو ہر حدیث پر دو رکعت نماز پڑھتے۔ اور غسل کرتے۔

امام ابو حنیفہ پر غیر مقلدین حضرات کا اعتراض ہے کہ ان کا عشاء کے وضو سے چالیس سال تک صبح کی نماز ادا کرنا خلافِ سنت عمل تھا، چالیس کے عدد کی مناسبت سے میں نے اسلام کی چالیس برگزیدہ ہستیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں صحابہ کرام بھی ہیں اور تابعین عظام بھی۔ محدثین بھی ہیں اور فقہاء بھی ان کی عبادتوں کا ذکر ہم نے بہت مختصر کیا ہے۔ اگر تفصیل میں جاتا تو پوری ایک کتاب بن جاتی۔

اب سوال یہ ہے کہ صرف امام ابو حنیفہ ہی کی عبادت کیوں بدعت قرار پائے گی۔ دوسروں کی عبادت پر یہ اعتراض کیوں نہیں ہوگا، غیر مقلدین براہ کرم اپنی تحقیق اور علم کی روشنی میں اگر ان میں ہمت اور جرأت ہے تو اسلام کی ان تمام مذکورہ شخصیتوں کی عبادت کو بھی خلافِ سنت اور بدعت قرار دیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ان میں یہ جرأت نہ ہوگی۔ کم از کم امام بخاری کے بارے میں وہ یہ جرأت نہ کرسکیں گے۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے

بقیہ ص۳۱ پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

کیا کسی فقیہ یا محدث کو ساری سنتوں کا علم تھا!

(خط اور اس کا جواب)

مکرمی مولانا زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی

امید کہ مزاج اقدس بخیر ہوگا، زمزم کا نیا شمارہ ملا، رفع یدین والی بحث خوب ہی نہیں خوب تر ہے، اللہ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے۔ آپ جس انداز سے حق اور اہل حق کی ترجمانی کا کام انجام دے رہے ہیں اس کی قدر انشاء اللہ اہل علم کو بعد میں ہوگی۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا کسی محدث یا فقیہ کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس کو ساری احادیث اور ساری سنتوں کا علم تھا، اگر کوئی محدث ایسا گزرا ہو تو براہِ کرم اس کے نام سے آگاہ کریں۔

والسلام

نظام الدین قاسمی

گونڈہ یوپی

زمزم! زمزم کے بارے میں قارئین زمزم کے تاثرات جان کر خوشی ہوتی ہے، قارئین کی قدردانیوں نے ہی حوصلہ دے رکھا ہے ورنہ حالات اتنے سخت ہیں اور مسائل اتنے گوناگوں ہیں کہ اب طبیعت میں جوش وولولہ باقی نہیں رہ گیا ہے، طالبان کے زوال کے بعد طبیعت پر بہت اثر ہے، اگر بعض بہت مخصوص محبین واکابر کا زمزم کے جاری رکھنے کا اصرار نہ ہوتا تو میں نے تو زمزم کے بارے میں کچھ اور ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی محدث یا فقیہ کے بارے میں اہل علم نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ اسے ساری سنتوں یا ساری حدیث کا انفرادی طور پر علم تھا، یہ صحیح ہے کہ مجموعی طور پر حدیث اور سنت کا سارا ذخیرہ محفوظ ہے، کسی محدث یا فقیہ سے کوئی حدیث رہ گئی تو اس کا علم دوسرے کو تھا، اس طرح پر تمام سنتیں اور تمام احادیث محفوظ ہیں، مگر یہ کوئی دعویٰ کرے کہ فلاں محدث یا فلاں فقیہ کو تمام احادیث اور تمام سنن کا علم تھا یہ دعویٰ کرنا غلط ہوگا اور کسی محدث یا فقیہ کے بارے میں اس دعویٰ کو ثابت کرنا محال ہوگا۔

میں نے جو یہ عرض کیا ہے یہ اہل علم کے اقوال اور انھیں کے فیصلے سے ماخوذ ہے یہ میری کوئی اپنی ذاتی رائے نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر تصنیف الرسالہ میں فرماتے ہیں:

لانعلم رجلا جمع السنن فلم یذهب منها علیه شئ فاذا جمع علم عامة اهل العلم بها اتی علی السنن۔ (ص۴۳)

ہمیں معلوم نہیں ہے کہ کسی آدمی نے تمام سنتوں کو اس طرح محفوظ کیا ہو کہ اس سے کچھ سنتیں رہ نہ گئی ہوں، البتہ اگر عام اہل علم کی بات کی جائے تو صحیح ہے کہ سب کے علم سے کوئی سنت باقی نہیں رہی۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں " الاحاطة ممتنعة علی کل احد۔" (الاستذکار ص ۳۶/۱۷) یعنی تمام سنتوں کا احاطہ کرنا کسی کیلئے بھی محال ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

من اعتقد ان کل حدیث صحیح قد بلغ کل واحد من الائمة او اماما معینا فهو مخطی خطأ فاحشا قبیحا (رفع الملام ص۱۰)

یعنی اگر کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ہر امام کو ہر صحیح حدیث پہونچی ہے یا کسی خاص امام کو ہر صحیح حدیث پہونچی ہے تو وہ بڑی سخت غلطی پر ہے۔

اہل علم کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ کسی امام یا محدث کے بارے میں یہ دعویٰ

کرنا کہ اسے تمام احادیث اور سنتوں کا علم تھا صحیح نہیں، نہ کسی امام اور محدث نے یہ دعویٰ
خود اپنے بارے میں کیا ہے۔

ائمہ فقہ کے درمیان اختلاف کی ایک وجہ بھی ہے کہ بعض احادیث کسی کے پاس
تھیں اور کسی کے پاس نہیں تھیں، جن کے پاس وہ احادیث تھیں انھوں نے ان احادیث
کی روشنی میں مسئلہ فقہ معلوم کیا اور جن کے پاس وہ احادیث نہیں تھیں انھوں نے اس مسئلہ
میں اپنے قول کی بنیاد کسی اور چیز کو بنایا اس وجہ سے اختلاف کا پیدا ہونا لازم تھا۔

البتہ جو منصب اجتہاد پر ہوتا ہے اس کیلئے بیشتر سنتوں کا علم حاصل ہونا ضروری
ہے، بلا اس کے وہ اجتہاد کا اہل نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے ائمہ اجتہاد اور مجتہدین کو
بیشتر سنتوں اور احادیث کا علم ہونا ضروری ہے، ان حضرات کی نگاہ سے بہت کم احادیث
اور سنتیں اوجھل ہوتی ہیں، بالخصوص ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اسی میدان کے شہسوار تھے
امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

ولا یقولن قائل من لم یعرف الاحادیث کلھا لم یکن مجتھداً لانہ ان اشترط فی المجتھد علمہ لجمیع ما قالہ النبی صلی اللہ وفعلہ فیما یتعلق بالاحکام فلیس فی الامۃ علی ھذا مجتھد واما غایۃ العلم ان یعلم جمھور ذلک ومعظمہ بحیث لایخفی علیہ الا القلیل والنادر وھذا قد اتفق لجمیع الائمۃ رضی اللہ عنھم۔ (رفع الملام ص۱۹)

کوئی ہرگز یہ نہ کہے کہ جس کو تمام احادیث کا
علم نہ ہوگا وہ مجتہد نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اگر
مجتہد ہونے کیلئے تمام فعلی و قولی احادیث
کے علم ہونے کی شرط لگا دی جائے تو امت
میں اس طرح کا کوئی مجتہد ہی نہیں ہے۔
مجتہد کیلئے زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ
اسے بیشتر سنتوں کا علم ہو اور کم اور شاذ
و نادر طور پر اس سے کچھ سنتیں رہ گئی ہوں
اور یہ بات تمام ائمہ رضی اللہ عنہ کو حاصل
تھیں۔

امید ہے کہ مذکورہ بالا سطور سے آپ کو اطمینان حاصل ہو جائے گا اور آپ

اپنے سوال کا جواب پالیں گے۔

والسلام
محمد ابوبکر غازیپوری

نوٹ :- میں نے عبارتوں کے جو حوالے دیئے ہیں اس کے لئے شیخ محمد عوامہ کی کتاب اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الائمۃ الفقہاء رضی اللہ عنہم دیکھئے۔

ص ۱۴ کا بقیہ

کمر توڑنے کیلئے کافی اور شافی رہے گی (انشاء اللہ) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اب مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر انھیں کی کتابوں سے اس فرقے کے بانیین کے داغدار ماضی کو اُجاگر کیا جائے اور بالخصوص ان کے باطل عقیدوں کو برسرِ عام لایا جائے جو نصوص قطعیہ اور اجماع کے سراسر خلاف ہے جس کے آئینہ میں انصاف پسند لوگ ان کی بد زبانیاں اور جہالت کو پرکھ سکیں کہ کس طریقہ سے یہ لوگ دیدہ و دانستہ احناف اور فقہ حنفی کے خلاف زہر اگلنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اور ان کا ہر آدمی فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ لیکر کھڑا ہو جاتا ہے جس میں حقائق سے ہٹ کر محض دجل و فریب سے کام لیتا ہے اور عوام کو گمراہ کرتا ہے۔

جماعتِ غیر مقلدین کی شر انگیزیوں سے علماء دیوبند کبھی غافل نہیں رہے جس کی اولین کڑی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازیپوری مدظلہ العالی اور ان کے رد غیر مقلدیت کے سلسلے میں علمی جواہر پارے ہیں جنھوں نے غیر مقلدوں کی نیند کو حرام کر رکھا ہے۔

آخر میں ہم بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر قائم رکھے اور ان کے قلم میں مزید تازگی و شادابی پیدا فرمائے اور ان کی زبان میں ایوانِ باطل میں زلزلہ ڈالنے والی تاثیر پیدا فرمائے - آمین

خط اور اس کا جواب

امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری اور غیر مقلدین علماء کی بخاری کی شان میں قوالی

مکرمی مدیر زمزم مدظلہ، سلام مسنون

خدا آپ کو بہت دنوں تک زندہ وسلامت رکھے۔

غیر مقلدین کے دامن فریب سے نکالنے کی آپ کی کوشش مبارک، ماشاء اللہ آپ کا پرچہ زمزم خوب، اس کے تحقیقی وسلجھے مضامین نور علیٰ نور

جناب والا، غیر مقلدین عوام اور علماء امام بخاری اور ان کی کتاب صحیح بخاری کا تذکرہ بڑی عقیدت سے کرتے ہیں، صحیح بخاری کے بارے میں ان کی خدمات کیا ہیں ذکر فرمائیں۔

والسلام

جاوید احمد قریشی بنگلور

زمزم! حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب صحیح بخاری کا عقیدت سے تذکرہ کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا سب سے مستند ذخیرہ جمہور امت کے نزدیک یہی کتاب ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے متبحر امام ہیں، اللہ نے ان کو اور ان کی کتاب کو ساری دنیا میں مقبول ومحبوب بنادیا جن کو احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی وہ امام بخاری سے محبت کو اپنا جزء ایمان سمجھے گا، اور ان کا تذکرہ عقیدت ومحبت سے کرے گا۔

رہا غیر مقلدین کا معاملہ تو یہ بیچارے تو نومولود ہیں، ابھی ان کی پیدائش کو جمعہ جمعہ آٹھ روز ہوئے ہیں، ان کو ابھی اتنا موقع کہاں ملا ہے کہ وہ امام بخاری کی کتاب کی خدمت کریں، ابھی

تو یہی وہ طے نہیں کر پا رہے ہیں کہ رفع یدین سنت ہے کہ واجب یا مستحب، اور آمین بالجہر کا شرعی حکم کیا ہے، اور ایک دفعہ آمین کہی جائے گی یا تین دفعہ یا آمین اللھم اغفر لی بھی کہا جائے گا اور آمین کو حنفیوں کو جلانے کے لئے کہا جائے گا یا نبی کی سنت سمجھ کر آمین کہی جائے گی، تراویح کو سنت سمجھا جائے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بدعت قرار دی جائے اور آٹھ رکعت پڑھی جائے یا گیارہ رکعت، مقتدی امام کے پیچھے صرف سورہ فاتحہ پڑھیں گے یا سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن سے کچھ اور بھی۔

ابھی غیر مقلدین حضرات انھیں اہم دینی مسائل کو طے کرنے میں لگے ہوئے ہیں، انھیں اتنی کہاں فرصت کہ وہ امام بخاری کی کتاب الجامع الصحیح کی خدمت کے لئے وقت نکالیں۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری نے امام بخاری کی سوانح حیات بڑی عقیدت سے لکھی ہے، اس کتاب میں انھوں نے بخاری کی شرحوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، مگر کسی غیر مقلد عالم کی کسی ایک مکمل شرح کا ذکر نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش دوسری صدی کے آخر میں ہوئی وفات تیسری صدی کے وسط میں ہوئی اس وقت سے لے کر ۱۲۰۰ تک دنیا میں کسی غیر مقلد عالم کی شرح بخاری کا پتہ نہیں چلتا، بخاری کی شرحیں جو اس وقت تک لکھی گئی تھیں وہ کسی نہ کسی مقلد ہی کی ہیں، خواہ حنفی ہو خواہ شافعی خواہ مالکی ہو خواہ حنبلی۔

غیر مقلدین کا وجود سید میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کی کوششوں کا رہین منت ہے، میاں صاحب کا سن پیدائش ۱۲۲۰ھ ہے اور ان کا سن وفات ۱۳۲۰ھ میاں صاحب نے تقریبًا سو سال کی عمر پائی، اور اس پوری مدت میں ان کی ساری دوا دوش تقلید حرام ہے اور مقلدین مشرک ہیں تک رہی، ایک کتاب اسی موضوع پر معیار حق لکھی، جس کو غیر مقلدین میاں صاحب کا معجزہ قرار دیتے ہیں، اور کچھ لوگ دوسروں کی کاوش۔

دوسرے غیر مقلد مشہور عالم نواب صاحب بھوپالی تھے ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں کہ انھوں نے اپنے یہاں علماء کی ایک جماعت بلا رکھی تھی، تصانیف ان کی ہوا کرتی تھیں اور نواب صاحب منسوب اپنے نام سے کرتے تھے واللہ اعلم بالصواب۔

نواب صاحب کی تصانیف کی ایک لمبی فہرست ہے مگر ان میں بخاری کی پوری کتاب کی کسی شرح کا ذکر نہیں ہے۔

غیر مقلدین علماء میں محدث کے نام سے تیرہویں صدی کے آخر ہونے کے قریب مبارکپور میں ایک محدث صاحب پیدا ہوئے انھوں نے ترمذی کی شرح لکھی، مقصد اس شرح کا یہ تھا کہ احناف کے مسائل حدیث کے خلاف ہیں، پوری کتاب میں بس ان کا یہی کمال نظر آتا ہے، اور اس راہ میں وہ اتنے آگے بڑھ گئے کہ رواۃ بخاری کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا کسی کو وہمی بنایا، کسی کو غالطی بنایا کسی کو مدلس بنایا، اس طرح احناف دشمنی میں بخاری دشمنی کرنے لگے۔

غرض امام بخاری کی پیدائش سے لے کر ۱۲۵۰ھ تک دنیا کے کسی حصہ میں کسی غیر مقلد عالم کی بخاری کی شرح یا اور کوئی کتاب نظر نہیں آتی ہے، میں نے بہت ڈھونڈا، چراغ لے کر ٹارچ لے کر، ادھر روشنی ڈالی ادھر روشنی ڈالی مگر ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے پہلے دنیا کے کسی کونے میں مجھے غیر مقلدین کی کسی علم وفن میں ایک کتاب ایک مدرسہ ایک مسجد ایک خانقاہ نظر نہیں آئی، بخاری کی شرح کی بات تو دور کی ہے۔

یہ بیچارے تھے ہی کہاں کہ ان کا علمی اثاثہ امت تک منتقل ہو کر کے آتا، یہ تو کرم ہے تاج برطانیہ کا کہ ہندوستان میں غیر مقلدیت کا تاج کچھ لوگوں نے پہن لیا اور ہر طرف یا رفع یدین، یا آمین بالجہر، یا قرأت خلف الامام کا نعرہ گونجنے لگا اور اس مسجد میں جھگڑا اس مسجد میں فساد، یہ گمراہ، یہ مشرک ہر طرف خوب ہلا غلہ ہوا، اب اس ہماہمی اور نعرہ بازی میں کس کو فرصت کہ امام بخاری کی کتاب کی خدمت کرے۔

البتہ غیر مقلدین نے دیکھا کہ مقلدین کسی نہ کسی امام کی طرف بھی منسوب ہیں تو ان کو سوچ بچار کے بعد یہ سمجھ میں آیا کہ امام بخاری کو اپنا مقتدیٰ بنالو، مگر امتی کی اقتدار توحید کے خلاف تھی، اس وجہ سے شیطان نے ان کو سوجھایا کہ امام بخاری کی طرف باقاعدہ منسوب ہونے کے بجائے ان کی تعریف میں قوالی گاؤ، اور یہی بہانہ بنے گا ائمہ متبوعین کی ہجو کا، جو غیر مقلدین کا سب سے

لذیذ مشغلہ ہے، تو اب بیچارے غیر مقلدین اسی کام میں لگے ہیں، امام بخاری کی خوب گائیں گے، اگرچہ ان کی مانیں گے نہیں، اور ان کی تعریف کو زینہ بنائیں گے دوسرے ائمہ دین اور خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برائی کا۔ (۱)

اگر کوئی غیر مقلد آپ سے کہے کہ ہم لوگ تو صحابہ کرام کے زمانے سے ہیں تو اس سے آپ پوچھئے گا کہ کیا تم لوگوں نے مسلمانوں کے بیچ رہنے کا اتنا بڑا زمانہ پایا، اور حدیث سے تمہارا لگاؤ بھی رہا تو مقلدین کے علماء نے حدیث و فقہ کی بہت خدمت کی ان کی کتابوں سے دنیا کے کتب خانے بھر گئے اور تم سے اہلحدیث ہونے کے باوجود امام بخاری تک سے ایسی غفلت برتی کہ کسی غیر مقلد کی پوری بخاری شریف کی ایک مکمل شرح کا اسلامی دنیا کے کتب خانہ میں کہیں وجود نہیں، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اسے نوٹ کرلیں کہ بحیثیت فرقہ غیر مقلدین کا وجود پوری اسلامی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتا، یہ فرقہ اپنے مخصوص افکار و خیالات اور معتقدات کے ساتھ دور برطانوی میں ہندوستان میں پیدا ہوا۔

نورالدین نوراللہ الاعظمی

نوٹ:۔ آپ کا خط مدیر زمزم کے نام تھا وہ دہلی کے سفر پر ہیں ان کا حکم تھا کہ میں آپ کے خط کا جواب لکھ دوں۔

---

(۱) اگر اس کا تماشہ دیکھنا ہو تو غیر مقلد عالم عبدالسلام مبارکپوری کی کتاب سیرۃ البخاری دیکھئے اس کتاب میں اس کی غیر مقلدیت پورے اوج کمال پر ہے۔ ایک جگہ غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں:

"چونکہ عراقیوں کا اصول فقاہت و طرز اجتہاد صحابہ و تابعین کے طرز اجتہاد و اصول فقاہت سے بعید تھا اس وجہ سے فقہائے محدثین و امام بخاری نے اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی" ص۲۹۶

پھر لکھتے ہیں:

ایک دوسری وجہ اور ہے جس نے امام بخاری اور عام محدثین و ائمہ حجاز کو اہل الرائے کی فقہ سے کلیۃً نفرت دلا دی۔ (ایضاً)

بقیہ حاشیہ

اسی صفحہ پر یہ صاحب لکھتے ہیں :

اہل الرائے کا طرز فقاہت و اصول اجتہاد نہایت خطرناک امر ہے ۔"

غرضیکہ ان صاحب کا سیرۃ الامام بخاری کی تصنیف اور امام بخاری سے اظہار تعلق کا مقصد حضرت امام اعظم اور ان کے تلامیذ اور احناف کے خلاف اپنے بغض کا اظہار اور دل کا بخار نکالنا ہے ۔

ان کی شیرہ چشمی کا حال یہ ہے کہ جو فقہ تمام عالم میں رائج ہوا اور پھیل گیا اور امت مسلمہ نے جس پر کامل اعتماد کیا وہ فقہ تو ان کو صحابہ و تابعین کے طرز کے خلاف نظر آتا ہے اور امام بخاری اور ان جیسے دوسرے محدثین کا فقہ اور طرز اجتہاد صحابہ و تابعین والا نظر آتا ہے ، جن کا کتابوں میں بھولے سے نام نظر نہیں آتا ، اگر یہ امام بخاری اور دوسرے محدثین اتنے ہی بڑے فقیہ تھے اور ان کا اصول اجتہاد صحابہ و تابعین والا تھا تو کیا ہو گیا تھا ابن تیمیہ کو کہ وہ اپنے فتاوی کی ۳۸ جلدوں میں کبھی مسئلہ مسائل کے بیان میں امام بخاری کے اجتہاد کا نام نہیں لیتے ، کیا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو بخاری کا مقام فقاہت معلوم نہیں تھا ۔ یا معاذ اللہ ابن تیمیہ کو امام بخاری سے بغض تھا ، حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ سے بغض و حسد اور کینہ نے غیر مقلدین کی عقل کو بالکل ماؤف کر دیا ہے ۔

محمد ابوبکر غازی پوری — خط اور اس کا جواب

چند سوالوں کے جوابات

محترم المقام حضرت مولانا غازی پوری صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی

الحمدللہ ہم لوگ زمزم سے کافی مستفید ہو رہے ہیں، یہ اپنے طرز کا پہلا رسالہ ہے، خدا اس کو دوام بخشے۔ حضرت والا سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ امید ہے کہ کرم فرمائیں گے اور جواب سے ممنون فرمائیں گے۔

(۱) آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے ادا کئے تھے؟

(۲) آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کن صحابیوں کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے؟

(۳) کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ دن کے آخری حصہ میں سونا ممنوع ہے اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟

براہ کرم ان کا جواب ضرور دیں، مختصر جواب سے بھی فائدہ ہوگا۔

والسلام

خادم نورالحسن کریم نگر اے، پی

زمزم ! حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے جس کا نام عمرات النبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے اس میں شیخ نے آنحضورؐ کے عمرات کی پوری تفصیل دی ہے، اس موضوع پر اس سے جامع کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے دو عمرے کئے اور بعض روایات سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چار عمرے کئے۔

دو عمرے والی روایت حضرت عبداللہ بن عمر سے ہے، اور چار کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے ان دو عمروں کا ذکر کیا ہے، جو کامل اور مستقل تھے، اور حضرت عائشہ نے آپ کے عمروں میں ان دو کو بھی شامل کیا ہے جو آپ نے حج کے ساتھ کئے اور اس کا بھی جس کا احرام آپ نے باندھا مگر کافروں کی رکاوٹ کی وجہ سے اس عمرہ کو آپ نے ادا نہیں کیا، آئندہ سال آپ نے اس کی قضا کی۔

(۲) کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے متعدد نمازیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدار میں ادا فرمائی ہیں، اور ایک مرتبہ سفر میں ایک رکعت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے آپ نے پڑھی تھی، ان دو صحابیوں کے علاوہ کسی تیسرے صحابی کا ذکر کتابوں میں مجھے نہیں ملا۔

حافظ ابن حجر ہیثمی مکی الصواعق المحرقۃ میں فرماتے ہیں :

عن ابن عباس۔ لم یصل النبی صلے اللہ علیہ وسلم خلف احد من امتہ الاخلف ابی بکر واما عبدالرحمٰن فصلی خلفہ رکعۃ واحدۃ فی سفر۔ ص ۳۳

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور نے اپنی امت میں سے صرف حضرت ابوبکر کی اقتدار میں نماز پڑھی ہے۔ رہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تو آپ نے ایک سفر میں ان کے پیچھے صرف ایک رکعت پڑھی تھی۔

(۳) سفیان بن عیینہ کی جامع سے حافظ ابن حجر نے خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی موقوف یہ روایت ذکر کی ہے۔ قال : نوم اول النھار خرق واوسطہ خلق واٰخرہ حمق۔ اور اس کی سند کو صحیح بتلایا ہے۔ (فتح الباری ص ۱۲۶) اس سے معلوم ہوا کہ فجر بعد بھی لیٹنا اچھا نہیں ہے، اسی طرح عصر بعد کا سونا عقلمندی کا کام نہیں ہے، البتہ دوپہر میں کھانے کے بعد تھوڑا سا سو لینا جس کو قیلولہ کہا جاتا ہے وہ پسندیدہ اور سنت والا عمل ہے۔ (محمد ابوبکر غازیپوری)

از - حافظ نعیم الظفر نعمانی ندوی
ابن مولانا محمد حنیف ملی - مالیگاؤں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
رعایا پرور بادشاہ

> دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمراں بتائے جس کے قمیص پر دس دس اور بارہ بارہ پیوند لگے ہوں - کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے گھر پانی بھر آتا ہو - ان کا بازار لادیتا ہو، فرش خاک پر پڑا رہتا ہو - بازاروں میں گشت لگاتا ہو اور لوگوں کے مسائل دریافت کر کے اسے رفع کرتا ہو -

آفریں و مرحبا ذکر عظمتِ عمرؓ
پھر دلوں میں جاگ اٹھا شوق مدحتِ عمرؓ

یہ وہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جو ان دو میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعا کی تھی - اللہ نے آپ کو اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا اور ابوجہل (عمرو) محروم رہا -

یہ وہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جو بعد میں مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے اور اسلام و مسلمانوں کو بہت ہی زیادہ قوت وشان و شوکت حاصل ہوئی - آپ رضی اللہ عنہ

کے دورِ خلافت میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا عدل و انصاف ضرب المثل بن گیا تھا۔

عدل میں کمال ہے شرع کا خیال ہے
کتنا بے مثال ہے حسنِ سیرتِ عمر رضؓ

احادیثِ مبارکہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہت سے مناقب و فضائل ذکر کئے گئے ہیں۔ پیغمبرِ اسلام جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔

ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس راستے سے گذر جائیں شیطان کی مجال نہیں کہ اُدھر سے گذر جائے۔ آپ کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی تعلق و محبت تھی۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور احترام رگ رگ میں بھرا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ کسی فیصلے میں صاحب معاملہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر کچھ اشکال ہوا۔ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا قضیہ لے کر دوبارہ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ اس کا فیصلہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں گئے اور تلوار لاکر اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور فرمایا کہ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ مانے اس کا فیصلہ یہی ہے۔

آپ بڑے رعایا پرور، کرم گستر اور بڑے خلیق تھے۔ اپنی رعیت کی خبر گیری امتیازی شان رکھتی ہے۔ مخلوقِ خدا کی ضروریات کو پوری کرنے اور ان کے مسائل کو رفع کرنے کے لئے راتوں کو بھی گشت لگایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک رات گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنی خواب گاہ میں ہجر (شوہر کی جدائی) کے اشعار گنگنا رہی تھی یہ اشعار سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بہت قلق ہوا کہ میں نے زنانِ عرب پر بڑا ظلم کیا ہے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر رہ سکتی ہے کہا چار مہینے اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا ہوا تھا صبح ہوتے ہی ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے

سے زیادہ باہر نہ رہے ۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے ۔ نزدیک جا کر کہا داہنے ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رقت طاری ہو گئی کہنے لگے افسوس انھیں وضو کون کراتا ہوگا ؟ سر کون دھلاتا ہوگا ، کپڑے کون پہناتا ہوگا ؟ پھر ایک غلام کو مامور کر دیا اور اس کیلئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں ۔

فکر کی یہ داستاں ، فکر کی وہ ترجمان

یہ سیاستِ جہاں ، وہ سیاستِ عمرؓ

آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے جانے کے بعد اس بات کا بڑا اہتمام رکھتے تھے آپ کی خلافت میں کوئی بھی شخص بھوکا اور پریشان حال نہ رہے ۔ کمزوروں ، اپاہجوں اور بے روزگاروں کا روزینہ مقرر تھا ۔ تاریخ نگاروں نے لکھا ہے سات لاکھ انسانوں کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی ۔ غرباء اور مساکین کے لئے بلا امتیاز مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کو روزانہ وظیفے مقرر کر دیئے جائیں ، اکثر شہروں میں مسافر خانے بنائے جہاں مسافروں کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا ۔ مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے ، لاوارث بچے اور یتیموں کی پرورش پر خاص توجہ کرتے اور ان کے مصارف بیت المال سے ادا ہوتے ۔

ایک شب وہ گشت کر رہے تھے ایک گھر سے گانے کی آواز آ رہی تھی آپ پشت کی دیوار سے چڑھ کر گھر کے اندر گئے تو دیکھا کہ ایک شخص ہے جس کے پاس ایک عورت بھی بیٹھی ہوئی ہے اور شراب بھی رکھی ہے ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے شخص کیا تو یہ سمجھتا تھا کہ باوجود ان گناہوں کے اللہ تیری ستر پوشی کرے گا ۔ اس نے کہا اے امیرالمومنین سزا دینے میں جلدی نہ کیجئے میں نے صرف ایک گناہ کیا لیکن آپؓ نے تین گناہ کئے ہیں ۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کسی کے عیب کا تجسس نہ کرو ۔ اور آپ نے کیا ۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے کہ گھروں میں دروازے کی طرف سے جاؤ اور آپ میرے مکان میں پشت کی دیوار سے آئے۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے نہ جاؤ۔ اور آپ میرے گھر میں بغیر میری اجازت کے آئے۔

یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اگر میں معاف کر دوں تو تجھ سے کچھ نیکی ظاہر ہوگی۔ اس نے کہا۔ ہاں امیر المومنین پھر کبھی ایسا نہ کروں گا ؎

یہ مقام رہبری، سادگی میں برتری
کانپتی ہے قیصری، پیش ہیبتِ عمرؓ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑی اعلیٰ صفات کے حامل تھے۔ آپ کے عدل و انصاف سے متاثر ہو کر گاندھی جی بھی غالباً خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے بڑے مداح تھے اور ویسی ہی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک مثالی انسان تھے۔ اسی لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنے خلفائے راشدین کی پیروی کی تاکید کی ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کے زریں اصول اور تعلیمات کو عام کیا جائے اور آپ کے اُسوہ کو اختیار کر کے ہر جگہ عدل و انصاف کو قائم کیا جائے تاکہ ساری انسانیت پھر سے چین و سکون کا سانس لے سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام انسانوں کو سیرتِ عمر رضی اللہ عنہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

لوگ زاہد آج بھی ہیں شکارِ گمرہی
چاہتی ہے زندگی پھر قیادتِ عمرؓ

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

ایک کتاب کے بارے میں باپ کی بیٹے کو نصیحت

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی پاکستان والی وہ کتاب جس کا شیخ جن حفظہ اللہ کو بڑی مدت سے انتظار تھا کل ان کے پاس پہنچ گئی ہے ۔

باپ ۔ بیٹا کیا پاکستان سے آئی ہے ؟

بیٹا ۔ اباجی پتہ تو سب پاکستان کا ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان ہی میں ہماری جماعت کے کسی مردِ مجاہد نے اس کو چھپوایا ہے ، دہلی میں ، بمبئی میں ، مئو میں کسی جگہ اس کی اشاعت ہوئی ہے ۔

باپ ۔ بیٹا، کتاب کا نام کیا ہے ؟

بیٹا ۔ اباجی اس کتاب کا نام بڑا زبردست ہے ۔ " ھدایہ عوام کی عدالت میں " جتنا نام اس کا زبردست ہے کتاب بھی اتنی ہی زبردست ہے ۔

باپ ۔ بیٹا یہ کتاب خواجہ محمد قاسم والی تو نہیں ، یعنی اس کا مصنف خواجہ محمد قاسم نام کا تو کوئی نہیں ہے ۔

وسلم کی کتابوں کا بہترین تعارف کرانا شروع کر دے گا اور ہماری اسی چھری سے ہم کو ذبح کر دے گا۔

دیکھو امام بخاری کے متعلق ہمارے مولانا عبدالسلام مبارکپوری نے اپنی کتاب سیرۃ الامام بخاری میں لکھا ہے۔

- امام بخاری صائم الدھر (ہمیشہ روزہ رکھنے والے) وجاع (بہت بھوکا رہنے والے) تھے، اس خیال سے کہ بیت الخلاء میں بار بار جانے میں بے ستر ہونا پڑتا ہے خداوند عالم سے حیا چاہئے۔ آپ نے غذا کم کرنی شروع کر دیں چند روز میں عادت کرتے کرتے یہ نوبت پہونچی کہ ایک خرما یا ایک بادام پر گذارہ دینے کی عادت ہوگئی۔

اب اگر خواجہ محمد قاسم سے کوئی منکر حدیث پوچھے کہ میاں صاحب اگر تیرہ برس روزہ رکھنا خلاف سنت ہے، تو پھر ہمیشہ روزہ رکھنا تو سنت رسول کی زبردست مخالفت ہے، اور پھر وہ منکر سنت خواجہ محمد قاسم کے الفاظ میں یہ لکھے اور کہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک بخاری شریف زیر تصنیف رہی مصنف مرحوم متواتر سنت کی خلاف ورزی کرتے رہے، ہمیشہ روزہ رکھنا منقبت نہیں سنت کی مخالفت ہے، سنت کی اس مخالفت سے عمل پر جو اثر پڑ سکتا ہے وہ تو ظاہر ہے، صحت پر بھی پڑ سکتا ہے بلکہ اس سے کتاب بھی متاثر ہو سکتی ہے۔

اور پھر وہ منکر سنت " بخاری عوام کی عدالت میں " کے نام سے ایک کتاب لکھ دے۔

اگر ہمارے خواجہ کی نقالی میں کسی منکر سنت نے یہ اقدام کر دیا تو پھر ہمارے ہاتھ سے بخاری بھی گئے اور ان کی کتاب بخاری شریف بھی گئی۔ بیٹا یہ کتاب عقل کو سر طاق رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اس کا مصنف سنت و بدعت کی تعریف سے بھی ناواقف ہے۔ اس کو زیر زمین دفن کر دو یا نذر آتش کر دو۔

بیٹا۔ اباجی، ایسی خطرناک کتاب جس کی روشنی میں امام بخاری بھی مخالف سنت قرار پائیں اور ان کی کتاب کی صحت بھی مشکوک ہو جائے، اس جیسی کتاب کیلئے شیخ جمن حفظہ اللہ

بیٹا ۔ جی اباجی ، وہی وہی ، خواجہ محمد قاسم ہی اس کے مصنف ہیں ۔

باپ ۔ بیٹا شیخ جمن سے کہو کہ اس کتاب کو پڑھ کر چکے سے مٹی میں دفن کر دیں یا نذر آتش کر دیں ۔

بیٹا ۔ کیوں اباجی اس میں کوئی بہت خطرناک بات ہے کیا ؟

باپ ۔ بیٹا یہ کتاب حنفیوں سے زیادہ ہمارے لئے مضر ہے ۔ اگر کسی منکر حدیث کے ہاتھوں میں گئی تو وہ ہماری اہلحدیثیت کو خاک میں ملا دے گا ۔ اور امام بخاری اور امام مسلم کو بدعتی بتلائے گا اور ان کی کتابوں کو غلط اور غیر صحیح کہے گا ۔ ہمارے اوپر اس کا حملہ دیوبندیوں سے زیادہ سخت ہوگا ، ہماری بڑی بدنامی اور رسوائی ہوگی ۔

بیٹا ۔ اباجی ، اس میں کیا لکھا ہے ، ہماری جماعت کیلئے کونسی خطرناک بات ہے ؟ بخاری و مسلم کی کتابیں کیسے مجروح ہو جائیں گی ۔

باپ ۔ بیٹا بہت سی باتیں ہیں ، مثلاً اسی ایک بات کو لو جس میں صاحب ہدایہ کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا ہے ۔ اس کتاب کو ۵۷۳ھ میں لکھنا شروع کیا ۔ اور یہ تیرہ برس میں مکمل ہوئی ۔ ان تیرہ برسوں میں مصنف نے مسلسل روزے رکھے اور کبھی ناغہ نہیں کیا ۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک ہدایہ زیر تصنیف رہی مصنف مرحوم متواتر سنت کی خلاف ورزی فرماتے رہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو ماہ رمضان کے علاوہ کبھی کسی ایک مہینہ کے روزے ہی مکمل نہیں رکھے ۔ ہمیشہ روزہ رکھنا منقبت نہیں سنت کی مخالفت ہے ، سنت کی اس مخالفت سے عمل پر جو اثر پڑ سکتا ہے وہ تو ظاہر ہے صحت پر بھی پڑ سکتا ہے بلکہ اس سے کتاب بھی متاثر ہو سکتی ہے ، صـ۲

بیٹا ۔ اباجی ، خواجہ محمد قاسم حفظہ اللہ کی بات تو بالکل صحیح ہے حنفی کتاب ہدایہ کا یہ بہترین تعارف ہے ۔

باپ ۔ بیٹا ڈر ہے کہ اگر یہ کتاب کسی منکر حدیث کے ہاتھ میں پہونچ گئی تو وہ اسی طرح بخاری

اتنا بے چین کیوں رہتے ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

سنت کی مخالفت گناہ نہیں ہے

نواب بھوپالی کا ارشاد

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی نزل الابرار کس کی کتاب ہے ۔

باپ ۔ بیٹا، نزل الابرار نام کی دو کتاب ہے، ایک نواب وحید الزماں حیدرآبادی کی اور دوسری نواب صاحب بھوپالی کی، تمہارے ہاتھ میں جو کتاب ہے وہ نواب صاحب بھوپالی والی ہے، بڑی زبردست اور تحقیقی کتاب ہے، اللہ نواب صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دے، جماعت کے مجدد تھے بڑا کام کر گئے ہیں ۔

بیٹا ۔ اباجی یہ کتاب شیخ ہد ہد نے مجھ کو دی ہے کہ اس کتاب کو تم اپنے پاس رکھو میرے کتب خانہ میں یہ کتاب نہیں رہ سکتی ۔

باپ ۔ بیٹا شیخ ہد ہد ایسی مبارک کتاب کو اپنے کتب خانہ میں جگہ دینے کو کیوں تیار نہیں ہیں؟

بیٹا ۔ اباجی وہ کہتے ہیں کہ ہم اہلحدیث لوگ سنت سنت کی رٹ لگائے رہتے ہیں دوسروں کو مخالفِ سنت کہتے ہیں، اس کتاب میں لکھا ہے کہ سنت کی مخالفت میں کچھ حرج نہیں ہے، نواب صاحب کیسے اہلحدیث تھے ۔

باپ ۔ بیٹا نواب صاحب جیسا بزرگ محقق مجدد عالم بھلا ایسی بات کیسے لکھ سکتا ہے، شیخ ہد ہد کو غلط فہمی ہوئی ہوگی ۔

بیٹا ۔ اباجی، شیخ ہد ہد پڑھے لکھے اہلحدیث ہیں، شیخ بکرانی حفظہ اللہ کی صحبت میں رہ کر کچھ عربی بھی سیکھ لی ہے، ان کو اس کتاب میں نواب صاحب کی یہ عبارت نظر آگئی،

نواب صاحب لکھتے ہیں :

والسنۃ ان تکون السورۃ بعد الفاتحۃ وبعد آمین ویقرأ علی

ترتیب المصحف ولو خالف جاز وصح بلا کراھۃ ص ۵۲

یعنی نماز میں سنت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور آمین کے بعد پڑھی جائے اور قرآن میں جو ترتیب ہے سورۃ اس کے موافق پڑھی جائے لیکن اگر نماز پڑھنے والا اس سنت کی خلاف ورزی کرے تو بھی جائز ہے اور نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی ۔

اباجی ، نواب صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ اگر پہلے سورۃ پڑھ لی جائے پھر سورہ فاتحہ تو بھی نماز بلا کراہت درست ہو گی اسی طرح پہلے قل اعوذ برب الناس کوئی پڑھے پھر سورہ قل اعوذ برب الفلق تو بھی نماز درست ہو جائے گی ۔

یعنی سنت کے خلاف نماز پڑھنا بھی بلا کراہت جائز و درست ہے ۔

شیخ ہدہد کہتے ہیں کہ جب خلاف سنت نماز بھی بلا کراہت جائز و درست ہے تو بلا وجہ ہم لوگ سنت سنت کی رٹ لگائے رہتے ہیں ۔

اباجی شیخ ہدہد کا نواب صاحب پر خفا ہونا درست ہی معلوم ہوتا ہے ؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا ۔

واہ جی میاں خواجہ محمد قاسم

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا ۔

بیٹا - اباجی خواجہ محمد قاسم ہدایہ عوام کی عدالت میں والے بڑے زور دار محقق ہیں ۔

باپ - بیٹا ان کا پورا خاندان ریشمیوں کا تھا یہ زور دار محقق نہیں ہو سکتے ۔

بیٹا - اباجی دیکھئے صاحب ہدایہ کے متعلق ان کا یہ زبردست انکشاف ہے فرماتے ہیں ۔

واللہ تعالیٰ معاف کرے ، شاید یہ قدرت ہی کی ناراضگی کا سبب تھا کہ صاحب ہدایہ

کو سمرقند کے محمدی قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت نہ مل سکی "

یعنی ہم اہلحدیثوں کے قبرستان میں صاحب ہدایہ کو دفن ہونے کی اجازت نہیں ملی۔

باپ ۔ بیٹا، یہ شخص ایفیچی ابن ایفیچی ہے دھوکہ باز مکار، سمرقند میں اہلحدیث کہاں سے آگئے اس نے محمدی کے لفظ سے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے کہ وہ قبرستان محمدیوں یعنی اہلحدیث کا تھا، وہ قبرستان تو احناف کا تھا، اس کو محمدی قبرستان اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس میں جو لوگ دفن تھے سب کا نام محمد تھا، مقدمہ ہدایہ جہاں سے اس ایفیچی نے یہ بات لی ہے اس میں لکھا ہے ۔

دفن فیھا نحو من اربع نفس کل منھم یقال لہ محمد

یعنی اس قبرستان میں تقریباً چار سو لوگ مدفون تھے سب کا نام محمد تھا۔

اس وجہ سے اس قبرستان کا نام تربۃ المحمدیین یعنی محمدی قبرستان رکھا گیا تھا، اس قبرستان میں ایک بھی ہماری جماعت کا کوئی غیر مقلد نہیں تھا، چونکہ یہ قبرستان خالص ان لوگوں کے لئے تھا جن کا نام محمد ہو، اور صاحب ہدایہ کا نام محمد نہیں تھا اس وجہ سے اس قبرستان میں وہ دفن نہیں ہوئے ۔

بیٹا ۔ اباجی جب اس قسم کے ایفیچی لوگ کتاب لکھنے لگیں گے تو ہماری جماعت کی نیک نامی کو داغ نہیں لگے گا ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری قسط نمبر ۲

جنوبی افریقہ کا سفر

جدہ ایرپورٹ پر ہم دو گھنٹہ قبل پہنچ گئے تھے، فکر یہ تھی کہ دو روز قبل جن سعودی ایجنٹ صاحب نے میرا پاسپورٹ اور ٹکٹ اپنے قبضہ میں کر لیا تھا وہ ایرپورٹ پر موجود ہیں یا نہیں، ان کو قاری عبدالباسط صاحب نے اپنے گھر سے فون کر دیا تھا کہ ہم اتنے بجے ایرپورٹ پہنچ جائیں گے اور جگہ کا تعین بھی کر دیا تھا کہ ایرپورٹ کے اوپر کے حصہ میں فلاں جگہ رہیں گے۔ مگر تجربہ یہ ہے کہ سعودی لوگ بہت غیر ذمہ دار ہوتے ہیں ان کو دوسروں کی پریشانیوں کا بہت کم احساس ہوتا ہے اس وجہ سے یہ فکر پریشان کئے ہوئے تھی کہ ان صاحب سے ملاقات ہو جائے اور ٹکٹ اور پاسپورٹ ہم اپنے قبضہ میں کر لیں۔ ایرپورٹ پہنچے تو وہ صاحب موجود نہیں تھے مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ آ گئے انھیں دیکھ کر اطمینان ہوا انھوں نے بہت محبت اور عقیدت سے ہاتھ ملایا اور پاسپورٹ اور ٹکٹ ہمارے حوالہ کیا اور یہ بھی تاکید کی کہ واپسی میں جوہانسبرگ سے ہم انھیں ضرور فون کر دیں تاکہ وہ ہماری مدد کو ایرپورٹ پر موجود رہیں اور اس دفعہ جس طرح کی پریشانی سے ہم دوچار ہوئے اس کا اعادہ پھر نہ ہو، ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور وہ ہم سے رخصت ہوئے۔

بھائی تسنیم صاحب اور قاری عبدالباسط صاحب کے ڈرائیور میرے ساتھ تھے ان حضرات نے ایرپورٹ کی کاروائی مکمل کرائی اور مجھے اندر بھیج کر یہ لوگ واپس ہو گئے، جدہ سے جوہانسبرگ جانے والی فلائٹ گیارہ پچپن پر تھی، اور ابھی گیارہ کا وقت ہوا تھا، میں تنہا ایک طرف بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی مسلمان مسافر جوہانسبرگ جانے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ وحشت یہ ہو رہی تھی کہ کیا اس جہاز پر

تنہا میں ہی ایک مسلمان مسافر ہوں گا، ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے دو صاحب نظر آئے جو شکل وصورت سے نہ صرف مسلمان تھے بلکہ دیندار مسلمان معلوم ہو رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر اطمینان ہوا کہ چلو کوئی تو اس جہاز سے جہانسبرگ جانے والا اپنا ہم مذہب نظر تو آیا، اسلامی اخوت بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے، غریب الوطنی میں اس نعمت کی صحیح قدر ہوتی ہے، ان حضرات سے تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ جنوبی افریقہ ہی کے رہنے والے ہیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر اسی فلائٹ سے ان کا بھی سفر ہے، یہ حضرات بہت محبت سے ملے ایک صاحب جو ذرا عمر رسیدہ تھے وہ اردو نہیں بول پا رہے تھے دوسرے نوجوان مولوی محمد قاسم تھے جو معلوم ہوا کہ دیوبند کے فارغ ہیں ان سے اردو میں گفتگو ہوتی رہی، دیوبند کی نسبت سے اور بھی ان سے انسیت ہو گئی، انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ جنوبی افریقہ میں آپ کہاں جا رہے ہیں وہاں آپ کو کون جانتا ہے، میں نے اپنے شاگردوں کے چند نام لئے تو انھوں نے بڑے تعجب سے پوچھا یہ لوگ آپ کے شاگرد ہیں! یہ تو جنوبی افریقہ کے من کبار المشائخ ہیں، اور آپ تو ہمارے استاذوں کے استاذ ہیں، پھر انھوں نے مجھ سے کہا آپ کے ساتھ کوئی خادم نہیں ہے؟ میں نے ان سے ہنستے ہوئے کہا کہ دہلی میں بہت سے خدام تھے جنھوں نے میری خدمت کی، سعودیہ پہونچا تو یہاں بھی خادموں کی ایک لمبی فہرست تھی ان میں سے کچھ ابھی ابھی واپس ہوئے ہیں اور اب سے آپ میری خدمت کریں گے، جب جہانسبرگ اتروں گا تو آپ کے یہاں کے کبار مشائخ میرے خادم بن جائیں گے، میں نے یہ گفتگو تو مذاق میں کی تھی مگر مولوی محمد قاسم نے واقعی میرے ساتھ وہی معاملہ کیا جو اپنے ایک استاذ کے ساتھ ایک شاگرد رشید کرتا ہے، انھوں نے میری خدمت کو اپنا فریضہ بنا لیا، چائے ناشتہ جوس سب سے تواضع کر رہے ہیں اور جب جہاز میں سوار ہونے کا وقت آیا تو میرا سارا سامان انھوں نے اور ان کے ساتھی نے اٹھا لیا، میں خالی ہاتھ آرام سے جہاز میں سوار ہوا، ہم لوگ ابھی جہاز میں پہونچے نہیں تھے کہ دیکھا پاکستان کے مشہور عالم اور دار العلوم بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا عبد الرزاق سکندر اپنے ایک رفیق کے ہمراہ گزر رہے ہیں ان کی طرف ان سے ملنے کیلئے لپکا مگر وہ آگے نکل چکے تھے۔ وہ بھی اسی فلائٹ سے جہانسبرگ جا رہے تھے، پھر ان سے

جہاز میں ملاقات ہوئی، جہاز میں ہم بھی اور مسافروں کے ساتھ سوار ہوگئے جہاز اپنے ٹھیک وقت سے چھوٹا، یہ دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ جب ہم سعودی ایرلائنس سے دہلی سے چلے تھے تو اس جہاز کی سروس نہایت خراب تھی، نہ ڈھنگ کا کھانا تھا، نہ جوس وغیرہ سے تواضع تھی اور نہ ہی بلانے پر جہاز کا عملہ خوشی سے آتا تھا، نہ کوئی تحفہ دیا گیا، مگر جدہ سے اسی ایرلائنس کا جہاز جب جنوبی افریقہ کیلئے اڑا تو معاملہ بالکل برعکس تھا، جہاز میں سروس بھی عمدہ تھی، کھانا بھی عمدہ ناشتہ بھی عمدہ تھا اور اس جہاز میں تمام مسافروں کو ہلکا سا بیگ اس میں ایک موزہ اور دانت صاف کرنے کا برش اور دو ایک چیز اور بھی تھی، یہ تحفہ بھی دیا گیا، ایک ہی ایرلائنس کے دونوں جہازوں میں یہ فرق کیوں تھا؟ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان سے جو جہاز اڑا تھا اس میں ہندوستانی اور مسلمان زیادہ تھے جو کسی اعزاز و اکرام کا استحقاق نہیں رکھتے اور جدہ سے جو سعودی ایرلائنس کا جہاز اڑا تھا جو جہانسبرگ جارہا تھا جس پر سوار زیادہ انگریز تھے اور وہ ایک انگریز ملک میں اترنے والا تھا، اور جہاز میں جو کچھ مسافروں کا اکرام، ان کی خدمت کا جذبہ تھا یہ اسی وجہ سے تھا؟ اگر اس فرق کی یہی وجہ تھی تو اس سے اندازہ لگتا ہے کہ عرب حکومتوں کی انگریزی قوم سے مرعوبیت کی انتہا کہاں تک پہونچ چکی ہے، جب کسی ملک اور قوم میں دوسروں کی مرعوبیت پیدا ہوجائے تو وہ قوم عزت کی زندگی نہیں پاسکتی۔

جہاز ایک گھنٹہ کے لئے نیروبی رکا پھر وہاں سے چلا تو سیدھا جہانسبرگ اپنے وقت پر پہونچا، راستہ بہت آرام سے گزرا، جہاز میں مولانا عبدالرزاق سکندر صاحب سے دیر تک گفتگو رہی وہ اوسط کلاس میں اوپر کی منزل میں سفر کر رہے تھے، ان سے ملا تو وہ بڑے تپاک اور محبت سے ملے، زمزم ان کے یہاں جاتا ہے، اس کا تذکرہ رہا، اور پھر پاکستان کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ پاکستان کا ہر دردمند انسان اور خاص طور سے وہ لوگ جن کا تعلق دینی وعلمی طبقہ سے ہے پاکستان کے موجودہ حالات سے بہت غیر مطمئن ہیں۔ مولانا عبدالرزاق سکندر صاحب بھی پاکستان کے حالات سے بہت غیر مطمئن اور وہاں کی موجودہ حکومت کی امریکہ نواز اور دین دشمن پالیسی سے بہت فکرمند تھے۔

جہانسبرگ ایرپورٹ پر ہمارا جہاز ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے پہونچ گیا تھا، تھوڑی ہی دیر میں باہر نکلنے کی کارروائی بھی مکمل ہوگئی، یہ دیکھ کر بڑی عبرت ہوئی کہ ابھی چند سال پہلے غالباً ۱۹۹۴ء تک تمام سرکاری دفاتر اور اہم جگہوں پر گوروں کا قبضہ تھا اور اب جو انقلاب آیا تو گوروں کا ان جگہوں سے آہستہ آہستہ صفایا ہو رہا ہے اور ان کی جگہ کالے لے رہے ہیں، جہانسبرگ ایرپورٹ پر مجھے ایک بھی گورا ملازم نظر نہیں آیا سارا کام کالے دیکھ رہے تھے اور بہت پھرتی سے کام مکمل کر رہے تھے۔

میں دہلی ایرپورٹ سے جہانسبرگ کے لئے وزنی سامان بک کرا دیا تھا، جدہ میں صرف کچھ ہاتھ میں سامان تھا۔ فکر یہ تھی کہ دہلی والا سامان جہانسبرگ پہنچا یا نہیں، جب سامان والا چکر گھوما اور سامان آنے لگا تو اپنے سامان پر جب نظر پڑی تو اطمینان ہوا، سامان کے ساتھ باہر نکلا تو شاگردوں اور محبت کرنے والے غائبانہ متعارفین کی ایک بڑی تعداد نظر آئی جو انتہائی اشتیاق سے میرا انتظار کر رہے تھے اور دور دور سے میرے استقبال کیلئے آئے تھے، بہت سے چہرے تھے جن پر تیس سال کے بعد پہلی دفعہ نظر پڑ رہی تھی۔ میں جب ڈابھیل میں تھا تو میرے بال بالکل سیاہ تھے بدن ہلکا تھا سارے دانت موجود تھے۔ اب نہ دانت ہیں اور نہ سیاہ بال اور بدن بھی بھاری ہوگیا ہے، مولوی سعید، مولوی خالد، مولوی محمود مولوی ایوب منگیرا اسلام اللہ کو تو میں نے ایک نظر میں پہچان لیا۔ البتہ مولوی ابراہیم پٹیل اور مولوی صابر مولوی یعقوب مفتی عبداللہ تا نا اور بعض دوسرے شاگردوں کو تھوڑے توقف کے بعد پہچانا، یہ تمام ہمارے وہ شاگرد تھے جو جہانسبرگ میں کوئی نہ کوئی علمی کام انجام دے رہے ہیں اور واقعی یہ جنوبی افریقہ کے کبار مشائخ میں شمار ہوتے ہیں، ان شاگردوں کا جم غفیر دیکھ کر مولوی محمد قاسم کو جن سے جدہ ایرپورٹ پر ملاقات ہوئی تھی بڑی حیرت ہو رہی تھی انھوں نے استقبال کرنے والوں میں سے ایک صاحب کو کنارہ لیجا کر بڑے تعجب سے کہا کہ یہ اتنے بڑے مولانا ہیں اور اتنے سمپل (سادہ) ہیں۔ انھوں نے انکو جواب دیا کام کرنے والے لوگ اسی طرح سادہ مزاج اور سادہ طبیعت ہوتے ہیں، تمام شاگردوں کی خواہش تھی کہ میں ان کی گاڑی میں بیٹھوں سب اپنی اپنی گاڑی لے کر آئے ہوئے تھے مگر چونکہ میں

مہمان مولوی مفتی سعید متارا سلمہ کا تھا اس وجہ سے ان کی گاڑی پر بیٹھا میرے ساتھ مولوی احمد درویش سلمہ اور مولانا عبدالرحیم صاحب مدرس مدرسہ آزادویل بیٹھے، مولوی احمد درویش میرے شاگرد ہیں مگر مولوی عبدالرحیم صاحب شاگرد نہیں ہیں مگر زمزم کا وہ پابندی سے مطالعہ کرنے والے آزادویل میں واحد آدمی ہیں اسی وجہ سے ان کو مجھ سے غائبانہ محبت اور عقیدت تھی اور بعد میں معلوم ہوا کہ میرے جنوبی افریقہ کے سفر کے وہ بھی محرک تھے، یہ بڑے دلچسپ آدمی ہیں اور مزاجاً مجھ سے بڑا توافق رکھتے ہیں ان کا اور مولوی احمد درویش سلمہ کا کچھ تعارف اپنی اپنی جگہ آئے گا۔

گاڑی میں بیٹھ کر ہم لوگ سیدھے آزادویل پہونچے جہانسبرگ سے آزادویل آدھ پون گھنٹے کا راستہ ہے، راستہ میں جو اہم عمارتیں نظر آتی تھیں مولانا عبدالرحیم صاحب ان سے واقف بھی کراتے جاتے تھے، وہ پہاڑ بھی نظر آئے جن کے نیچے سونا تھا اور اب اس کا سونا نکالا جا چکا ہے، زمین سے جو مٹی کھود کر نکالی گئی تھی اس کا رنگ بھی سنہرا نظر آ رہا تھا۔

۱۱ بجے کے لگ بھگ ہم آزادویل کے سورتی محلہ میں مولانا مفتی سعید متارا کے گھر پہنچے۔ آج اور آج کے بعد کا دن آرام کا تھا۔ مولانا سعید نے بتلایا کہ یہ دو دن ہم نے آپ کے آرام کے رکھے ہیں ان دو دنوں میں کوئی پروگرام نہیں رکھا گیا۔

مفتی سعید کے گھر پہونچ کر چائے ناشتہ ہوا اور پھر آرام دوپہر کا کھانا اور نماز، اور پھر آنے والوں کا تسلسل شام تک رہا، پھر مغرب بعد پھر عشاء بعد عشاء بعد رات کا کھانا کھایا گیا، مفتی سعید اور ان کے گھر والوں نے بڑا اہتمام کیا تھا، کھانے پر بیس پچیس آدمی تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اور ہمارے مخدوم حضرت مولانا بایزید صاحب دامت برکاتہم بھی آگئے تھے، ان کے صاحبزادے اور میرے عزیز ترین شاگرد مولوی خالد سلمہ میری پیشوائی کیلئے ایرپورٹ اپنے رفیق خاص مولوی ایوب منگیرا کے ساتھ صبح ہی جہانسبرگ پہنچ گئے تھے۔ میرے ایک بڑے لائق فائق شاگرد سلیمان چوکسی ڈابھیل میں تھے، فراغت کے بعد پھر ڈابھیل ہی میں مدرس ہو گئے تھے، اور اب وہ کئی سال سے ساؤتھ افریقہ کے مشہور مدرسہ دارالعلوم زکریا میں درجہ علیا کے مدرس ہیں، وہ بھی آگئے تھے، میرے چلنے پھرنے کا انداز دیکھ کر انہوں نے

فوراً ایک خوبصورت عصا لاکر تھا دیا کہ آپ اس کو استعمال کریں، بڑی دیر تک یہ تمام شاگرد نہایت جوش و جذبہ اور محبت کے ساتھ بیٹھے رہے اور باتیں ہوتی رہیں، ہر شاگرد محبت و خلوص کا پیکر نظر آرہا تھا، ڈابھیل کے زمانہ کی یادیں تازہ ہوتی رہیں، کسی کو میری ڈانٹ یاد تھی، اور کسی کو سزا اور کسی کو میری ہنسی مذاق کی بات، کوئی پڑھانے کا انداز یاد کر رہا تھا۔ بہت سی باتیں اور جملے جو میں بھول چکا تھا وہ یہ یاد دلا رہے تھے، اپنے شاگردوں کا جنوبی افریقہ میں کام اور ان کا مقام معلوم کرکے میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی، ایک کسان اپنی کشت زار کو دیکھ کر جس طرح خوش ہوتا ہے میری خوشی کا بھی کچھ یہی عالم تھا، جب رات بہت ہوگئی تو جو دور دراز سے آئے تھے وہ تو رہ گئے اور چالیس پچاس کیلو میٹر کے فاصلہ کے تھے دوبارہ ملنے اور بار بار ملاقات کا وعدہ کرکے واپس ہوئے، میں بھی تھکا ہوا تھا، اسلئے بستر پر چلا گیا اور سونے کی تیاری میں لگ گیا۔

مولوی سلیمان جو کسی کو پاکستان جانا تھا انھوں نے کہا کہ معلوم نہیں ملاقات ہو کہ نہ ہو انھوں نے خاموشی سے ایک اچھی خاصی رقم لفافہ میں رکھ کے یہ کہہ کر پیش کر دی کہ آپ کو یہاں کوئی ضرورت ہو تو اس میں سے خرچ کریں کسی سے مانگنے کی ضرورت نہ ہو۔ الحمد للہ رات بہت آرام سے گزری صبح فجر کی نماز دارالعلوم آزادویل کی مسجد میں پڑھی پھر ایک نظر مدرسہ کی عمارت پر ڈالتے ہوئے مفتی سعید صاحب کے گھر آگئے، تھوڑی دیر بعد ناشتہ ہوا جس میں مولوی احمد درویش سلمہٗ، مولانا عبدالرحیم اور کچھ دیگر حضرات تھے، پھر دارالعلوم آزادویل تفصیل سے جاکر دیکھا۔ دارالعلوم کی مسجد کی عمارت بہت شاندار ہے اس کا احاطہ بہت وسیع کار پارکنگ کی بہت بڑی اور محفوظ جگہ ہے، دارالعلوم کا کتب خانہ بھی بہت عمدہ ہے، مراجع کی کتابوں کی بڑی تعداد ہے، یہاں کا شعبہ افتاء بہت فعال اور متحرک ہے جس کے نگران اعلیٰ اور صدر شعبہ مفتی سعید متارا سلمہ ہیں، یہاں تخصص فی الافتاء کا مستقل شعبہ ہے جس میں طلبہ کی ایک معتدبہ تعداد ہر سال مفتی بن کر نکلتی ہے، اس شعبہ میں کمپیوٹر کا نظام ہے اور بیرون ملک ای میل کے ذریعہ جو استفتاء آتے ہیں اس کا جواب بھی ای میل سے بھیجا جاتا ہے۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا عبدالحمید صاحب

ہیں جو بہت متواضع ملنسار اور خلیق آدمی ہیں، مولانا اختر شاہ کراچی والے کے خلیفہ ہیں، ان کے نائب ان کے بھتیجے اور میرے شاگرد قاری اسماعیل سلّمہ ہیں، مدرسہ کے بانی بھی مولانا عبدالحمید صاحب ہیں، کھانے پینے کا نظام بہت اچھا ہے مطبخ میں زیادہ تر کام مشینوں سے ہوتا ہے، صفائی ستھرائی قابلِ رشک حد تک ہے، مدرسہ میں ایک شعبہ کتابوں اور رسائل کی اشاعت کا بھی ہے، اپنے اکابر کی کئی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ شائع ہوا ہے، تفسیر عثمانی کو بھی انگریزی میں منتقل کیا جا رہا ہے اور اس کی تین جلدیں چھپ چکی ہیں۔ مدرسہ میں بیرونی طلبہ کی تعداد تقریباً ڈھائی سو ہے، تمام طلبہ باشرع مہذب اور دین کے رنگ میں ڈوبے نظر آئے، بیشتر طلبہ کے سروں پر عمامہ رہتا ہے، نماز اور درسگاہوں میں حاضری قابلِ رشک حد تک نظر آئی، جب میں پہونچا تو امتحان کا زمانہ قریب تھا، تمام طلبہ بڑی توجہ اور انہماک سے امتحان کی تیاری میں لگے ہوئے تھے۔

دارالعلوم کے شیخ الحدیث ہمارے غازیپور سے قریب مئو شہر کے مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہٗ ہیں[۱] متواضع خلیق ملنسار ہنس مکھ اور پرمزاح گفتگو کرنے والے شخص ہیں، ان سے

---

(۱) مولانا فضل الرحمن صاحب اعظمی جامعہ مفتاح العلوم مئو کے فارغ ہیں اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں، جب میں ڈابھیل میں تھا تو وہاں ایک عربی استاذ کی ضرورت پڑی اس کا تذکرہ مولانا محمد سعید بزرگ سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے مجھ سے کیا، میں نے ان سے مولانا فضل الرحمن صاحب کا ذکر کیا اور میں ہی ان کو لے کر ڈابھیل گیا تھا، کئی سال تک انھوں نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں اونچی کتابوں کا درس دیا، اور پھر مفتی سعید متالا سلمہ کی دعوت اور ان کی خواہش پر افریقہ چلے گئے اور دارالعلوم آزادویل میں مدرس ہوئے، بعد میں ان کے بال بچے بھی افریقہ منتقل ہو گئے۔

مولانا فضل الرحمن صاحب نہایت جید الاستعداد عالم ہیں فقہ اور حدیث سے بہت مناسبت ہے، صاحب قلم بھی ہیں ان کے قلم سے دینی وعلمی موضوع پر کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اب افریقہ کے باشندہ ہو گئے ہیں، اور وہیں گھر بنا لیا ہے بلکہ کئی گھروں کے مالک ہیں، کثیر الاولاد ہیں،

مل کر بہت خوشی ہوئی، میرا بار بار مکہ مکرمہ جانا ہوا اور یہ بھی جاتے رہتے ہیں مگر اتفاق یہ کہ اس
لئے سے وہاں ملاقات نہ ہوسکی، جب وہ ہندوستان آئے تب بھی ان سے ملاقات کا اتفاق
نہ ہوسکا اب ایک مدت کے بعد جب ملاقات ہوئی تو انھیں بھی خوشی ہوئی اور میں بھی بہت مسرور ہوا۔
دارالعلوم آزادویل کے کتب خانہ میں مجھے علامہ کوثری کی کئی کتابیں نظر آئیں جنکی
مجھے تلاش تھی اسی طرح شیخ ابوغدہ کی تحقیقات و تعلیقات سے مزید چند ایسے رسالے نظر آئے
جن کو میں پڑھنا چاہ رہا تھا کچھ اور کتابیں تھیں، میں ان کتابوں کو دیکھ کر للچایا مفتی سعید صاحب
مولانا عبدالرحیم صاحب نے میرے اوپر کرم فرمایا نیز ان کے شاگردوں نے بڑی ہمت کا ثبوت
دیا اور کئی کتابوں کا فوٹو مجھے کرا کر دیا۔ اور بعض کتابیں جو ان طلبہ کے پاس مکرر تھیں اس کا ایک
ایک نسخہ مجھے ہدیہ کر دیا یہ میرے لئے بڑا قیمتی تحفہ بن گیا اور میں نے ان طلبہ اور ان کرم فرماؤں کا تہ دل
سے شکر ادا کیا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ان احسانات کا بہترین بدلہ دے۔

ہمارے عام مدارس میں تنخواہوں کا معیار مدرس کی علمی و تدریسی صلاحیت کے اعتبار سے ہوتا
ہے، مگر دارالعلوم آزادویل میں تنخواہ کا معیار مدرس کے اہل خانہ میں کتنے افراد ہیں یہ دیکھ کر متعین
کیا جاتا ہے، اگر کسی مدرس کے گھر کے افراد کم ہیں تو وہ چاہے اونچے کلاس کا مدرس ہو اس کی
تنخواہ کم ہوگی اور کسی کے گھر میں افراد زیادہ ہیں تو اس کی تنخواہ زیادہ ہوگی خواہ وہ صلاحیت
کے اعتبار سے کم معیار کا کیوں نہ ہو۔ دارالعلوم آزادویل میں تنخواہ مقرر کرنے کا یہ پیمانہ ہماری
عقل میں نہیں آیا اور نہ اسے پسند کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے، اس کا تدریس پر بھی خاصہ
اثر پڑتا ہے اور لوگوں میں ہر وقت ہنسی مذاق کا یہ موضوع بنا رہتا ہے کہ آپ کے یہاں پیدائش

ان کے بچے سب ماشاء اللہ عالم حافظ اور دیندار ہیں، مولانا کے تبلیغی اسفار اندرون جنوبی افریقہ کے
علاوہ یورپ امریکہ اور افریقہ کے ملکوں میں ہوتے رہتے ہیں، کئی سال سے رمضان شریف کا پورا مہینہ
لندن میں گزارتے ہیں حضرت مولانا شاہ اختر صاحب کراچی والے کے مرید اور خلیفہ بھی ہیں، حج وغیرہ
کی سعادت بھی بار بار حاصل کرتے رہتے ہیں۔ حفظہ اللہ

کب ہونے والی ہے، آپ کے کتنے بچے ہیں، ارے بھائی دوسری پیدائش کا وقت کب ہے۔
اس قسم کی باتیں مدرسوں سے سننے میں آئیں، مجھے یہ معلوم ہوا کہ تنخواہ مقرر کرنے کا یہ معاملہ مدرسین ہی تک نہیں ہے بلکہ عام ملازمین اور دفتر میں کام کرنے والے لوگوں کو بھی اچھے اور باصلاحیت ہوکر کم بال بچوں والے مدرسین پر اس وجہ سے تنخواہ کے معاملہ میں ترجیح دی جاتی ہے کہ ان کے گھر میں افراد کی زیادتی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ ملازم کالوں میں سے کوئی ہے تو اس کیلئے تنخواہ کا یہ معیار نہیں ہے بلکہ اس کو کالا ہونے کی وجہ سے بہت کم تنخواہ دی جاتی ہے اور اسکے گھر کے افراد کی تعداد کو تنخواہ مقرر کرنے میں ملحوظ نہیں رکھا جاتا، ایک دینی و عربی مدرسہ میں کالے گورے میں یہ امتیاز سمجھ میں بالکل نہیں آیا، معلوم ہوا کہ اس کی وجہ سے بعض کالے ملازمین نے مدرسہ چھوڑ دیا۔

اگر مدرسہ کے مہتمم مولانا عبدالحمید صاحب اس پر غور کریں تو بہت مناسب ہو، تنخواہ کا معیار مدرسین کی علمی استعداد و صلاحیت اور تدریسی تجربہ کی بنیاد پر ہو تو مدرسین کا احساس و شعور مجروح نہیں ہوتا اور وہ دلچسپی اور لگن کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔

آج بھی دوپہر کا کھانا مفتی سعید صاحب کے یہاں ہی تھا، پاکستان کے ڈاکٹر صابر صاحب بھی تشریف لائے تھے یہ بریلی . بریلی کے لائن کے آدمی ہیں ان کا بھی ساؤتھ افریقہ میں ایک حلقہ ہے، نوجوان آدمی ہیں عصر بعد ان سے ملاقات ہوئی ان کے میزبان کے گھر ہوئی، یہ انکی مجلس کا وقت تھا، ان سے تھوڑی سی گفتگو ہوئی انھوں نے بتلایا کہ وہ لندن میں زمزم پرچہ دیکھ چکے ہیں اور غائبانہ مجھ سے متعارف ہیں، میں نے محسوس کیا کہ میری موجودگی میں وہ کھل کر اپنے خیالات اپنے لوگوں سے نہ کہہ سکیں گے تکلف ہوگا اس لئے جلد ہی واپس آگیا، مغرب بعد جہاں ان کی دعوت تھی وہاں میں بھی مدعو تھا۔ میں کھانا کھا رہا تھا کہ مولوی ادریس[1] مالدیپی جو افریقہ آئے ہوئے تھے ان کو معلوم ہوا

---

(۱) مولوی ادریس مالدیپ کے باشندہ ہیں جب میں ڈابھیل تھا تو بہت سے مالدیپی طلبہ بھی تحریک سے اس زمانہ میں وہاں پڑھنے آتے تھے، ڈابھیل ہی سے فراغت حاصل کی بڑے تیز ذہن میں ہیں

کر میں آیا ہوں تو مجھ سے ملنے وہیں آگئے جہاں میں کھانا کھا رہا تھا۔ یہ بھی ڈابھیل کے زمانہ کے میرے شاگرد ہیں۔ انھوں نے باہر کسی سے میرے بارے میں معلوم کیا اندر آئے اور لپک کر ملے اور میرے کان میں اپنی مظلومیت کے چند کلمات ڈالے مگر میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے پہچان نہیں سکے، اور واقعہ یہی تھا کہ مجھے کوئی دوسرا بزرگ سمجھ کر میرے پاس آئے تھے پھر انھوں نے وہاں اپنے ساتھیوں سے پوچھا مولانا غازی پوری صاحب کہاں ہیں تو لوگوں نے بتلایا کہ ابھی ابھی آپ جس سے ملے ہیں یہی مولانا غازیپوری ہیں وہ چونک کر اور۔ ہاں ،، کہہ کر پھر میری طرف لپکے اور دیر تک گلے سے لگے رہے، اور کہا کہ میں نے آپ کو بالکل نہیں پہچانا، آپ تو بہت بدل گئے ہیں۔ بہر حال ان سے ملاقات بھی ڈابھیل کے زمانہ کے بعد اب پہلی مرتبہ ہو رہی تھی وہ بھی خوش تھے اور میں بھی خوش، ان کو اس وقت کہیں دور کا سفر کرنا تھا اسلئے وہ مجھ سے مل کر رخصت ہو گئے، صرف میری ملاقات کی خاطر انھوں نے اتنی دور کا سفر کیا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ واپس مفتی سعید کے گھر اپنی قیامگاہ پر آگئے، دارالعلوم آزاد ویل میں جب تک امتحان شروع نہیں ہوا تھا ہر روز عشاء بعد درجہ علیا اور افتاء کے طلبہ آتے رہتے تھے اور بہت دیر تک میرے پاس میرے ان کے علمی سوالات سے ان کے علمی ذوق کا اندازہ ہوتا تھا، مفتی مسعود قاسم، محمد اسحق، عبدالرحمن پاندور طلہ، زکریا ان طلبہ کا نام یاد رہ گیا ہے ان کے علاوہ آنے جانے والے طلبہ بہت تھے، مفتی سعید کے علاوہ میری خدمت کرنیوالے

خوب بولتے ہیں جہانیاں جہاں گشت ہیں، دن کہیں رات کہیں، صبح کہیں شام کہیں۔ مزاج ہے، آجکل دہلی میں رہتے ہیں اور افریقہ ان کا آنا جانا رہتا ہے، اسلامی تحریکوں سے ان کی وابستگی رہتی ہے، مالدیپ میں ان کا داخلہ بند ہے، ان پر حکومت کو شبہ ہے کہ یہ القاعدہ کے آدمی ہیں، بیچارہ مولوی ادریس سیدھا سادھا آدمی کہاں اور کہاں القاعدہ، مگر آدمی بہتر ہو اور اس کا مزاج تحریکی ہو تو بس اس سے لوگوں کو خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے اور آجکل تو کسی کو بھی القاعدہ کا آدمی بتلا کر کوئی بھی حکومت جو چاہے سزا دیدے۔

اور ہردم کے حاضر باش مولوی احمد پانڈور سلمہ بھی اس مجلس میں شریک رہتے۔

میں نے محسوس کیا کہ ان طلبہ کا مطالعہ ابن تیمیہ کے بارے میں بہت زیادہ ہے اور علامہ کوثری سے یہ بہت زیادہ متاثر ہیں، اس تاثر کا نتیجہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے بارے میں ان طلبہ کو بہت بدگمانی ہے، یہ طلبہ مجھ سے بار بار سوال کرتے تھے کہ آپ کا ابن تیمیہ کے بارے میں کیا خیال ہے، میں ہوں ہاں کر کے ٹال دیتا تھا۔ وہ ابن تیمیہ کی تعریف کسی طرح بھی سننے کو تیار نہیں تھے، بلکہ ابن تیمیہ کو اہل سنت والجماعت میں بھی شمار کرنے کو وہ تیار نہیں تھے۔ اور کتابوں کے حوالے کے ساتھ مجھ سے بحث کرتے کہ ابن تیمیہ[1] کی فلاں کتاب میں یہ ہے۔ اور فلاں کتاب میں یہ ہے اور یہ سب باتیں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہیں، ان کی گفتگو بڑی پُرلطف ہوتی مجھے ان کا علمی ذوق دیکھ کر خوشی ہوتی تھی، بارہ بجے سے پہلے کبھی رات میں انکی واپسی نہ ہوتی اور وہ بھی مولانا مفتی سعید کے کہنے پر کہ اب مولانا کو آرام کر دے دو۔

صبح ہوئی تو ۷ را کتوبر کی تاریخ تھی، رات ہی میں مفتی سعید نے کہا تھا کہ اگر آپ کو زحمت اور تعب نہ ہو تو میرے ذمہ جو کتابیں ہیں کل ان کا ختم ہے وہ آپ کرا دیں۔ میں نے انکی خواہش کے احترام میں اس کو قبول کر لیا تھا، چنانچہ آج صبح ساڑھے آٹھ بجے دارالعلوم آزادول

---

(۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں ہمارے اکابر کی الگ الگ رائیں ہیں، حضرت مدنی ابن تیمیہ کے بارے میں بڑے سخت تھے۔ علامہ انور شاہ کشمیری کو ابن تیمیہ سے بہت سی باتوں سے اختلاف تھا مگر وہ ان کے علم کی بلندی اور بے پناہ استحضار کے معترف تھے۔ ہم چھوٹے لوگ اتنے بلند لوگوں کے بارے میں جن کے علم تک ہماری رسائی نہیں کیا رائے ظاہر کر سکتے ہیں البتہ جو کھلے کھلے مسائل ہیں جن میں ابن تیمیہ کا مسلک جمہور اہلسنت والجماعت سے بالکل الگ ہے، جیسے شد رحال کا مسئلہ ہے، یا طلاق کا مسئلہ ہے، ان مسائل میں ابن تیمیہ سے ہم اتفاق نہیں کرتے، اور جمہور ہی کو برسرِ حق سمجھتے ہیں، اسی طرح ابن تیمیہ نے شیخ ابن عربی یا امام غزالی یا ان جیسے دوسرے صوفیائے کرام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کو ہم بالکل غلط سمجھتے ہیں۔

میں مسلم شریف ابوداؤد شریف جلالین اور نخبۃ الفکر ان کتابوں کا ختم کرایا اور دعا کے بعد طلبہ سے مختصر سا خطاب ہوا۔

آزادویل شہر سے تقریباً ۲۷ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک جگہ لائن پارک کے نام سے موسوم ہے یہاں ایک چڑیا گھر ہے، جس میں بہت سے جانور ہیں مگر شیروں کی یہاں بہت بڑی تعداد ہے اس وجہ سے اس جگہ کا نام لائن پارک رکھدیا گیا ہے یعنی شیروں کا پارک۔

رات ہی میں یہ طے ہوا تھا کہ کتابوں کے ختم کرانے کی تقریب سے فارغ ہو کر لائن پارک اس چڑیا گھر کو دیکھنے جائیں گے، چنانچہ میں اور دارالعلوم کے نائب مہتمم عزیزم قاری اسماعیل سلمہ اور مولانا عبدالرحیم صاحب۔ مولانا قاری اسمٰعیل کی گاڑی سے ساڑھے نو دس بجے کے قریب نکلے اور تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گئے اور ٹکٹ لیکر ہم اندر داخل ہوئے، اندر جاکر یہ احساس ہوا کہ یہ چڑیا گھر بہت معمولی اور عام قسم کا ہے، بس شیروں اور شیروں کے بچوں کی تعداد زیادہ ہے، ہم نے یہاں شیروں کو بہت قریب سے دیکھا یعنی گاڑی میں بیٹھ کر صرف چند قدم کے فاصلہ سے ہم شیروں کو دیکھ رہے تھے ہم نے ان کی ساری اداؤں کو دیکھا، اچھل کود کرتے لیٹتے چنگھاڑتے کھیلتے پلٹیاں مارتے ان کا ہر انداز دیکھا، ہم شیروں کے بہت قریب تھے مگر ہم نے ان کو اپنے سے بہت بے نیاز دیکھا وہ ایک نگاہ غلط بھی ہمارے اوپر ڈالنے کو تیار نہیں تھے۔ اس پارک کے ملازمین سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان شیروں کو ہفتہ میں صرف ایک بار غذا دی جاتی ہے، اور اس کی مقدار تقریباً پچاس کیلو گوشت فی نفر ہوتی ہے، بقیہ دنوں میں وہ اس کھلے پارک میں چل پھر کر اپنی غذا خود مہیا کرتے ہیں، پچاس کیلو گوشت والی بات سمجھ میں نہیں آتی مگر ملازموں نے بتلایا تو ہم نے مان لیا، دو گھنٹہ کی اس تفریح کے بعد ہم واپس آزادویل آگئے۔

آج دوپہر کا کھانا قاری اسمٰعیل سلمہ کے یہاں تھا، حضرت مولانا بایزید صاحب بھی آگئے تھے اور وہ اپنے ساتھ میرے لئے پان بھی لائے تھے۔ جنوبی افریقہ کے قیام کے زمانہ میں بیشتر دنوں میں مولانا بایزید صاحب کی یہ کرم فرمائی جاری رہی وہ میرے لئے بطور خصوص پان کا نظم کرتے رہے اور اگر میرا کہیں دور کا سفر نہیں رہتا تو وہ میرے ساتھ ہر مجلس میں ہوتے اور اپنی

پُربہار شخصیت اور پرلطف گفتگو سے مجلس کو باغ و بہار بنائے رکھتے، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بولا کریں اور ہم سنتے رہیں، مگر یہ جگر اور حوصلہ اب نئی نسل میں کہاں اس وجہ سے کبھی کبھار ان کی گفتگو سے بعض لوگ اکتا جاتے مگر مولانا بایزید صاحب بہت لطیف انداز میں انکی اکتاہٹ کو اپنی پرمزاح گفتگو سے ختم کر دیتے۔

مولانا قاری اسمٰعیل سلمہٗ نے کھانے میں بڑا اہتمام کیا تھا۔ بہت سے لوگ شریک تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم اپنی قیام گاہ پر آ گئے اور وہاں عصر تک آرام کیا، عصر بعد دارالعلوم آزادویل کے ایک طالب علم اور مفتی سعید صاحب کے شاگرد عزیزم مولوی مسعود قاسم سلمہٗ نے احقاق الحق کا ایک نسخہ لا کر دیا۔ یہ علامہ کوثری کا بہت گراں قدر رسالہ ہے، اس رسالہ کو حاصل کرنے کی میری دیرینہ خواہش تھی الحمدللہ وہ آج مولوی مسعود قاسم سلمہ کے ایثار اور انکی فراخدلانہ پیشکش سے پوری ہوئی(۱) مولوی قاسم نے اپنے قلم سے اس کتاب کے اندرونی صفحہ پر نہایت خوبصورت خط میں یہ عبارت تحریر کی تھی۔

الاهداء الی فضیلة الشیخ الاستاذ مولانا ابی بکر الغازی فوری نفعنا اللہ به دام فیوضه علینا۔

من تلمیذ تلامذته مسعود قاسم غفر له ولوالدیه

۲۹ رجب ۱۴۲۳ھ

---

(۱) امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف الجوینی الشافعی کا ایک رسالہ مغیث الخلق فی ترجیح الحق کے نام سے ہے، جس میں امام الحرمین نے یہ دکھلایا ہے کہ مذہب شافعی کو مذہب حنفی پر فوقیت حاصل ہے اور امام شافعی کو امام ابوحنیفہ پر فوقیت حاصل ہے، اور بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ نے غلطی کی ہے، علامہ کوثری کے آبدار و شعلہ فگن قلم سے احقاق الحق رسالہ وجود میں آیا ہے جو اس کتاب کا بھرپور علمی انداز میں رد ہے، اس رسالہ میں علامہ کوثری کی عبقریت اور ان کی ژرف نگاہی اپنے شباب پر نظر آتی ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

ازنبیرۂ شیخ الاسلام مولانا ازھر صاحب مدنی

مولانا غازیپوری صاحب کی کتاب صور تنطق کے بارے میں نبیرۂ شیخ الاسلام مولانا ازہر صاحب مدنی مدرس مدرسہ حسینیہ کا تاثر

کتاب "صور تنطق بما علیہ اللامذھبیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ"
مصنفہ جناب حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری دامت برکاتہم۔ اس وقت میرے سامنے ہے۔ حضرت مولانا کی علمی عرق ریزی کا ایک ایسا عجیب وغریب نمونہ ہے کہ جس کو پڑھ کر طبیعت میں ایسا انبساط پیدا ہورہا ہے کہ جس کو الفاظ میں پرونا بہت مشکل ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا کے اس علمی کارنامے پر دنیا بھر کے احناف تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کو منظر عام پر لاکر غیر مقلدین کی یہودی سازشوں پر ایسی کاری ضرب لگادی کہ اگر ان لوگوں میں تھوڑی سی بھی شرم وحیا ہوگی تو مذہب احناف پر لب کشائی کی جرأت نہ کرینگے کیونکہ حقیقت میں یہ کتاب ان کے سروں پر ایسی ننگی تلوار ہے کہ جس نے تمام غیر مقلدین کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔

حضرت مولانا نے اس سے پہلے والی تصنیف "وقفۃ مع اللامذھبیۃ" میں غیر مقلدوں کے تمام زہریلے جراثیم کو واضح کرکے ان کے اکابرین کی کتابوں کے حوالے بھی پیش کئے تھے کہ جن کا یہ صبح سے شام تک نام لیتے نہیں تھکتے۔ جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو جماعت غیر مقلدین کے چودھریوں پر قیامت ٹوٹ پڑی تو اب ان کی طرف سے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کتاب میں جتنے بھی حوالے ہیں سب بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں، لیکن اللہ جزائے خیر دے حضرت مولانا کو وہ شیر خدا پھر جوش میں آیا اور تمام غیر مقلدین کو دوبارہ للکارا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ان تمام حوالوں کی اصل کتاب سے تصویر پیش کردی جوان کی

بقیہ ص ۳۳ پر

شمارہ نمبر ۲

ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ۷۰ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی ۱۲۰ روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ

غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ

قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ: ۲۳۳۰۰۱ - فون نمبر ۲۲۲۵۴۳/ ۲۲۱۷۵۷ ۰۵۴۸

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

امریکہ کی یہ کامیابی بھی اس کی بدترین شکست ہے

آج جب یہ سطریں لکھی جارہی ہیں عراق پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی جارحانہ کاروائی کا اکیسواں دن ہے، ریڈیو اور ٹی وی کی خبروں کے مطابق عراق کے بیشتر حصوں پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا کہیں مکمل اور کہیں نامکمل قبضہ ہوچکا ہے۔ بغداد شہر پر دن رات بمباری جاری ہے، اور عراقی فوجیوں کی زبردست مزاحمت کے درمیان امریکہ بغداد پر اپنا شکنجہ کستا جارہا ہے بغداد پر امریکہ کی وحشیانہ بمباری کے نتیجہ میں ہزاروں معصوم جانیں جاچکی ہیں، عراق کا بیشتر حصہ امریکی و برطانوی بمباری کے نتیجہ میں کھنڈر بن گیا ہے، اسپتال زخمیوں بھر چکے ہیں، اسپتالوں میں دوائیاں ختم ہوچکی ہیں، بجلی اور پانی کا فقدان ہے۔

عراقی عوام کو صدام کے آہنی شکنجہ سے نجات دلانے کا ڈھنڈھورا پیٹنے والا امریکہ عراقی عوام اور اس ملک کو تباہ کرچکا ہے، تیل کے کنووں پر اس کا قبضہ ہوچکا ہے، اور اب امریکہ اور برطانیہ عراق پر اپنی حکومت بنانے کا تانا بانا بننے میں لگے ہوئے ہیں، امریکہ کے محکمہ دفاع نے بڑے گھمنڈ اور غرور بھرے انداز میں یہ کہا ہے کہ اس نے دنیا کو اپنی طاقت دکھلادی ہے۔ عراق برسوں سے اقوام متحدہ کی پابندی میں مبتلا رہا ہے، اس کی اقتصادیات کو مہذب ممالک نے برباد کرکے رکھدیا، اس طرح طرح کی عسکری و اقتصادی پابندی عائد کرکے اس کو اپاہج بنادیا گیا، اس کو اسلحوں سے نہتا کردیا گیا اور اب عراق کے پاس اپنے دفاع کیلئے ہلکے اور معمولی میزائل بھی نہیں رہے تھے

اس حال میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے کمزور عراق پر اپنے جدید ترین اور مہلک ترین ہتھیاروں سے حملہ کرکے عراق پر اپنی بہادری کا سکہ جما رہے ہیں، موجودہ جنگ میں عراق اور امریکہ کا کوئی مقابلہ نہیں تھا، کہاں ایک نہتا اور تنہا ملک اور کہاں امریکہ اور برطانیہ جیسی جابر و قاہر طاقتیں اور ان کے مہلک ترین ہتھیار، لیکن اس کے باوجود عراق نے جرأت و ہمت اور شجاعت کا وہ جوہر دکھلا دیا کہ امریکہ کی نیند حرام ہوگئی۔ دو تین دن میں عراق پر قبضہ کرنے کا امریکی دعویٰ ہوا میں بکھر گیا اور آج اکیسواں دن ہے مگر امریکہ کے ساتھ عراقی بہادر فوجیوں کی مزاحمت جاری ہے اور وہ اپنی جانیں دیکر اپنے ملک کا دفاع کر رہے ہیں اور امریکہ اور برطانیہ کے بمبار معصوم بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو جھنجلا جھنجلا کر نشانہ بنا رہے ہیں۔

امریکہ و برطانیہ نے بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ عراقی عوام صدام کے ظلم سے تنگ آچکے ہیں اور جب امریکی و برطانوی فوجیں عراق میں داخل ہوں گی تو وہ ان کا والہانہ استقبال کرینگے مگر دنیا نے دیکھا کہ یہ امریکہ و برطانیہ کا بدترین جھوٹا پروپیگنڈہ تھا، کسی جگہ بھی عراقی عوام نے نہ بغاوت کی اور نہ امریکی و برطانوی فوجوں کا استقبال کیا بلکہ عوام نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان فوجیوں پر خودکش حملہ کرکے یہ دکھلا دیا کہ وہ امریکہ و برطانیہ کا وجود اپنی زمین پر برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

امریکہ و برطانیہ سمجھ رہے ہیں کہ انھوں نے عراق پر فتح حاصل کرلی ہے، مگر دنیا بھر کے عوام کی نگاہ میں امریکہ کا بش اور برطانیہ کا ٹونی بلیر چور اچکے قزاق اور انسانیت کے قاتل کے روپ میں ابھرے ہیں، اور اقوام عالم کے دلوں میں ان کے لئے شدید نفرت ہے، امریکہ و برطانیہ کے ان وحشیانہ کارناموں کی دنیا بھر میں مذمت کی گئی ہے، عیسائیوں کے مذہبی رہنما نے ان کو انسانیت کا مجرم قرار دیکر چرچ میں داخلہ پر پابندی لگادی ہے، امریکہ و برطانیہ کے نام پر دنیا کا ہر انصاف پسند تھوتھو کر رہا ہے، امریکہ و برطانیہ کی امیج بری طرح مجروح ہوئی ہے اور کسی کی نگاہ میں امریکہ و برطانیہ کے رہنما قابل اعتماد نہیں رہ گئے ہیں۔

اقوام متحدہ ادارہ کو امریکہ و برطانیہ نے سخت دھکا لگایا ہے، اس ادارہ کی ساکھ کو ان

مغروروں نے مجروح کر کے رکھدیا ہے، اقوام متحدہ سے عوام اور کمزور ممالک کا اعتماد ختم ہو چکا ہے۔

عراق کا مستقبل کیا ہوگا یہ تو اللہ ہی جانے مگر موجودہ صورت حال میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ اگر دنیا میں کوئی اول نمبر کا دہشت گرد اور غنڈہ ہے تو وہ امریکہ ہے اور برطانیہ کا وزیر اعظم ٹونی بلیر ہے، ظلم کی یہ چکی ہمیشہ یکساں نہیں گھومتی وہ کبھی الٹ کر بھی چل جاتی ہے، اور پھر ظالموں کا صفحہ ہستی سے صفایا ہو جاتا ہے، امریکہ و برطانیہ بھی اس دن کا انتظار کریں۔

عراق پر امریکہ کی جارحانہ کاروائی پر عرب ممالک کا جو کردار رہا ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے، اور شرمناک ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حکمرانوں کی قومی و ملی حس اور دینی حمیت وغیرت بالکل ختم ہو چکی ہے، اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے جیسا کہ اس جنگ میں ان کے رول اور کردار نے واضح کر دیا ہے تو پھر ان بکریوں کو چاہئے کہ اب اپنی اپنی باری کا انتظار کریں، امریکہ و برطانیہ یہ وہ بھیڑیئے ہیں کہ وہ ان کو ایک ایک کر کے کھا جائیں گے اور یہ بزدل و عیاش اور دوسروں کے رحم وکرم پر جینے والے حکمراں صدر صدام کے انجام سے بھی زیادہ برا اپنا انجام دیکھیں گے، ان کو چاہئے کہ وہ خواب غفلت میں نہ رہیں اور اس دن کا وہ انتظار کریں جب امریکہ کا بھیڑیا ان کو نگلنے کیلئے ان کی طرف بڑھے گا، صدام نے تو مرتے جیتے دشمنوں پر اپنی بہادری کا سکہ جما دیا، ختم ہو گیا مگر جھکا نہیں مگر یہ عرب حکمراں کیا امریکہ کا ایک ہلکا سا جھٹکا بھی سہ لیں گے؟ ہمیں اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے، دنیا خود دیکھ لے گی۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کسی احاطہ میں قبروں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان قبروں میں سے دو قبروں سے دو انسانوں کی آواز سنی جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا کہ ان کو کسی بڑی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے (کہ جس سے وہ بچ نہیں سکتے تھے) ایک شخص پیشاب سے بچتا نہیں تھا اور دوسرا چغلخوری کے مرض میں مبتلا تھا۔ پھر آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخ منگوائی اور اس کو دو ٹکڑے کرکے ان کو ان دونوں قبروں پر رکھ دیا، لوگوں نے آپ سے پوچھا آپ نے شاخ کے ان ٹکڑوں کو ان قبروں پر کیوں رکھا تو آپ نے فرمایا کہ امید ہے کہ یہ ٹکڑے جب تک خشک نہ ہوں ان سے قبر کا عذاب ہلکا رہے (بخاری شریف)

اس حدیث پاک میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ بعض باتیں جن کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے انسان کیلئے کیسی مصیبت بنجاتی ہیں، پیشاب کے چھینٹوں سے بچنا کوئی بڑی دشوار بات نہیں ہے کہ اس سے انسان اپنے کو بچا نہ سکے مگر ہماری بد احتیاطیوں اور لاپروائیوں سے ہمارے کپڑے گندے اور ناپاک رہتے ہیں، اور اب تو عام نوجوانوں کا مزاج ہی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بن گیا ہے، یہ لوگ پیشاب کے چھینٹوں اور قطروں سے اپنی پتلونیں گندی کئے رہتے ہیں، اور پیشاب کے بعد پانی یا ڈھیلے کا استعمال کرنا ان کو زمانہ قدیم کی خرافات نظر آتا ہے، اللہ کے نزدیک ہماری یہ بد احتیاطی اور لاپروائی اتنی بڑی چیز ہے کہ اس سے انسان کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔

دوسری چیز جس کی وجہ سے بھی انسان کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے وہ ہے چغلخوری کی بری عادت، ادھر کی بات ادھر کرنا، اور ان کی ان سے لگانا اور ان کی ان سے لگانا یہ چغلخوری ہے، چغلخوری کی جن کو عادت ہو جاتی ہے ان کو اس کام میں بڑا مزہ ملتا ہے، مگر یہ انتہائی بری حرکت ہے۔ اور اخلاقی پستی اور گراوٹ کی بات ہے، چغلی کھانے والا انسان بے اعتبار ہوتا ہے، لوگ اس کو نہایت گری نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ انسانی سوسائٹی میں بے قیمت اور بے قعت ہوتا ہے۔ یہ تو دنیا کا عذاب اس پر مسلسل مسلط رہتا ہے، اور آخرت کا عذاب یہ ہے کہ اس کو آخرت کی پہلی ہی منزل یعنی قبر ہی میں سے عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں انسانوں کا قبر میں ہونے والا عذاب محسوس کرایا گیا اور آپ نے ازراہ شفقت اپنے بابرکت ہاتھوں سے گیلی شاخ کے دو ٹکڑے کر کے ان کو ان قبروں پر رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ شاخیں جب تک سوکھ نہ جائیں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان قبروں والوں کے عذاب میں کچھ تخفیف کر دیں۔

بعض جاہلوں نے قبروں پر پھول چڑھانے کا اس حدیث سے جواز پیدا کر لیا اور بزرگوں کے مزارات پر پھول چڑھانا ان کا مذہب اور عقیدہ بن گیا۔ حالانکہ اس حدیث میں اس بدعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیا جن بزرگوں کے مزارات پر پھول چڑھایا جاتا ہے ان کے بارے میں یہ لوگ اس کا تصور رکھتے ہیں کہ ان کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تو شاخ کے یہ ٹکڑے یہ سمجھ کر رکھا تھا کہ اس سے عذاب میں تخفیف ہوگی، اور یہ پھول اور مالا چڑھانے والے حضرات اپنے بزرگوں کے بارے میں کسی عذاب کا خیال بھی نہیں لاتے۔

(۲) ایک صاحب نے آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک آدمی نماز میں ہوتا ہے اور اس کو خیال گزرتا ہے کہ اس کا وضو ہوا خارج ہونے سے جاتا رہا تو اسے کیا کرنا چاہیے، تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محض اس خیال سے اپنی نماز کو مت توڑو، جب تک کہ وضو زائل ہونے کا اسے یقین نہ ہو نماز میں لگا رہے اور وضو زائل ہونے کا یقین دو شکل میں ہوگا، یا تو اسے ہوا خارج ہونے کے وقت آواز سنائی دے یا بدبو محسوس ہو۔ (بخاری)

شریعت میں وہم اور خیال کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا، شیطان انسانوں میں وہم اور

خیالات پیدا کرتا رہتا ہے، نماز میں ادھر ادھر کے خیالات زیادہ گھیرے رہتے ہیں اور بعض لوگ وہم اور شک کے مریض ہوتے ہیں، ان کا تدارک شریعت میں یہ کر دیا گیا کہ جب تک کہ کسی بات کا یقین نہ ہو اس وقت اپنے وہم اور خیال پر عمل نہ کرو، مثلاً کسی کو نماز میں یہ شک ہو جائے کہ اسے ہوا خارج ہو گئی ہے، تو محض اس وہم اور خیال کے نتیجہ میں اس کو اپنی نماز باطل نہیں کر دینا چاہئے وضو جانے کا جب تک یقین نہ ہو اسے نماز ہی میں لگا رہنا چاہئے اور وضو جانے کا یقین اس شکل میں اس وقت ہوگا کہ اسے پیخانہ کے راستہ سے بدبو محسوس ہو یا آواز سنائی دے، یہ شکل ہوگی کہ اس کا وضو باقی نہیں رہا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے۔ (لا یتوضأ من الشك حتیٰ یستقین) یعنی جب تک کہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کا وضو ختم ہو گیا ہے محض شک کی وجہ سے وضو نہیں کیا جائے گا۔

(۳) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ کا ارشاد تھا کہ جب آدمی پیخانہ پیشاب کیلئے نکلے تو اس کا رخ یا اس کی پیٹھ قبلہ کی طرف نہ ہو۔ (بخاری)

پیشاب اور پیخانہ کیلئے جب آدمی بیٹھتا ہے تو اس کی شرم گاہ کھلی ہوتی ہے۔ احترام قبلہ کے خلاف یہ بات ہے کہ آدمی اس حال میں اپنا رخ یا اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف کرے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی بھی حال میں اور کسی بھی جگہ قبلہ رخ ہو کر پیشاب پیخانہ کرنا مکروہ ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد اسحاق بھٹی

سلطان مظفر حلیم

سلطان مظفر حلیم، سلطان محمود بیگڑہ کا بیٹا تھا۔ ۲۰ر شوال ۸۷۵ھ کو پیدا ہوا۔ اس نے سلطنت و حکومت کی گود اور علم و فضل کے ماحول میں تربیت حاصل کی۔ اپنے دور کے مشاہیر اساتذۂ فن سے تعلیم حاصل کی، جن میں علامہ مجد الدین محمد بن محمد الایجی اور مشہور محدث شیخ جمال الدین محمد بن عمر بن مبارک حمیری حضرمی المعروف بہ بحرق کے اسمار گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ شیخ بحرق کے سامنے حصول علم حدیث کیلئے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مظفر حلیم دسویں صدی ہجری کے گجرات کا والیِ تخت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑا محدث و فقیہ، اونچے مرتبے کا عالم اور حافظ قرآن حکیم تھا، علاوہ ازیں نیک، رحم دل اور پیکر جود و سخا تھا۔
اپنے والد سلطان محمود بیگڑہ کی وفات کے بعد ۲ر رمضان ۹۱۷ھ کو تخت گجرات کا وارث بنا۔ اس نے اکرام علمار، تعظیم فقہار، تحفظ حدود مملکت، جہاد فی سبیل اللہ، عدل و انصاف اور جودت و سخاوت کو اپنے لئے فرض ٹھہرا لیا تھا۔ فنونِ حرب، طریقِ جنگ و جہاد اور تیر اندازی و شمشیر زنی میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا، انتہائی تقویٰ شعار، عزیمت و عفو کا کامل نمونہ، لوگوں سے درگزر کرنے میں بے مثال، خطا کاروں کی خطا معاف کرنے میں فراخ حوصلہ، بلند کردار، سلیم الطبع، عبادت گزار اور بہترین شاہ سوار تھا۔ اس میں ایک خوبی یہ تھی کہ منجھا ہوا خطاط اور خوشخط تھا۔ اقسام کتابت میں سے نسخ، ثلث اور رقاع پر عبور رکھتا تھا۔ قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھ کر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ بھیجتا تھا، قول و فعل میں آثارِ سنت کا متبع اور عامل احادیثِ نبویؐ تھا۔ علمائے دین کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔ ابتدا میں اسے مشائخ و صوفیا

سے حسنِ ظن نہ تھا لیکن بعد کو طبیعت کا رُخ بدل گیا تھا اور ان کو لائقِ تعلیم گردانے لگا تھا۔ موت کو یاد کر کے اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

ہمیشہ باوضو رہتا، نماز با جماعت ادا کرتا اور رمضان کے روزے پابندی سے رکھتا تھا، مے نوشی سے سخت نفرت تھی، اسراف و تبذیر اور فضول خرچی سے ہر حال میں دامن بچاتا اور کسی معاملے میں جائز حدود سے قدم آگے نہ بڑھاتا تھا۔ رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتا، عام طور پر بھیس بدل کر کبھی دن اور کبھی رات کو بازاروں اور گلیوں کے چکر لگاتا تھا، تاریخ کے مطالعہ کا شائق تھا اور گزشتہ دور کے ملوک و سلاطین کے کوائف و واقعات دلچسپی سے پڑھتا تھا۔ مختصر یہ کہ اوصاف گوناگوں کی بنا پر سلطان مظفر حلیم اپنے اسلاف و اقران سے سبقت لے گیا تھا۔

ان کی زندگی کے بہت سے واقعات، تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں، جن میں ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ جاپانیر کے قاضی کی عدالت میں گھوڑوں کے ایک تاجر نے بادشاہ کے خلاف یہ استغاثہ دائر کیا کہ بادشاہ نے اس کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہے، اس سے گھوڑے خریدے ہیں مگر ان کی قیمت ادا نہیں کی، بذریعہ عدالت بادشاہ سے ان کی قیمت دلائی جائے۔ قاضی نے اپنا فرستادہ بھیج کر بادشاہ کو عدالت میں طلب کیا۔ وہ ملزم کی حیثیت سے عدالت میں آیا اور آداب بجا لا کر قاضی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اب مدعی اور مدعا علیہ دونوں قاضی کی عدالت میں کھڑے ہیں۔ قاضی نے مدعا علیہ بادشاہ کو حکم دیا کہ عدالت کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے، عدالت میں نہ اسے بیٹھنے کی اجازت ہے اور نہ زیادہ اونچی آواز سے بات کرنے کی۔ قاضی نے مدعی تاجر اور مدعا علیہ بادشاہ کا بیان لیا تو تاجر کا دعویٰ صحیح ثابت ہوا۔ تاجر نے اسی وقت قاضی کی عدالت میں رقم لینے کا مطالبہ کیا اور قاضی نے عرض کی۔ جب تک پوری رقم ادا نہیں کر دی جاتی بادشاہ عدالت سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ چنانچہ بادشاہ کو مجبوراً اسی وقت رقم تاجر کو ادا کرنا پڑی۔ حساب صاف ہو گیا تو قاضی نے تاجر سے سوال کیا "رقم پوری مل گئی یا کچھ باقی

رہ گئی ہے ؟ تاجر نے جواب دیا۔ مل گئی ہے۔ اب قاضی اپنی جگہ سے اٹھا اور بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے قاضی کا ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بٹھایا، خود دوسری کرسی پر اس کے برابر بیٹھا صحیح فیصلہ کرنے پر اس کی تعریف کی اور کہا، یہ آپ کیلئے امتحان کا وقت تھا، اگر آپ میرے لحاظ میں آکر مداہنت کرجاتے، تو میں اس منصب سے آپ کو علیحدہ کر کے کسی بہتر شخص کو اس پر متعین کرلیتا۔ میری دعا ہے اللہ آپ کو اس حق گوئی کا بہتر صلہ عطا فرمائے، عہدۂ قضا پر آپ ہی جیسے کو متمکن ہونا چاہیئے۔ قاضی نے کہا، بادشاہت بھی آپ ہی جیسے اونچے کردار کے آدمی کو زیب دیتی ہے۔

سلطان مظفر حلیم نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حجاج کیلئے رباط بنایا اور اس میں مدرسہ قائم کیا۔ جس کے اخراجات وہ خود ادا کرتا تھا۔

سرزمین گجرات کا یہ سلطان عابد وزاہد اور مستجاب الدعوات تھا۔ ایک مرتبہ اس کے عہد۔ ۹۲۱ھ میں گجرات میں شدید قحط پڑا اور لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہوگئے۔ بادشاہ نے صدقہ وخیرات کیا اور لوگوں کو ساتھ لے کر نماز استسقا کے لئے باہر نکلا۔ نہایت عجز وانکساری اور خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ اس کی دعا کے آخری الفاظ یہ تھے:

اللّٰھم انی عبدك ولا املك لنفسی شیئاً فان تك ذنوبی حبست القطر عن خلقك فہا ناصیتی بیدك فاغثنا یا ارحم الراحمین۔

اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، میں اپنے لئے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ اگر میرے گناہوں کی وجہ سے تونے بارش کو اپنی مخلوق سے روک لیا ہے، تو میرے یہ پیشانی کے بال تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اے ارحم الراحمین! ہم پر بارش برسا۔

یہ الفاظ کہے اور پیشانی زمین پر رکھ دی، سجدہ میں گر پڑا اور بار بار یا ارحم الراحمین کے الفاظ زبان سے ادا کرنے لگا، پھر زمین سے سر نہیں اٹھایا، یہاں تک کہ ہوا چلنا شروع ہوئی، آسمان پر بادل نمودار ہوئے اور گرج چمک کے ساتھ مینہ برسنے لگا۔ اب اللہ کے

حضور سجدۂ شکر ادا کیا اور نماز و دعا سے فارغ ہو کر بارش میں بھیگتا اور صدقہ و خیرات کرتا ہوا عام لوگوں کے ساتھ گھر آیا۔

سلطان مظفر حلیم کے اس قسم کے متعدد واقعات کتب تاریخ میں منقول ہیں۔ اس پرہیزی اور حلیمیت اس درجہ غالب تھی کہ لفظ "حلیم" اس کے نام کا مستقل جزبن گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اپنے دیگر فرائض سلطانی سے محروم تھا اور محض ایک نیک اور متحمل مزاج حکمراں تھا، یہ گجرات کا نہایت باہمت، فاتح، صاحبِ تدبیر اور شجاع بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں مملکتِ گجرات کی حدود میں بڑی وسعت ہوئی اور متعدد علاقے اور مضبوط قلعے مفتوح ہوئے۔ لیکن اس موقع پر اس کی زندگی کے اس پہلو کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں، صرف اس کے علمی گوشوں کی وضاحت اور علم و علماء سے تعلقات اور روابط کی نشاندہی پیش نگاہ ہے۔

سلطان باقاعدہ عالم دین تھا۔ حصول علم کا اس درجہ شائق تھا کہ ایام سلطانی میں اساتذۂ حدیث سے صحاح ستہ کا درس لیا اور یہ کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں۔ کتب تفاسیر میں سے تفسیر معالم التنزیل زیر مطالعہ رہتی۔ حصول علم کے بارے میں اس کی تگ و تاز کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

روزے تفسیر معالم التنزیل مطالعہ می فرمود۔ گفت کہ من در ایام بادشاہی نسبت با ایام شاہ زادگی تحصیل بیشتر کردم۔ صحاح ستہ را در ایام سلطانی خواندم۔ الحال نصف تفسیر معالم التنزیل مطالعہ کردم و امید دارم کہ نصف دیگر در بہشت خوانم[1]

ایک دن وہ تفسیر معالم التنزیل کا مطالعہ کر رہا تھا کہ کہا میں نے زمانۂ بادشاہی میں بہ نسبت زمانہ شاہ زادگی کے زیادہ علم حاصل کیا ہے۔ صحاح ستہ کی تکمیل زمانۂ بادشاہی میں کی ہے۔ اب تک نصف معالم التنزیل پڑھ چکا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ نصف باقی جنت میں پڑھوں گا۔

وفات:- مظفر حلیم کی وفات جمعہ کے روز ہوئی۔ سورج ڈھل چکا تھا تو وضو کر کے

---

[1] مرأۃ سکندری ص ۲۰۵، ۲۰۶

دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز کے بعد محل سرا میں جانے لگا تو قدم لڑکھڑا گئے۔ طبیعت پہلے سے خراب تھی۔ اب اور نقاہت طاری ہو گئی۔ مستورات رونے لگیں تو انھیں صبر کی تلقین کی۔ اتنے میں ایک مصاحب خاص اسد الملک راجہ محمد حسین آیا۔ اس کیلئے علم و عمل کی دعا کی اور کہا، تم نے میری بڑی خدمت کی ہے، اس کا بدلا تو تمہیں اللہ ہی دے گا۔ اب آخری خدمت یہ کرو کہ وفات کے وقت میرے پاس حاضر رہو، اور سورہ یٰسٓ پڑھو۔ مجھے غسل اپنے ہاتھ سے دینا، اس کے بعد راجہ ممدوح کیلئے دعائے خیر کی۔ اتنے میں اذان کی آواز کان میں پڑی تو پوچھا، اذان وقت پر ہو رہی ہے؟ اسد الملک نے جواب دیا، یہ جمعہ کی اذان ہے اور ان لوگوں کیلئے ہے جو نماز میں حاضر ہونے کی طاقت رکھتے ہیں۔ سلطان نے کہا، ظہر کی نماز تو میں تمہارے پاس پڑھوں گا، لیکن عصر کی نماز انشاءاللہ تعالیٰ اپنے اللہ کے پاس جنت میں ادا کروں گا، یہ کہہ کر لوگوں کو نماز جمعہ کیلئے مسجد میں بھیج دیا۔ بعد خود گھر میں نماز ظہر پڑھی اور بصورت دعا یہ آیت تلاوت کی۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (سورہ یوسف : ۱۰۱)

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے سلطنت کا بڑا حصہ عطا فرمایا، اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھ کو پوری فرماں برداری کی حالت میں دنیا سے اٹھائیو اور مجھ کو نیک بندوں میں شامل کیجیو۔

اس کے بعد مصلیٰ سے اٹھا اور چارپائی پر لیٹ گیا۔ تبدرخ ہو کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس عادل و عالم بادشاہ نے پندرہ سال آٹھ مہینے حکومت کرنے کے بعد ۲ رجمادی الاولیٰ ۹۲۲ھ کو وفات پائی۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرآتِ سکندری ص ۱۶۲ تا ۲۲۵ —
تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۲۱۳ تا ۲۲۴

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط نمبر ۹

امام ابو حنیفہؒ اور مسئلۂ قیاس

احکام شرعیہ میں قیاس واجتہاد کی حاجت وضرورت

اس سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہو سکتا

کہ قرآن وحدیث میں قیامت تک کے آنے والے وقائع وحوادث کا احاطہ نہیں ہے اور ہماری شریعت قیامت تک کیلئے ہے اور ہر روز انسانی زندگی میں طرح طرح کے حوادث اور مسائل کا تجدد ہوتا رہتا ہے، ان پیش آمدہ مسائل کا حل شرعی روشنی میں اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن، حدیث، اجماع اور صحابہؓ کی حیات مبارکہ میں غور وفکر کرکے ان کا حکم معلوم کیا جائے اور اس طرح یہ ثابت کیا جائے کہ ہماری شریعت ہر دور اور ہر زمانہ میں انسانی زندگی سے متعلق ہر طرح کے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور یہی ہمارے ائمہ مجتہدین نے کیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ صرف یہی ایک شریعت ہے جس میں انسانی زندگی کے سارے مسائل کا حل ہے۔

لیکن اگر قیاس واجتہاد کا انکار کر دیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن وحدیث سے قضایا متجددہ اور مسائل مستجدہ میں ہر جزئی کا حکم معلوم کیا جا سکے اور قرآن وحدیث سے قطعی نص ہر مسئلہ کیلئے پیش کی جا سکے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو بتلایا جائے کہ شریعت اسلامیہ سے تا قیام قیامت انتفاع کی کیا شکل ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

ولو لم یستعمل القیاس افضی — یعنی اگر قیاس استعمال نہ ہو تو بہت سے

الیٰ خلوٍ کثیرٍ من الحوادث عن	حوادث احکام شرعیہ سے خالی رہ جائیں گے
الاحکام لقلۃ النصوص وکون الصور	اس لئے کہ قرآن وحدیث کی نصوص کم ہیں
لانھایۃ لھا فیجب ردھم الی	اور مسائل کی کوئی انتہا نہیں اسلئے ضروری
الاجتھاد - (روضہ ص۲۲۵ ج۲)	ہے کہ اجتہاد کیا جائے ۔

معلوم ہوا کہ قیاس واجتہاد کے بغیر شریعت کا عمل مستمر نہیں رہ سکتا اور اس کی تاثیر بڑی حد تک گھٹ جائے گی بلکہ مسلمانوں کا یہ کہنا ہی کہ شریعت اسلامیہ میں ہر زمانہ کے احوال وحوادث کا حل ہے غلط ہو جائے گا اور یہ دعویٰ بزادعویٰ ہی ہوگا اور یہی وجہ ہے جیساکہ میں نے کہا کہ صرف امام ابوحنیفہؒ نہیں سارے ائمہ مجتہدین نے اور سارے قضاۃ نے قیاس اجتہاد سے کام لیا ہے بلکہ جنھوں نے اس سے کم کام لیا ہے اور نصوص ظاہرہ کی پیروی میں جن کا زیادہ انہماک رہا ان کے مذہب کو وہ توسع نہیں حاصل ہو سکا جو دوسرے مذاہب کو حاصل ہوا ہے. چنانچہ احمد بن حنبلؒ نے اگرچہ قیاس کا انکار نہیں کیا مگر انھوں نے اس کا استعمال بہت کم کیا ہے اس وجہ سے ان کے مذہب کا شیوع عام بھی نہ ہو سکا ۔

ابن قیم فرماتے ہیں:

وکان شدید الکراھۃ والمنع	یعنی امام احمدؒ جس مسئلہ میں سلف سے
للافتاء بمسئلۃ لیس فیھا اثر	کوئی اثر منقول نہ ہو اس میں رائے سے
عن السلف - (اعلام ص۳۶ ج۲)	فتویٰ دینے کو سخت ناپسند سمجھتے تھے ۔

بہرحال اب تک کی گفتگو سے واضح ہو گیا کہ قیاس کا بالکلیہ انکار کسی قابلِ ذکر عالم سے ثابت نہیں اور اس سلسلہ میں صرف امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ قیاس اور صاحب رائے تھے حقیقت سے چشم پوشی ہے بلکہ قیاس واجتہاد کا استعمال ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے اور کسی نے سوائے ایک شرذمہ قلیلہ جامدہ کے اس کا انکار نہیں کیا ہے ۔

مشہور غیر مقلد عالم نواب صاحب بھوپالی فرماتے ہیں :

. اختلاف قیاس شرعی کے بارے میں ہے ۔ جمہور صحابہ وتابعین فقہاء متکلمین کا

مذہب یہ ہے کہ قیاس اصول شرع میں سے ایک اصل ہے اور دوسرے احکام
کے بارے میں استدلال کیا جا سکتا ہے اور ظاہریہ نے اس کا انکار کیا ہے"
(افادۃ الشیوخ صـ۱۲۲)

اب میں چاہتا ہوں کہ آخیر میں یہ بھی بتلا دوں کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں کن شرائط کی موجودگی میں قیاس کیا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی ائمہ میں سے صرف امام شافعیؒ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ " اتبع للحدیث اور اترك للقياس ہیں کو بھی یہ بتلاؤنگا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعی دونوں میں اترک للقیاس اور اتبع للنصوص کون ہے تاکہ مخالفین امام ابو حنیفہؒ نے جو یہ شور مچا رکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سب سے زیادہ قیاس کرنے والے ہیں اس شور و غوغا کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

احناف کے یہاں قیاس کی شرطیں

میں یہاں چند بنیادی شرطیں ذکر کرونگا جو قیاس کیلئے ضروری ہیں، مقصود ساری شرائط کا استیعاب اور استقصا نہیں ہے اس کیلئے مطولات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

(۱) قیاس کی پہلی شرط یہ ہے کہ مقیس علیہ یعنی اصل جس پر قیاس کرنا ہے وہ کسی دوسرے علت کے بنیاد پر اپنے حکم کے ساتھ مخصوص نہ ہو جیسے آنحضورؐ نے حضرت خزیمہ کی تنہا شہادت قبول فرمائی جب کہ نصاب شہادت دو شاہد کا ہونا ہے۔ یہ حضرت خزیمہؓ کے ساتھ آنحضورؐ کا خصوصی معاملہ تھا اس پر قیاس کر کے کسی دوسرے کی شہادت چاہے وہ اپنے فضل و کمال میں حضرت خزیمہؓ سے اونچا کیوں نہ ہو۔ تنہا قبول نہیں کی جائے گی، ورنہ حضرت خزیمہؓ کا اختصاص باقی نہ رہے گا اور جو شرف انھیں دربار نبوی سے حاصل تھا اس کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔

(۲) قیاس کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اصل خلافِ قیاس نہ ہو اس لئے کہ جو چیز خود خلافِ قیاس ہو اس پر دوسرے کسی امر کا قیاس کیسے کیا جا سکتا ہے مثلاً حدیث سے ثابت ہے کہ نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اسے علما خلافِ قیاس کہتے ہیں۔ اب

اس پر قیاس کر کے نماز کے علاوہ دوسری جگہوں پر بھی قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا یہ حکم نماز ہی کے ساتھ جس میں رکوع و سجدہ ہو خاص ہوگا چنانچہ نماز جنازہ میں قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اصل کا جو حکم ہو وہ بعینہٖ منتقل ہو کر فروع میں ثابت ہو مثلاً ہمارے نزدیک ذمی کا ظہار صحیح نہیں ہے اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذمی کا ظہار صحیح ہے اور اس پر کفارہ واجب ہوگا اور مسلم کے ظہار پر ذمی کے ظہار کو قیاس کرتے ہیں جب کہ احناف نے اس کے خلاف فیصلہ کیا ہے اس لئے کہ یہاں اصل کا حکم بدل جاتا ہے کفارہ کیلئے اسلام شرط ہے اور ذمی مسلمان نہیں اس وجہ سے اس پر کفارہ بھی واجب نہ ہوگا۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ اصل سے فرع کی طرف منتقل ہونے والا حکم شرعی ہو لغوی نہ ہو مثلاً بعض شوافع نے کہا ہے کہ خمر کو چونکہ خمر اسلئے کہتے ہیں کہ وہ عقل پر اثر انداز ہوتا ہے اس وجہ سے جو بھی چیز عقل پر اثر انداز ہونے والی ہوگی اس کا قلیل و کثیر اسی طرح حرام ہوگا جیسے خمر اسی بنیاد پر انھوں نے نبیذ کو بھی حد سکر میں آنے سے پہلے ہی حرام قرار دیا ہے اور اس کا پینا ان کے نزدیک جائز نہیں۔

احناف نے کہا کہ یہ قیاس غلط ہے۔ خمر کا یہ شرعی حکم نہیں ہے یہ تو اہل لغت کی اسم خمر کے بارے میں ایک لغوی توجیہ ہے کہ اس کا نام خمر کیوں ہے اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں مثلاً قارورہ کو قارورہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں پانی ٹھہرتا ہے یہ ایک لغوی توجیہ ہے لیکن اب جہاں بھی پانی ٹھہرا ہوا دیکھا جائے اس جگہ یا اس چیز کو قارورہ کہا جانے لگے یہ محض ایک لغوی بات ہے اس لئے خمر میں چونکہ حرمت مویدہ پائی جاتی ہے اور اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے تو اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہوگا لیکن دوسری چیزوں میں جب تک کہ سکر اور نشہ پیدا کرنے والی کیفیت نہ پائی جائے اس کی حرمت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ فرع اور اصل بالکل ایک ہوں مقیس یعنی جسکو قیاس کیا جائے

وہ اصل سے اَدْوَن اور کمتر نہ ہو مثلاً امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکرہ اور خاطی کا روزہ فاسد نہیں ہوگا جس طرح نسیان اور بھول کر کھانے پینے والے کا روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ احناف کے یہاں یہ قیاس فاسد ہے اس وجہ سے کہ اس حکم میں مکرہ اور خاطی اصل یعنی ناسی سے اَدْوَن ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نسیان میں اس کا اختیار بالکل نہیں ہوتا ہے اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ وہ روزہ سے ہے بخلاف مکرہ اور خاطی کے اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روزہ سے ہے اسلئے دونوں کے حکم میں بھی فرق رہے گا۔ چنانچہ حنفیہ کے یہاں مکرہ اور خاطی دونوں کا روزہ فاسد ہوگا۔

(۶) چھٹی شرط یہ ہے کہ فرع میں کوئی مستقل نص نہ ہو مثلاً امام شافعی کے یہاں کفارۂ یمین اور کفارۂ ظہار دونوں میں اگر غلام آزاد کرنا ہو تو ان کے یہاں غلام کا صاحب ایمان ہونا شرط ہے وہ ان کفارات کو کفارۂ قتل پر قیاس کرتے ہیں اس لئے کہ وہاں غلام کے آزاد کرنے میں ایمان شرط ہے۔ حنفیہ نے اس قیاس کو رد کر دیا اس لئے کہ کفارۂ یمین اور کفارۂ ظہار دونوں جگہ رقبہ کا لفظ مطلق رکھا گیا ہے اور خود نص موجود ہے اس وجہ سے نص کی موجودگی میں کسی طرح کا قیاس درست نہیں۔

(۷) ساتویں شرط یہ ہے کہ متعدی ہونے والا حکم نص سے ثابت ہو قیاس سے جو حکم ثابت ہوگا اس پر دوسرے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۸) آٹھویں شرط یہ ہے کہ اصل کا حکم متعدی ہو اگر علت میں تعدیہ نہ پایا جائے گا تو قیاس صحیح نہیں ہوگا مثلاً امام شافعیؒ کے یہاں دراہم دنانیر میں ربٰو کی حرمت کی علت ثمنیت ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ ثمنیت کسی اور جگہ پائی جائے تو اس میں تفاضل کے ساتھ بیع و شراء جائز ہے۔ وہاں اس حرمت کا تعدیہ نہیں ہوگا تو ان کے نزدیک قیاس کے لئے حکم کا تعدیہ ضروری نہیں ہے اور ہمارے نزدیک بلا تعدیہ قیاس صحیح نہیں ہوگا۔

(۹) نویں شرط یہ ہے کہ حکم کی علت موثر ہو، علت کے موثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے اس کا اعتبار بھی کیا ہو مثلاً صغر کو ہم نے نکاح کی ولایت میں موثر مانا ہے اس لئے کہ شریعت

نے صغر کا مال کی ولایت میں اعتبار کیا ہے۔ بخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے یہاں علت کی تاثیر کا اعتبار نہیں ہے۔ علت خواہ موثر ہو یا غیر موثر شریعت نے اس کا اعتبار کیا ہو یا نہ کیا ہو ان کے نزدیک قیاس درست ہوگا۔

(۱۰) دسویں شرط یہ ہے کہ مقیس علیہ اور اصل کا جو حکم ہے اس حکم کا فرع میں کوئی اس سے اقوی معارض نہ ہو مثلاً قیاس سے ایک حکم ثابت ہوتا ہے مگر اس حکم کے خلاف کتاب و سنت کی کوئی نص ہو یا اجماع کا اس کے خلاف کوئی حکم ہو تو اب یہ قیاسی حکم باطل ہوگا۔ اور اقوی پر عمل ہوگا۔

یہ دس شرائط ہم نے سر دست یہاں ذکر کی ہیں جن کے بغیر قیاس درست نہیں ہوگا اگر ان شرائط میں سے ایک شرط بھی مفقود رہی تو قیاس باطل ہوگا۔ ان شروط کے علاوہ بعض اور بھی شرطیں مطولات میں موجود ہیں جن سے اس وقت تعرض کرنا ہم نے مناسب نہیں سمجھا اس کیلئے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ارشاد الفحول، حسامی کی شرح نامی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اس وقت ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ ناظرین دیکھیں کہ جس قیاس کے بارے میں منکرین قیاس نے آسمان سر پہ اٹھالیا تھا وہ کتنے قیود میں جکڑا ہے اب اس کے بعد بھی اگر کوئی امام ابوحنیفہؒ پر یہ الزام لگائے کہ قیاس کے باب میں سب سے آگے ہیں تو اس کی عقل پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا چارہ ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری

قبروں پر چراغ جلانا

قبروں پر چراغ جلانے سے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم نے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے ۔ حدیث میں ہے :

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ (مشکوٰۃ شریف ص۶۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے ہیں ۔

ملا علی قاری حنفی اس کی شرح میں فرماتے ہیں :

. قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت یا تو اس لئے ہے کہ اس میں مال کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے ، کیونکہ اس کا کسی کو نفع نہیں اور اس لئے کہ آگ تو جہنم کے آثار میں سے ہے (اس کو قبر سے دور رکھنا چاہئے) یا یہ ممانعت قبروں کی (غیر شرعی) تعظیم سے بچانے کے لئے ہے جیسا کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت بھی اسی بنا پر ہے :

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خاص خلیفہ بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ نقشبندی پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں :

۔ یعنی جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں سے جو برتاؤ کرتے ہیں یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اور اس کا طواف کرنا، اس پر چراغاں کرنا اور ہر سال عید کی طرح وہاں جمع ہونا جسے عرس کا نام دیتے ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں ۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب (نواسے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ) تحریر فرماتے ہیں :

۔ سوال: (۳۹) تعظیم میت کے لئے (قبر پر) روشنی کرنا جائز ہے یا گناہ اور کس قسم کا گناہ ؛

۔ جواب: ناجائز ہے بلکہ قابل لعنت ہے، چنانچہ مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں آیا ہے ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد ونسائی اور ترمذی نے (مشکوٰۃ) ۔ الیٰ قولہ ۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث بالا کے ذیل میں اپنے ترجمہ مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں: رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر جو قبروں پر مسجد بناتے ہیں یعنی تعظیم کے ارادہ سے قبروں کی طرف سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ۔ اور ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو تعظیم کے ارادہ سے قبروں پر چراغ جلاتے ہیں اور بعض علماء کے نزدیک حرام ہے اگرچہ تعظیماً (ان کا یہ فعل نہ ہو) لیکن اسراف اور تضییع مال کی وجہ سے حرام ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں کی آمد ورفت کے لئے ہو یا چراغ کی روشنی میں کوئی کام کرتے ہوں تو جائز ہے اور اس صورت میں قبر کے لئے چراغ جلانا مقصود نہیں بلکہ ایک دوسرے ہی کام کے لئے اور قبر کی روشنی منظور نہیں ہے (لیکن اگر قبر کی روشنی مقصود ہے تو چراغ جلانا حرام ہوگا ۔ انتہی (ترجمہ مشکوٰۃ للشیخ) پس ان روایات سے معلوم ہو گیا کہ قبروں پر روشنی کرنا ناجائز ہے، اور کسی فعل کا ملعون ہونا موجب گناہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک تو علامتِ گناہ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ کی عربی شرح میں بیان فرما دیا ہے۔

(امداد المسائل ترجمہ مائۃ مسائل ص ۸۰، ۸۱، ۸۲)

محمد ابوبکر غازی پوری

مناسکِ حج میں تقدیم وتاخیر
اور
جامعہ سلفیہ بنارس کے مفتیوں کا فتویٰ

مکرمی حضرت مولانا غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

زمزم کا پانچواں شمارہ کچھ تاخیر سے پہونچا، رفع یدین پر آپ کی گفتگو بڑی دلچسپ اور معلوماتی اور موثر ہے، کتاب الجرح پر دوسری قسط بھی پہلی قسط کی طرح بہت خوب ہے، اس کتاب کا آپ نے تعارف کرا کر ہم طلبہ پر بڑا کرم کیا، بہت سے اہل علم بھی اس کتاب سے اور اس کے مشمولات سے ناواقف تھے۔ جامعہ سلفیہ بنارس کا محدث پرچہ آپ کے پاس آتا ہوگا، اس کے دسمبر کے شمارہ میں مناسک حج کے تقدیم وتاخیر کے بارے میں ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔ اگر آپ اس فتویٰ کے بارے میں کچھ تحریر فرمادیں تو ہمارے لئے فائدہ کی چیز ہوگی۔ جامعہ سلفیہ والا فتویٰ ہمارے مسلک کے خلاف ہے، الحمد للہ زمزم سے ہم لوگ بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

نور محمد انصاری بستی

زمزم ! برادرم زمزم کے بارے میں آپ کے تاثرات معلوم کرکے خوشی ہوئی

محمد محسن سلمہ کے خط کی کوئی ضرورت نہیں تھی، زمزم کوشش کرتا ہے کہ مفید سوالات کے جوابات سے گریز نہ کیا جائے۔

جی ہاں محدث پرچہ زمزم کے تبادلہ میں آتا ہے اور میں اس کے مضامین پر سرسری نگاہ ڈال کر رکھ دیتا ہوں، کبھی کوئی چیز قابل توجہ نظر آئی تو اس کو بغور دیکھ لیتا ہوں۔ دسمبر کے شمارہ میں حج کے مناسک کی تقدیم وتاخیر کے بارے میں جامعہ سلفیہ کے مفتیوں کے فتویٰ پر میری بھی نگاہ ٹھہری تھی۔

محدث میں جو فتاویٰ شائع ہوتے ہیں کبھی ان کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے اور کبھی تعجب ہوتا ہے کہ دین وشریعت کے معاملہ کو کیسا کھیل بنا لیا گیا ہے، آج منصب افتا پر وہ لوگ بیٹھے نظر آتے ہیں جو افتاء کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں، جو تفقہ کی دولت سے محروم ہیں اور جن کی علمی صلاحیت اللہ اللہ خیر صلاء سے زیادہ نہیں ہے۔ من افتی بغیر علم کا زمانہ ہے، یہ مفتیان خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اپنے فتووں سے جاہل عوام کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرمائے بڑے فتنوں کا یہ دور ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں۔

جامعہ سلفیہ کا فتویٰ مفتیوں کی جہالت وبے علمی اور ان کے جہل مرکب کا شاہکار ہے۔ مگر طنطنہ ان کا یہ ہے انداز ملاحظہ فرمائیے۔ فتویٰ دینے سے پہلے ارشاد ہوتا ہے۔

"جس مسئلہ میں ارشادات نبویہ کتب حدیث میں صراحت کے ساتھ منقول ہوں اس امر اور معاملہ میں حدیث نبوی ہی کو اپنانا چاہیئے، ائمہ کے مسالک اور اقوال الرجال کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے"

کس قدر کبر اور رعونت سے بھری ہے یہ تحریر، ائمہ فقہ وحدیث کے بارے میں کیسا بغض بھرا ہے مفتی کے دل میں، یہ بیچارہ مفتی اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ اور اس کی جماعت ائمہ اربعہ اور اسلاف سے زیادہ حدیث نبوی پر عمل کرنے والی ہے۔ اور حدیث کا جو علم اس کو حاصل ہے اس سے ائمہ دین محروم تھے، الجواب صحیح کہنے والے میاں بھی اسی زعم کے شکار ہیں، جب کہ یہ دونوں مفتی جہالت کے انتہائی مقام پر ہیں۔

ان مفتیوں کی قابلیت کا عالم یہ ہے کہ سوال کرنے والا کچھ پوچھتا ہے اور جواب دینے والے مفتی صاحب کو کیا سوال ہے اس کا پتہ نہیں اور اِدھر اُدھر کی ہانک کر اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ پوچھنے والے کا سوال یہ ہے۔

"متمتع اور قارن کیلئے رمی، ذبح، حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے یا مسنون؟"

اس کا جواب صرف اتنا تھا کہ اگر آپ کی تحقیق میں واجب ہے تو کہہ دیتے کہ واجب ہے اور اگر مسنون ہے تو کہہ دیتے کہ مسنون اور اگر واجب اور مسنون کچھ بھی نہیں ہے تو کہہ دیتے کہ نہ واجب ہے اور نہ مسنون اور کتاب وسنت سے اس کے عدم وجوب یا مسنون نہ ہونے کے دلائل پیش کرتے، مگر مفتی صاحب نے اصل سوال سے ہٹ کر بلاوجہ کی ہانک لگانی شروع کر دی اور ائمہ کے خلاف اپنے خبث باطن کو ظاہر کیا۔

مفتی صاحب بتائیں کہ اصل مسئلہ کیا ہے، مناسک میں ترتیب کے خلاف آنحضور کا عمل تھا یا ترتیب کے موافق، اگر ترتیب کے موافق آپ کا عمل تھا تو کم از کم اس ترتیب کو مسنون ماننے سے آپ کو کیوں انکار ہے؟ اگر کسی وجہ سے کسی کیلئے حج کے کسی منسک کو مقدم و مؤخر کرنے کی آنحضور کی طرف سے اجازت ہو تو کیا اس سے حج کے اعمال میں ترتیب کی مسنونیت یا اس کے وجوب کی نفی ہوتی ہے؟

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر حج وغیرہ کے اعمال میں ترتیب میں فرق آجائے تب بھی حرج نہیں ہے کیونکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے"

پھر فرماتے ہیں کہ:

صحیح مسلم میں امام مسلم نے باب باندھا ہے۔[1] باب جواز تقدیم الذبح علی الرمی

---

(۱) مفتی صاحب اور الجواب صحیح والے میاں صاحب کی جہالت کو بتلانے کیلئے یہی ایک بات کافی ہے کہ فرمایا جا رہا ہے کہ صحیح مسلم میں امام مسلم نے باب باندھا ہے۔ جبکہ اہل علم میں یہ بات بہت معروف اور مشہور ہے کہ مسلم شریف میں جو ابواب قائم کئے گئے ہیں وہ امام مسلم کے قلم سے نہیں ہیں بلکہ بعد میں کسی کا اضافہ ہے۔

والحلق علی الذبح وعلی الرامی وتقدیم الطواف علیہما کلہا ۔ اس باب کے ضمن میں کئی حدیثیں لاتے ہیں لیکن ہم صرف ایک ہی حدیث پر اکتفا کریں گے ۔

اور پھر مفتی صاحب نے یہ حدیث ذکر کی ہے ۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قیل لہ فی الذبح والحلق والرمی والتقدیم والتاخیر فقال لاحرج ۔

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی حلق اور رمی میں تقدیم و تاخیر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کوئی حرج نہیں ہے ۔

اس حدیث سے جامعہ سلفیہ کے مفتی صاحب یہ مسئلہ مستنبط کر رہے ہیں کہ حج کے اعمال میں ترتیب نہ واجب ہے اور نہ مسنون ۔ اور اگر کوئی حج کے مناسک کو مقدم و موخر کرے تو اس پر کسی طرح کا کوئی دم نہیں ہے ۔

اس قسم کا فتویٰ چالو قسم کے مفتی دیتے ہیں جن کی نگاہ میں بس ایک دو حدیث ہوتی ہے اور جو آثار کے عمل اور اس کی اہمیت سے بے خبر ہوتے ہیں ، مگر اللہ تعالیٰ جس کو تفقہ کی دولت سے بہرہ ور کرتا ہے اور جس کو شرعی مسائل میں گفتگو کرنے کی اہمیت اور ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے ۔ وہ متعلقہ مسئلہ کے سلسلہ کے ہر گوشے پر نگاہ ڈالتا ہے اور اس کی نگاہ صرف امام مسلم کی کتاب کی دو ایک حدیث پر نہیں ہوتی ہے بلکہ موضوع سے متعلق تمام ارشادات نبویہ ، ارشادات صحابہ ان کا عمل اور اسلاف کا فیصلہ اس کی نگاہ میں ہوتا ہے اور وہ ان تمام چیزوں میں غور و فکر کر کے جو آدمی کیلئے محتاطیات ہوسکتی ہے اور جس کو شرعی نصوص سے تقویت ملتی ہے اس کو وہ اختیار کرتا ہے ۔

اس مسئلہ میں جامعہ سلفیہ کے مفتی نے اگر سرسری نگاہ سے کام نہ لیا ہوتا اور اس کی نظر میں وسعت اور عمق ہوتا تو وہ اس مسئلہ سے متعلق اور بھی حدیثوں کو دیکھتا ، صحابہ کرام اور تابعین کے آثار بھی اس کی نگاہ میں ہوتے وہ قرآن کی طرف بھی نگاہ کرتا ، ان تمام چیزوں کو نگاہ میں رکھ کر فتویٰ دینے کی جرأت کرتا اس کے بعد اگر وہ من جانب اللہ بھی موفق اور مسعود ہوتا تو اس کے قلم سے

صحیح فتویٰ نکلتا۔

افسوس کہ جامعہ سلفیہ کے مفتی نے سرسری طور پر مسلم شریف کی بعض احادیث کو دیکھ کر اور ابن باز کی تقلید میں وہ فتویٰ دیا جس کا کسی اہل حدیث نام کے مدعی سے توقع نہیں تھی۔ اگر وہ کسی امام کا مسئلہ ہوتا تو اور بات تھی مگر جن کو دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم لوگ حدیث پر عمل کرتے ہیں ان کو فی الواقع حدیث پر عمل کرنے کا ثبوت پیش کرنا چاہئے۔

مصادر

مفتی صاحب کو صرف وہ حدیث نظر آئی جس میں "لاحرج" کوئی حرج نہیں ہے کا ذکر ہے، حالانکہ بہت سی احادیث ایسی بھی ہیں جن سے اس مسئلہ میں "حرج" کا بھی پتہ چلتا ہے، بلکہ صاف صاف حرج کو بتلانے والی احادیث و آثار بھی ہیں۔

مؤطا امام مالک میں کعب بن عجرہ فرماتے ہیں کہ وہ حالت احرام میں آنحضورؐ کے ساتھ تھے۔ ان کے سر میں جوئیں پیدا ہوگئیں جس سے وہ بہت پریشان تھے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سر کے بال اتار دینے کا حکم دیا اور فرمایا، تین روز اس کی جگہ روزہ رکھو یا دو دو وقت کر کے چھ مسکین کو کھانا دو یا ایک بکری ذبح کرو، ان تینوں کام میں سے جو بھی کرو گے نسک کی ادائیگی میں تمہارے سر منڈانے سے جو نقصان پیدا ہوگیا ہے اس کی تلافی ہو جائے گی۔

امام مالک نے انھیں کی دوسری سند سے یہ حدیث بھی ذکر کی ہے میں اس کے الفاظ کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔

عن کعب بن عجرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعلک آذاک هوامك نقلت نعم یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احلق راسك وصم ثلاثة ایام او اطعم ستة مساکین او انسك بشاة۔

حضرت کعب بن عجرہ فرماتے ہیں کہ ان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم کو جوئیں پریشان کر رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا سر منڈالو اور (اس کی جگہ) تین روز روزہ رکھو، یا چھ مسکین کو کھانا کھلاؤ یا ایک بکرے کی قربانی کرو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث پر جو باب باندھا ہے اس کا عنوان یہ ہے

فدیۃ من حلق قبل ان ینحر یعنی جس نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈا لیا اس کا فدیہ کیا ہوگا۔[1] امام مالک ان احادیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔

لا یصلح للمحرم ان ینتف من شعرہ شیئا ولا یحلقہ ولا یقصرہ حتی یحل الا ان یصیبہ اذی تعلیہ فدیۃ کما امرہ اللہ تعالیٰ ۔

یعنی محرم کیلئے جائز نہیں ہے کہ ارکان پورا کرنے سے پہلے اپنے بال میں سے کچھ نوچے نہ سر کا حلق جائز ہے اور نہ قصر جائز ہے الا یہ کہ اسے جوں وغیرہ سے پریشانی ہو تو اس صورت میں سر منڈا سکتا ہے لیکن اس کے عوض اس پر اللہ کے حکم کے مطابق فدیہ واجب ہوگا ۔

مؤطا امام مالک کی ان احادیث اور حضرت امام مالک کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے قصداً اور عمداً جانور ذبح کرنے سے پہلے حلق کرا لیا تو اس پر دم اور فدیہ واجب ہے ۔ امام مالک نے قرآن کی جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے ۔

ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من رأسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک یعنی اے محرمو اگر تم میں کا کوئی بیمار ہے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہے تو اس کو روزہ رکھنا ہے یا صدقہ دینا ہے یا ایک قربانی کرنی ہے ۔

یہ آیت نص ہے کہ ارکان حج میں ترتیب واجب ہے ، اگر قصداً اس کے خلاف عمل ہوا تو فدیہ دینا ہوگا ۔

جامعہ سلفیہ کے مفتی اور الجواب صحیح کہنے والے صاحب کو صرف " لاحرج " والی حدیث نظر آئی اس حرج والی حدیث سے یا تو یہ بیچارے واقف نہیں تھے یا جان بوجھ کر اس سے انھوں نے آنکھ بند کر لی ۔

---

(۱) مسلم نے بھی حضرت کعب کی اس حدیث کو اپنی صحیح میں متعدد سندوں سے ذکر کیا ہے ۔

جامعہ سلفیہ کے مفتی صاحب نے مسلم میں حضرت ابن عباس کی روایت سے "لاحرج" ثابت کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو مسلم شریف کی اس روایت کے راوی ہیں ان کا مذہب کیا تھا اس سے جامعہ سلفیہ کے مفتی صاحب بے خبر رہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد جو ابن عباس کے مخصوص شاگرد ہیں انکی روایت سے حضرت ابن عباس کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

عن مجاهد عن ابن عباس انه قال: من قدم شيئا من حجه او اخره فليهرق لذالك دما۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کا قول یہ تھا کہ کسی نے اگر اپنے حج کے کسی رکن کو مقدم یا مؤخر کیا تو اس کی جگہ اس کو ایک جانور ذبح کرنا ہوگا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ سے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اسی طرح کی روایت ہے۔

اگر لاحرج کا وہی مطلب ہوتا ہے جو جامعہ سلفیہ کے مفتی صاحب موصوف کے ذہن میں ہے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جو خود اس لاحرج والی روایت کے راوی ہیں اس کے خلاف قول کیوں ہوتا اور وہ ارکان میں تقدیم و تاخیر کی صورت میں دم کے واجب ہونے کا فتویٰ کیوں دیتے؟ حضرت ابن عباس کا فتویٰ صاف بتلا رہا ہے کہ لاحرج والی حدیثوں میں لاحرج کا مطلب وہ نہیں ہے جو جامعہ سلفیہ کے مفتی صاحب سمجھ رہے ہیں بلکہ اس لاحرج کا مطلب کچھ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ، اگر انسان بھول کر یا جہالت کی وجہ سے ارکانِ حج میں تقدیم و تاخیر کر دے تو اس کیلئے کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ خود مسلم شریف ہی میں جو پہلی حدیث اور دوسری حدیث اور تیسری حدیث ہے وہ اسی بات کو بتلانے والی ہے جن کو مفتی جامعہ سلفیہ نے نظر انداز کر دیا ہے اور اس باب کی بالکل آخری حضرت ابن عباس والی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

مسلم شریف کی پہلی حدیث میں یہ ہے۔ فجاء رجل فقال یارسول اللہ لم اشعر فحلقت قبل ان انحر، فقال اذبح ولاحرج، ثم جاء رجل آخر فقال یارسول اللہ لم اشعر فنحرت قبل ان ارمی فقال ارم ولاحرج۔

یعنی ایک آدمی نے آکر آنحضور سے کہا کہ مجھے احساس نہیں ہوا (یعنی میں بھول گیا) اور میں نے قربانی کرنے سے پہلے ہی سر کو منڈا لیا تو آپ نے فرمایا جاؤ قربانی کرو کوئی گناہ نہیں ہے پھر ایک دوسرا آدمی آیا اس نے کہا کہ مجھے احساس نہیں ہوا اور میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لیا تو آپ نے فرمایا جاؤ رمی کرلو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ لاحرج والی حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو ارکان میں ترتیب کو بھول جائیں یا جن کو مسائل کا علم نہ ہو۔

مسلم شریف کی دوسری روایت میں یہ بات ذرا اور صاف ہے اس میں ہے کہ فیقول القائل منهم یا رسول اللہ انی لم اکن اشعر ان الرمی قبل النحر نحرت قبل الرمی فقال رسول اللہ فارم ولاحرج۔

یعنی کہنے والے نے یہ کہا کہ اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جانتا نہیں تھا کہ رمی قربانی سے پہلے ہے تو میں نے رمی سے پہلے قربانی کر دی تو آپ نے فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ فما سمعته یسأل یومئذ عن امر مما ینسی المرأ او یجهل من تقدیم بعض الامور قبل بعض واشباهها الا قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم افعلوا ذلك ولاحرج۔ یعنی میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سے جہالت یا بھول کر ارکان میں تقدیم و تاخیر ہونے کے بارے میں جو کبھی پوچھ رہا تھا ان سب کو آپ کا یہی جواب تھا "افعلوا ذلك ولاحرج" یعنی اب کرلو اس کوتاہی کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوا۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں اس طرح ہے (یہ روایت بخاری میں بھی ہے)

فقام الیه رجل فقال: ما کنت احسب یا رسول اللہ ان کذا وکذا قبل کذا وکذا ثم جاء آخر فقال یا رسول اللہ کنت احسب ان کذا قبل کذا وکذا، یعنی آنحضورؐ کی طرف ایک آدمی بڑھا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نہیں جانتا تھا کہ فلاں کام فلاں کام سے پہلے ہے تو آپ نے فرمایا "افعل ولاحرج" اب کرلو کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ایک دوسرا بڑھا اور اس نے بھی اسی طرح کی بات کی تو آپ نے اس کو بھی یہی جواب دیا۔

ناظرین مسلم شریف ہی میں یہ تمام احادیث ہیں مگر جامعہ سلفیہ کے مفتی صاحب نے مسلم شریف کی ان تمام احادیث سے آنکھیں بند کر لی ہیں، حالانکہ مسلم شریف کی ان احادیث سے اصل مسئلہ پر خوب اچھی طرح روشنی پڑ رہی ہے کہ احادیث میں جو لاحرج ہے اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو جہالت کی وجہ سے یا بھول کر ارکان میں تقدیم وتاخیر کریں، یہ حکم عام نہیں ہے۔ اور نہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو قصداً اور جان بوجھ کر حج کے ارکان کو مقدم وموخر کریں، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا گیا تو صحیح بات یہ ہے کہ جہاں دم واجب ہونے کی شکل بنے گی وہاں دم واجب ہوگا جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اور یہ بات کہ لاحرج کا تعلق جاہل اور بھول جانے والے افراد سے ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضور سے یہ سوال کرنے والے مشاہیر صحابہ کرام میں سے کوئی نہیں تھا بلکہ یہ جاہل اور اعرابی یعنی دیہاتی لوگ تھے جنھیں حج کے ارکان اور اس کے مسائل سے پوری واقفیت نہیں تھی اور یہی وجہ ہے کہ حدیث کی کسی کتاب میں ان پوچھنے والوں کے نام کا ذکر نہیں ملتا البتہ طحاوی میں اسامہ بن شریک وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوچھنے والے دیہاتی لوگ تھے، ابن حجر فرماتے ہیں:

لما اقف علی اسمہ بعد البحث الشدید ولا اسم احد ممن سأل فی ھذہ القصۃ ..... لکن فی حدیث اسامۃ بن شریک عند الطحاوی وغیرہ کان الاعراب یسألونہ۔ یعنی مجھے بہت تلاش کے بعد بھی اس قصہ میں آنحضورؐ سے پوچھنے والوں میں سے کسی کا نام نہیں معلوم ہو سکا البتہ طحاوی میں اسامہ بن شریک کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دیہاتی تھے۔

دیہاتی لوگوں کو عام طور پر مسئلے مسائل کا علم نہیں ہوتا ہے، اور پھر حج کے مسائل جن میں بڑے بڑے لوگ اور اچھے خاصے اہل علم پریشان رہتے ہیں۔ ان دیہاتیوں کی گرفت سے اگر باہر ہوں تو کون سے تعجب کی بات ہے جب کہ خود پوچھنے والے صاف صاف اپنی عدم واقفیت کا اظہار کر رہے ہیں۔

۔یہی وجہ ہے کہ ان احادیث پر امام بخاری نے جو باب باندھا ہے اس کا عنوان یہ ہے۔ باب اذا رمی بعد ما امسیٰ او حلق قبل ان تذبح ناسیا او جاهلا۔ یعنی یہ باب اس مسئلہ کو بیان کرنے کیلئے ہے کہ رمی اگر مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یا بھول کر زوال کے بعد رمی کرے یا قربانی کرنے سے پہلے حلق کرالے تو اس کا کیا حکم ہے۔
اور پھر امام بخاری نے اس باب کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس کی وہی حدیث ذکر کی ہے اور انھیں الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے جس کو جامعہ سلفیہ کے مفتی نے مسلم شریف سے اپنے فتویٰ میں نقل کیا ہے۔ دیکھئے بخاری شریف کی حدیث یہ ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قیل له فی الذبح والحلق والرمی والتقدیم والتاخیر فقال لاحرج۔

اس حدیث سے امام بخاری جیسا محدث تو یہ سمجھ رہا ہے کہ اس میں جو حکم ہے وہ بھول جانے والے اور مسائل سے ناواقف شخص کے بارے میں ہے۔ مگر جامعہ سلفیہ کے مفتی صاحب اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے اور سب کیلئے ہے، اس عقل وعلم کے ساتھ شوق دامنگیر ہے فتویٰ دینے کا اور کبر وتعلی کا حال یہ ہے کہ فرمایا جاتا ہے کہ ائمہ کے مسالک اور اقوال الرجال کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔

بہر حال بخاری ومسلم کی ان احادیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ارکان میں تقدیم وتاخیر اگر بھول اور ناواقفیت کی بنا پر ہوئی ہے تب تو دم واجب نہیں ہے لیکن اگر کسی نے قصداً اور عمداً ایسا کیا ہے تو ان احادیث کا تقاضا یہ ہے اس پر دم ہے۔ چنانچہ یہی بات موفق ابن قدامہ نے المغنی میں ذکر کی ہے فرماتے ہیں۔ قال: الاثرم عن احمد ان کان ناسیًا او جاھلاً فلا شئ علیہ وان کان عالمًا فلا لقوله فی الحدیث لم اشعر۔ یعنی اثرم نے حضرت امام احمد سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر حاجی ارکان میں تقدیم وتاخیر بھول کر کرڈالے یا ناواقفیت کی وجہ سے اس سے تقدیم وتاخیر ہوگئی ہے تب تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا لیکن اگر اس نے جان بوجھ کر ارکان کو مقدم یا موخر کیا ہے تو اس پر اس شکل میں فدیہ ساقط نہیں ہوگا اور اسے دم دینا ہوگا۔ اسلئے

کہ حدیث میں ۔ لم اشعر ۔ کا جو لفظ ہے اس کا یہی تقاضا ہے ۔

اور یہی بات امام طحاوی نے معانی الآثار میں بیان کی ہے اور حدیث میں جو لاحرج کا کلمہ ہے اس کی پوری وضاحت کی ہے ، اور دلائل کی روشنی میں یہ بتلایا ہے کہ یہ عدم حرج والی بات سب کو عام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق جاہل اور ناسی سے ہے ۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو اللہ ٹھنڈی رکھے اور انوار سے بھر دے وہ دینی و شرعی مسائل میں بڑی چھان بین کرتے تھے اور کتاب و سنت کے تمام ذخائر کو سامنے رکھ کر جو احوط اور اوفق بالعقل والنص بات ہوتی تھی اس کو اختیار کرتے تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ حج کے ارکان کو ترتیب کے ساتھ ادا کرنا چاہئے ، اگر کسی نے قصداً اور عمداً خلاف ترتیب ارکان کی ادائیگی کی مثلاً قربانی سے پہلے بال منڈا لیا تو اس پر دم ہوگا ، حضرت امام ابوحنیفہ نے زیر بحث مسئلہ کو مختلف زاویے سے دیکھا اس سلسلہ کی تمام احادیث کو نگاہ میں رکھا اور پھر یہ فیصلہ کیا کہ لاحرج والی حدیث کا تعلق ہر آدمی سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق مخصوص افراد یعنی جاہل اور بھول جانے والے لوگوں سے ہے ۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری کی یہ روایت ذکر کی ہے جس سے اس مسئلہ پر مزید روشنی پڑتی ہے ۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے ۔

عباد اللہ وضع اللہ عزوجل الحرج والضیق تعلموا مناسککم فانھا من دینکم یعنی اے اللہ کے بندو اللہ نے تم سے حرج اور تنگی کو ختم کر دیا ہے تم لوگ ارکان حج کو سیکھو اس لئے کہ ان کا تعلق دین سے ہے ۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لاحرج فرمایا تھا اس کی وجہ اس پوچھنے والے دیہاتیوں کا جاہل ہونا اور مناسک حج سے بے خبر ہونا تھا اس لئے آپ نے ان کو بطور خاص مناسک حج سیکھنے کا حکم فرمایا ۔

اب آپ قرآن میں دیکھئے اللہ کا کیا ارشاد ہے ۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے ۔

ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ ۔ اس آیت پاک میں صاف حکم موجود ہے

کہ قربانی سے پہلے سر کا منڈانا جائز نہیں ہے۔ آیت کا ترجمہ ہے۔ اے حاجیو تم اپنے سروں کو مت منڈاؤ جب تک جانور قربان گاہ کو نہ پہونچ جائیں (اور ان کی قربانی بھی ہو جائے) اس ارشاد خداوندی میں صاف صاف اس کا حکم ہے کہ قربانی سے پہلے سر کا منڈانا جائز نہیں ہے (عذر کی حالت کی بات الگ ہے) اس سے بھی ارکان میں ترتیب کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے احادیث کو بھی نگاہ میں رکھا اور قرآن کے فرمان کو بھی نگاہ میں رکھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے فتویٰ کو بھی نگاہ میں رکھا۔ جو لاحرج والی حدیث کے راوی ہیں، اور انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ حج ان عبادتوں میں سے ہے جن پر دین کی بنیاد قائم ہے اور وہ پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ کے لئے واجب ہے، اس اہم عبادت میں اس پہلو کو اختیار کیا جائے جس میں احتیاط زیادہ ہو، کہ عمر بھر میں ایک دفعہ کی جانے والی یہ عبادت جس کیلئے انسان کہاں کہاں سے اور کتنی مشقت اٹھا کر مکہ مکرمہ حاضر ہوتا ہے اس میں کسی نقصان کا شبہ نہ رہے، یہ احتیاط والا پہلو ہی اختیار کرنا جب کہ اس کی تائید قرآن واحادیث سے بھی ہو رہی ہے، عقل کا بھی تقاضا ہے۔

ہمیں توقع تھی کہ جامعہ سلفیہ کے مفتی صاحب کا فتویٰ حقائق اور دلائل کی روشنی میں ہوتا اور ان کے اہلحدیث ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ تمام احادیث کو سامنے رکھ کر فتویٰ دیتے مگر افسوس انھوں نے بالکل چالو قسم کا فتویٰ دیا اور ان کے عدم احتیاط کا عالم یہ ہے کہ وہ فتح الباری کے جلد ثالث کے جس صفحہ کا حوالہ دے رہے ہیں اس میں یہ بحث قطعاً نہیں ہے۔ معلوم نہیں مفتی صاحب نے کس عالم میں اور کہاں سے یہ حوالہ نقل کیا ہے میں نے اس مسئلہ میں ذرا درازنفسی سے کام لیا اس لئے کہ ابن باز کے فتویٰ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ ابن باز دین وشریعت کے بارے میں بہت بے باک اور بہت غیر محتاط آدمی تھے۔ ان کا علم بھی بہت ناپختہ تھا مگر شوق تھا مجتہد بننے کا، انھیں کا فتویٰ محدث پرچہ ہی میں (غالباً ستمبر کے شمارہ میں) چھپا تھا کہ فرض نماز میں بھی امام کو قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔ حالانکہ کسی

حدیث میں فرض نماز کے لئے یہ مسئلہ نہیں ہے، عبادات کے بارے میں اس قسم کی سہولت پسندی کی روش سے عبادت کی روح ختم ہوتی جارہی ہے اور ہمارے سہولت پسند اور آزاد فکر نوجوانوں کی بہت غلط رہنمائی کی جارہی ہے۔ وَالحمدللہ اولاً و آخراً و صلی اللہ علی النبی الکریم۔

ضمیمہ

از نورالدین نوراللہ الاعظمی

خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

مولانا غازی پوری مدظلہ کا بسط و تفصیل سے محققانہ جواب ناظرین نے ملاحظہ فرمالیا۔ جامعہ سلفیہ کے موصوف مفتی صاحب نے اپنے فتوی کے آغاز میں جس طنطنہ کا اظہار کیا تھا مولانا کی تحریر سے اس کی حقیقت واضح ہوگئی۔ یہ مدعیان عمل بالحدیث جہل مرکب کے شکار ہوتے ہیں، اپنی تولہ بھر کی علمی صلاحیت کے باوجود گفتگو کا انداز ایسا اختیار کرتے ہیں گویا یہ علم و تحقیق کے کوہ ہمالہ ہیں اور اجتہاد کی پوری صلاحیت سے لیس ہیں، یہ کتاب و سنت کے ماہر ہیں اور اسلاف ان کے علم و تحقیق کے سامنے بونے ہیں، میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ غیر مقلدین مسائل شرعیہ کے بیان کرنے میں کبھی مخلص نہیں ہوتے ہیں، اور عوام کو حدیث کا نام لے کر دھوکہ دیتے ہیں فریب کرتے ہیں گمراہ کرتے ہیں، اسی مسئلہ میں دیکھئے جامعہ سلفیہ کے موصوف مفتی نے ناواقف عوام کو کتنے فریب میں ڈالا ہے، اس نے مسلم شریف کی آخری حدیث سے استدلال کیا ہے، حالانکہ مسلم شریف میں اس باب کے شروع ہی کی تین حدیثوں میں صاف صاف یہ موجود ہے کہ جن کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم جواب دے رہے تھے یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے صاف صاف آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا تھا کہ ہم سے ناوانستگی میں ارکان میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے۔ ان معذوروں کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ چلو کچھ حرج نہیں ہے۔

مسلم شریف کی ان احادیث کو چھوڑ کر آخر والی مجمل حدیث کو ذکر کر کے یہ ظاہر کرنا

کہ حدیث صرف یہی ہے عوام کو فریب میں ڈالنا اور غلط مسئلہ بتلا کر ان کی عبادتوں کو خراب کرنے ناروا کوشش ہے۔

پھر مفتی صاحب موصوف جو ایک نمبر کے اہلحدیث ہیں اور الجواب صحیح کہنے والے بزرگ جو بہت پہونچے ہوئے اہلحدیث ہیں۔ ان دونوں نے معلوم نہیں کس مصلحت سے یہاں بخاری شریف کی مراجعت نہیں کی؟ آخر بخاری شریف جو اول نمبر کی حدیث کی کتاب ہے اس سے اعراض ان مفتیوں نے کیوں کیا؟ بخاری بخاری کا شور مچانے والوں نے آخر اس مسئلہ میں بخاری شریف کی احادیث سے کیوں غض بصر کیا اس لئے کہ مزاج میں انصاف پسندی نہیں ہے، دھاندلی کا دھندا کرنا مزاج بنا ہوا ہے، بخاری شریف کی طرف رجوع کرتے تو مفتی صاحب موصوف نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی بھی حقیقت ظاہر ہو جاتی اور اصل مسئلہ پر بھی خوب روشنی پڑجاتی۔ اس وجہ سے جامعہ سلفیہ بنارس کے مفتی صاحب اور ان کے الجواب صحیح کہنے والے مؤید نے بخاری شریف کو اس موقع پر بالکل نظر انداز کر دیا۔ انھوں نے پہلے نمبر پر بخاری شریف کو ضرور دیکھا ہوگا۔ ان کے اہلحدیث ہونے اور منصب افتاء کے ذمہ دارانہ عہدہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اہلحدیث لوگ جو حدیث ہی کی روشنی میں فتویٰ دیتے ہیں وہ سب سے پہلے حدیث کی سب سے صحیح کتاب کی طرف رجوع کریں، اس لئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ انھوں نے بخاری کو ضرور دیکھا ہوگا، مگر چونکہ مسلم شریف کی جس حدیث سے مفتی صاحب موصوف نے اس مسئلہ میں استدلال کیا ہے، امام بخاری نے اس کی حقیقت ظاہر کر دی ہے کہ اس کا تعلق عام لوگوں سے نہیں ہے بلکہ بھول جانے والے اور ناواقف عوام سے ہے، اور مفتی صاحب کو اس صحیح بات کو چھپانا تھا اس وجہ سے انھوں نے بخاری کا دامن جھٹک دیا۔

ناظرین اس سے اندازہ لگالیں کہ غیر مقلدین حضرات جہاں بخاری بخاری کی رٹ لگاتے ہیں اس کی حیثیت صرف پروپیگنڈہ کی ہوتی ہے نہ یہ غیر مقلدین بخاری کے ساتھ مخلص ہیں نہ مسلم کے ساتھ اخلاص اور دینداری سے محروم یہ جماعت ہے۔

اللہ ان ائمہ کرام پر اپنی رحمتوں کی بے انتہا بارش فرمائے جنھوں نے ہمیں راہ رشد وہدایت دکھائی، اور جن کی کاوشوں اور کوششوں سے دین محفوظ ہے اور باطل اپنی ہزار کوششوں کے باوجود ان ائمہ کرام کے فیض وکرم کے طفیل امتِ مسلمہ کو راہ حق وصواب سے منحرف اور گمراہ نہیں کر سکتا۔

مولانا غازیپوری کی تحریر کا مقصد صرف یہ ہے کہ اہلحدیث کہلانے والے مفتیوں کو فتویٰ والے مسئلہ سے متعلق تمام احادیث کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور ان سے جو صحیح بات معلوم ہو اس پر فتویٰ کا مدار رکھنا چاہئے۔ دوسرے ائمہ کا کیا مسلک ہے اس سے آپ کو مطلب نہ ہونا چاہئے اس وجہ سے کہ بقول آپ کے جس مسئلہ میں ارشادات نبویہ کتب حدیث میں صراحت کے ساتھ منقول ہوں اس امر اور معاملہ میں حدیثِ نبوی ہی کو اپنانا چاہئے ائمہ کے مسالک اور اقوال الرجال کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔

صلا ۶۴ کا بقیہ:۔

لینسا میں مسلمانوں کی ایک تنظیم ہے جس کا نام لینسیا مسلم ایسوسیشن ہے اس کے تحت مسلمانوں کا ایک عظیم تعلیمی ادارہ ہے، یہ ادارہ تقریباً دو ہزار چھوٹے بچے اور بچیوں کی جن کی عمر چھ سال سے بارہ سال تک ہوتی ہے، دینی وتعلیمی سرپرستی کرتا ہے، اس ادارہ میں معلمین ومعلمات اور کام کرنے والے عملہ کی مجموعی تعداد جن میں ائمہ وموذنین بھی شامل ہیں، ایک سو چالیس ہیں، اس ادارہ کے تحت سات مساجد کا بھی انتظام وانصرام ہے، اس ادارہ کا مجموعی ماہانہ خرچ پونے تین لاکھ رین کے قریب ہے، اس ادارہ نے اپنا دینی نصاب بھی انگریزی زبان میں تیار کیا ہے جو ساؤتھ افریقہ کے علاوہ لندن اور امریکہ میں بھی مقبول ہے، خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کے مدیر اور نگران اعلیٰ مولوی خالد سلمہٗ ہیں، اس ادارہ کی عظیم ذمہ داری کو وہ بخوبی نباہ رہے ہیں اور ماشاء اللہ بہت کامیابی سے اس کی دیکھ ریکھ کرتے ہیں، سارا عملہ ان سے خوش ہے اس ادارہ کے کام کی وجہ سے مولوی خالد سلمہٗ کا وقت بہت مشغول رہتا ہے اور ان کا موبائیل اور فون بہت کم خالی نظر آتا ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

آمین کے بارے میں امام شافعی اور امام مالک کا مسلک

مکرمی مدیر زمزم جناب مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری دام مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شافعی لوگ آمین زور سے کہتے ہیں، مگر مجھ سے ایک صاحب نے کہا کہ امام شافعی نے زور سے آمین کہنے والے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو براہ کرم مجھ سے اس کتاب کا حوالہ دیں جس میں امام شافعی کا رجوع ثابت ہو، نیز یہ بھی فرمائیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں یعنی آمین کہنے کے بارے میں صحیح مسلک کیا ہے۔ براہ کرم جلدی جواب سے نوازیں تو کرم ہوگا، زمزم پابندی سے مل رہا ہے۔ والسلام

شمس الحق کرالا ممبئی

زمزم! عام طور پر جیسا کہ آپ کو بھی علم ہوگا، شافعی حضرات نماز میں آمین زور سے کہتے ہیں، مگر یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک نہیں ہے، امام شافعی شروع میں بلاشبہ مقتدی کیلئے زور سے آمین کہنے کے قائل تھے مگر بعد میں ان کی اس بارے میں تحقیق جب آگے بڑھی تو انھوں نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا، اور نماز میں مقتدی کیلئے سرًا آمین کہنے کا قول اختیار کیا تھا۔ اس بارے میں، اظہار التحسین (مولفہ مولانا محمد حبیب اللہ ڈیروی جو پاکستانی عالم ہیں) میں پوری تحقیق ہے، میں اس کتاب سے چند حوالے نقل کرتا ہوں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کتاب الام" بہت مشہور ہے، اس میں لکھا ہے:

قال الشافعی فاذا فرغ من قراءۃ ام القرآن قال آمین ورفع بھا صوتہ لیقتدی بہ من کان خلفہ واذا قال قالوھا واسمعوا انفسھم ولا احب ان یجھروا بھا۔ (ص۹۵ ج۱ طبع بولاق)	امام شافعی نے کہا کہ جب امام سورہ فاتحہ سے فارغ ہو تو آمین بلند آواز سے کہے تا کہ مقتدی بھی اس کی اقتدا میں آمین کہیں اور جب مقتدی آمین کہیں گے تو اپنے کو سنائیں گے مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ مقتدی زور سے آمین کہیں۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد الرافعی لکھتے ہیں:

واما الماموم فقد نقل عن القدیم انہ یؤمن جھراً وعن الجدید انہ لا یجھر۔ (فتح العزیز شرح الوجیز ص۲۴۸ ج۳)	یعنی امام شافعی کا مقتدی کے بارے میں قدیم قول یہ تھا کہ وہ آمین زور سے کہیگا اور جدید قول یہ ہے کہ وہ زور سے نہیں کہے گا۔

حافظ ابن کثیر شافعی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فان امن الامام جھراً فالجدید انہ لا یجھر الماموم۔ (ص۳۱ ج۱)	یعنی اگر امام زور سے آمین کہے تو مقتدی زور سے آمین نہ کہیں گے یہ امام شافعی کا جدید قول ہے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ امام شافعی مقتدی کیلئے زور سے آمین کہنے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور پہلے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

اب معلوم نہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس رجوع کے بعد بھی شوافع کی مساجد میں مقتدی زور سے آمین کس کی تقلید میں کہتے ہیں، حالانکہ شافعیوں کی مشہور کتاب شرح مہذب میں صاف لکھا ہے۔

ليس للمفتى ولا للعامل المنتسب الى مذاهب الشافعی رحمہ اللہ فی مسئلۃ القولين ان يعمل بماشاء منهابغير نظر بل عليه فی القولين العمل بآخرهما ان علمہا والا فباالذی رجحہ الشافعی ۔ ص ۶۸ ج ۱

شافعی مذہب کے مفتی اور اس پر عمل کرنیوالے کیلئے جائز نہیں ہے کہ جس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دو قول ہو توان میں سے جس پر چاہے عمل کرے بلکہ اس کیلئے ضروری ہے کہ دونوں قولوں میں سے آخر والے پر عمل کرے ورنہ اس پر جس کو امام شافعی نے ترجیح دی ہے ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کا آخری قول بھی مقتدی کیلئے عدم جہر کا ہے اور اسی آخری قول کو امام صاحب نے ترجیح بھی دی ہے ، جیسا کہ پہلے کتاب الام والی عبارت میں ان کا قول ولا احب ان يجهروا بها (مجھے پسند نہیں ہے کہ مقتدی آمین کے ساتھ جہر کریں) گزر چکا ہے ۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے یعنی امام اور مقتدی آمین آہستہ کہیں گے ۔ ابن العربی مالکی ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی میں فرماتے ہیں ۔

ولا يجهر بها الامام ولا المأموم — یعنی آمین کو نہ امام زور سے کہے گا اور نہ مقتدی

بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام آمین بالکل نہیں کہے گا ، آمین صرف مقتدی کہیں گے اور آہستہ کہیں گے ، بہر حال امام مالک امام یا مقتدی کیلئے جہراً آمین کے قائل نہیں ہیں ان کا مذہب سرّاً آمین کہنے کا ہے ۔

محمد ابوبکر غازیپوری ۔

محمد ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

ایک رکعت وتر کا مسئلہ

محترمی مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری دامت برکاتہم

تحیۃ قلبیۃ وسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم — مزاج مبارک

زمزم پرچہ کے مطالعہ کی پابندی سے سعادت حاصل ہے، آپ کے محقق قلم کی ہر تحریر نظر کشا ہوتی ہے اور جس مسئلہ پر آپ قلم اٹھاتے ہیں وہ آئینہ کی طرح صاف ہوجاتا ہے اللہ آپ کے سایہ کو دراز کرے اور زمزم کی عمر کو طویل و مدید کرے۔

اس سال بندہ کو عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی وَلِلّٰہِ الحمدُ والشکر، حرم مکہ کے اماموں کو میں نے ایک رکعت وتر پڑھتے دیکھا، میرے لئے یہ بالکل عجیب بات تھی بڑا عجیب سا لگ رہا تھا، مگر لوگوں سے جب بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ حرم شریف کے ائمہ خلافِ سنت کام نہیں کریں گے، ایک رکعت وتر بھی سنت ہے، براہ کرم اس پر روشنی ڈالیں اگر ایک رکعت وتر بھی سنت ہے تو اس کو واضح کریں۔

حبیب اللہ داؤد احمد آباد

زمزم: زمزم کے بارے میں آپ کے تاثرات سے خوشی ہوئی، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور قلم سے وہی بات نکلے جو حق ہو اور قلم گروہی عصبیت کا شکار نہ ہو۔

جی ہاں حرم شریف کے ائمہ ایک رکعت بھی وتر پڑھتے ہیں، تین بھی اس طرح پڑھتے ہیں کہ قعدہ اولیٰ نہیں کرتے، یعنی مسلسل تین رکعت پڑھتے ہیں اور تیسری رکعت کے آخر میں بیٹھتے ہیں اور التحیات اور درود شریف پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں، اور ایک رکعت بھی اس طرح پڑھتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح پوری کر لینے کے بعد دو رکعت پڑھتے ہیں اور سلام پھیرتے ہیں پھر ایک رکعت الگ سے پڑھتے ہیں، احادیث میں پانچ، سات اور نو رکعت وتر کا بھی ذکر ہے ائمہ حرم کبھی پانچ سات اور نو رکعت وتر نہیں پڑھتے، جب کہ یہ روایتیں بھی صحیح ہیں ائمہ حرم نے ان روایتوں کو کیوں چھوڑ رکھا ہے اس کی وجہ ہمیں اب تک معلوم نہ ہو سکی۔

ائمہ حرم کا اس اعتبار سے ہمارے دلوں میں احترام ہے کہ ان کو حرم پاک سے نسبت حاصل ہے مگر ان کے ائمہ حرم ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی عمل ہمارے لئے حجت نہیں ہوگا، ہمارے لئے حجت کتاب و سنت اور صحابہ کرام کا اسوہ ہے۔

کتا ہمارے یہاں بھی ہوتا ہے اور ایک کتا مدینہ پاک کی گلیوں میں بھی گھومتا نظر آتا ہے مدینہ منورہ کے کتا کا لعاب بھی اسی طرح نجس ہے جس طرح ہمارے یہاں کے کتا کا لعاب نجس ہے مگر چونکہ وہ مدینہ پاک کا کتا ہے اس وجہ سے جس نگاہ سے اسے دیکھیں گے اپنے یہاں کے کتے کو اس نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ پیارے رسول کے شہر کی گلیوں کا کتا بھی ہمارے لئے پیارا ہے۔ اس لئے کہ اس کو ہمارے رسول پاک کے شہر پاک سے نسبت حاصل ہے، مگر اس نسبت کی وجہ سے اس کے لعاب کا حکم نہیں بدلے گا اس کا لعاب بھی اسی طرح نجس ہے جس طرح اور کتوں کا لعاب نجس ہوتا ہے۔

پہاڑ ہمارے یہاں بھی پایا جاتا ہے، مگر اس پر کبھی محبت کی نگاہ ہم نہیں ڈالتے مگر مکہ کرمہ اور مدینہ منورہ کے راستوں میں جب پہاڑ نظر آتے ہیں تو ہم اس پر عقیدت کی نگاہ ڈالتے ہیں اور محبت سے انھیں دیکھتے ہیں۔

جبل ثور، جبل نور اور جبل احد پر جب ہماری نگاہ پڑتی ہے تو ہمارے دل کی دنیا میں جذبات کا طوفان اٹھتا ہے اور شوق یہ ہوتا ہے کہ ان پہاڑوں کے ایک ایک پتھر کو اپنی نگاہوں

کا حصہ بنالیں، یہ شوق فراواں کیوں پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ ان پہاڑوں کو ان جگہوں سے نسبت حاصل ہے جہاں ہمارے رسول چلے تھے، پھرے تھے، رہے تھے، مگر مدینہ و مکہ کے پہاڑ بھی بس پہاڑ ہی ہیں جیسے ہمارے یہاں کے پہاڑ ہیں۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ائمہ حرم کو ہم اپنے دلوں میں اسلئے جگہ دیتے ہیں کہ ان کو حرم پاک سے نسبت حاصل ہے، احترام ہم اس نسبت کا کرتے ہیں یہی ائمہ اگر کسی اور جگہ کے امام ہوتے تو ہم ان کو اس نگاہ سے نہ دیکھتے جس نگاہ سے انھیں اب دیکھتے ہیں۔

اس لئے ائمہ حرم کا احترام تو ہم ضرور کریں گے مگر دینی مسائل میں ہم ان کو حجت نہیں بنائیں گے ہمارے لئے حجت جیسا کہ میں نے عرض کیا کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے عمل ہوں گے یا وہ اسلاف کرام اور ائمہ دین جنھوں نے کتاب وسنت ہی کی روشنی میں اپنی زندگی کے نظام کا خاکہ مرتب کیا ہے، اور جن کی زندگی لوگوں کو راہ مستقیم پر چلانے کیلئے کتاب وسنت اور آثار صحابہ و اسوۂ صحابہ میں غور وخوض میں گزری، جن کے بارے میں ہمیں یقین ہے کہ دین کی جو فہم اور کتاب وسنت میں بصیرت کی جو سعادت انھیں حاصل تھی بعد کے ادوار کے لوگوں میں اس کا نام ونشان بھی نہیں رہا خواہ ان میں کا کوئی اپنے وقت کا کتنا بڑا بھی علامہ ہو۔

ایک رکعت وتر کا ذکر احادیث کی کتابوں میں ملتا ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حکم پہلے تھا اب منسوخ ہے، اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

عن ابی سعید ان رسول اللہ نھی عن البیتراء ان یصلی الرجل واحدۃ یوتر بھا۔ یعنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیترا (دم بریدہ، دم کٹی) نماز سے منع فرمایا ہے، یعنی آدمی ایک رکعت نماز سے وتر پڑھے۔

احادیث اگر ایسی ہوں کہ ان میں سے بعض سے کسی چیز کا جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے تو فقہاء عام طور پر (اگر دونوں طرح کی احادیث صحیح ہیں) ممانعت والی روایت کو اباحت والی روایت پر ترجیح دیتے ہیں، اسی میں احتیاط بھی ہے۔

بخاری شریف اور مسلم اور احادیث کی دیگر کتابوں میں حضرت عائشہ کی مشہور حدیث جس میں

ہے کہ۔ ثم یصلی ثلاثہ "یعنی آنحضورؐ (تہجد کی چار چار رکعت پڑھ کر) تین رکعت وتر پڑھتے ہیں۔

نسائی شریف اور موطا امام محمد میں حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ہے۔

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی دو رکعتوں میں جب بیٹھتے تو سلام نہیں پھیرتے تھے۔

امام حاکم نے اسی روایت کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یسلم فی الرکعتین الاولیین من الوتر یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

امام حاکم نے اسی روایت کو ایک اور سند سے نقل کیا ہے جس کے الفاظ اور بھی واضح ہیں

کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرھن وھذا وتر امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعنہ اخذہ اھل المدینۃ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور آخر میں سلام پھیرتے تھے، حضرت عمر فاروق بھی اسی طرح وتر پڑھتے تھے اور انھیں سے اہل مدینہ نے بھی یہ وتر لیا۔

ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھتے، دوسری رکعت میں قُلْ یَآاَیُّھَا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔

موطا امام محمد میں حضرت عمر کا یہ فرمان منقول ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے سرخ سرخ اونٹ کے بدلہ میں بھی پسند نہیں ہے کہ میں وتر کو تین رکعات کے ساتھ چھوڑوں۔

بعض روایتوں میں وتر کی نماز کو مغرب کی نماز کی طرح بتلایا گیا ہے، اس تشبیہ سے بھی متعین ہے کہ وتر کی نماز تین ہی رکعت ہے۔ موطا امام محمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر منقول ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز تین رکعت ہے مغرب کی

نماز کی طرح ۔

اسی طرح کا ایک اثر موطا امام محمد میں حضرت عبداللہ بن عباس کا بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ الوتر کصلوٰۃ المغرب یعنی وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ہے ۔

مؤطا امام محمد حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ فرمان بھی منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ما اجزأت رکعۃ واحدۃ قط یعنی ایک رکعت نماز کبھی کفایت نہیں کرے گی ۔

حضرت عائشہ جو آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد اور وتر کی نمازوں کی سب سے زیادہ واقف کار تھیں (اسلئے آنحضورؐ یہ نمازیں گھر میں پڑھا کرتے تھے) وہ فرماتی ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر ، یعنی آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرا کرتے تھے ، اور میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ جب جواز اور ممانعت دونوں کو بتلانے والی احادیث میں تعارض ہوگا تو ممانعت والی احادیث کو علما ترجیح دیتے ہیں ۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت مکحول کا یہ اثر ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں اور ان رکعتوں میں سلام سے فصل نہیں کیا ، مصنف ابن ابی شیبہ میں اسی طرح کی بات حضرت علی سے بھی منقول ہے ۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حسن سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ اجمع المسلمون ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرھن یعنی مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر کی نماز تین رکعتیں ہیں اور آخر میں سلام ہے ۔

میں نے بہت اختصار سے کام لیتے ہوئے یہ چند احادیث اور آثار پیش کئے ہیں ورنہ تو اس موضوع پر ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے ۔

جو لوگ ایک رکعت ، وتر پڑھتے ہیں وہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کبھی وتر کو ایک رکعت پڑھا ہو ، حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ امام مالک نے تین رکعت وتر کو اسلئے اختیار کیا تھا کہ آنحضورؐ سے ایک روایت وتر کا پڑھنا ثابت نہیں ہے ، اور آنحضورؐ ہی کی سنت زیادہ حقدار ہے کہ اس کی اتباع کیجائے (۱)

---

(۱) مالکیہ کی مشہور کتاب الکافی میں ہے - ولکن الذی اختصار کا مالک اولیٰ لانہ لم یحفظ احدا

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعدد اصحاب سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ انھوں نے وتر کی نماز کو مغرب کی نماز کے ساتھ تشبیہ دیا ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح مغرب کی نماز پڑھی جاتی ہے وتر کی نماز بھی اسی طرح ہے اور اسی کیفیت کے ساتھ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ——————— محمد ابو بکر غازی پوری

میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ ائمہ حرم کے عمل کو دینی و شرعی مسلک میں حجت نہیں بنایا جاسکتا اگر ان کا عمل کتاب و سنت سے مؤید نہیں ہے تو اس کو بلا تکلف رد کر دیا جائے گا، ان ائمہ حرم نے آج کل بہت سی بدعتیں ایجاد کرلی ہیں، مثلاً وتر کی نماز میں بہت طویل دعائیں مانگنا چیخنا چلانا گا گا کر دعائیں مانگنا، اس طرح کی آنحضورؐ سے دعا ہرگز ثابت نہیں ہے، مگر ائمہ حرم خوب کرتے ہیں اور کوئی ابن باز کبھی کھڑا نہیں ہوا کہ اس خلاف سنت عمل سے ان کو روکے۔

اسی طرح جمعہ کا خطبہ ان کا بہت طویل ہوتا ہے، نماز مختصر اور خطبہ طویل یہ آنحضورؐ کی سنت نہیں ہے مگر ائمہ حرم یہ خلاف سنت خطبہ دیتے ہیں، ائمہ حرم میں سے بعض لوگ وہ بھی ہیں جن کا عمل یہ ہے کہ وہ رکوع سے اٹھ کر گردن کے قریب کے قریب ہاتھ باندھ لیتے ہیں یہ ابن باز کی تقلید ہے آنحضورؐ کی یہ سنت نہیں ہے نہ کسی صحابی کا یہ عمل تھا اور نہ ائمہ دین میں سے کوئی اس کا قائل ہے، یہ ابن باز کی ایجاد ہے اور ان کی بدعت ہے۔

ائمہ حرم کا کوئی کام محض ان کے ائمہ حرم ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے حجت نہیں ہوگا۔

عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ اوتر بواحدۃ و سنتہ احق ان تمثل

(ص ۲۵۹ / ج ۱) یعنی امام مالک نے جو تین رکعت وتر کا قول اختیار کیا ہے وہی اولیٰ ہے اسلئے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک رکعت وتر کا پڑھنا ثابت نہیں ہے، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا حق زیادہ ہے کہ اسے اختیار کیا جائے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

گھر گھر جاکر قرآن پڑھنے کا رواج

مکرمی و محترمی حضرت مولانا صاحب ! سلام مسنون

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

زمزم کو اللہ زندہ و سلامت رکھے، اس سے ہم برابر مستفید ہو رہے ہیں۔
زمزم کے موضوع سے ہٹ کر ایک سوال ہے امید کہ جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے
میرا ایک جگہ کا سفر ہوا (بعض مصلحت سے میں اس جگہ کا نام لینا نہیں چاہتا) وہاں میں نے
دیکھا کہ ایک مدرسہ کے لڑکے معمولاً گھروں میں جاتے ہیں جہاں ان کے چائے پانی کا انتظام ہوتا ہے
اور وہ قرآن پڑھتے ہیں، کھا پی کر واپس ہوتے ہیں، اگر کسی جگہ صرف قرآن پڑھنا ہو اور چائے
پانی کا انتظام نہ ہو یا کچھ ہدیہ تحائف نہ ملے تو اس جگہ مدرسہ والے ان کو نہیں بھیجتے، کیا
اس طرح گھر گھر جاکر قرآن پڑھنا جائز ہے ؟ ضروری مسئلہ ہے براہ کرم ضرور جواب دیں۔

ناصرالدین سکندرآباد آندھرا پردیش

زمزم ! یہ بلا اور بدعت صرف آپ ہی کے اطراف میں نہیں ہے، ہمارے مشرق
یوپی کے بھی بہت سے مدرسوں میں اس کا رواج ہے۔ بریلوی مکتب فکر کے مدرسوں میں اس کا
رواج زیادہ ہے، کسی دنیاوی نفع کے عوض قرآن کا گھر گھر جاکر پڑھنا یا مدرسہ میں پڑھنا یا
مسجد میں پڑھنا ہر جگہ ناجائز اور حرام ہے، اور قرآن پڑھنے کے عوض میں جو جو تحفہ لیا جاتا ہے وہ
حرام ہے جو کھایا پیا جاتا ہے وہ حرام خوری ہے، اور حرام غذا سے پیٹ کا بھرنا ہے، اس سے

سخت پرہیز کی ضرورت ہے، طلبہ کی عادت بھی اس سے خراب ہوتی ہے، اور طلبہ کے وقار کے خلاف بھی یہ بات ہے، اور قرآن کی اس میں بے حرمتی بھی ہے۔

جو قرآن پڑھتا ہے وہ بھی گنہ گار ہے جو اس طرح قرآن پڑھواتا ہے وہ بھی گنہ گار ہے اور جن مدرسوں کے ذمہ دار اس میں شریک ہوتے ہیں اور طلبہ کو بھیجتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں فتاویٰ محمودیہ میں حضرت اقدس مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

" قرآن اجرت دیکر پڑھوانا جائز نہیں گناہ ہے اجرت کا لینا بھی ناجائز ہے اس سے ثواب نہیں پہونچتا، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱/ج ۹)

اگر پڑھنے والے کو پڑھانے والا کچھ دینا چاہے تو اس کے کچھ شرائط ہیں۔ فتاویٰ محمودیہ کی اس عبارت کو آپ غور سے پڑھیں۔

اگر خالصًا لوجہ اللہ قرآن شریف کو پڑھا اور اس کا ثواب پہونچایا پڑھنے والے کے ذہن میں اس کا خیال نہیں تھا کہ یہاں سے کچھ ملے گا نہ پڑھانے والے کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ اس پڑھنے والے کو کچھ دینا ہوگا نہ اس کا رواج ہے کہ پڑھنے والے کو کچھ دیا جاتا ہو بلکہ بعد میں کچھ احسان پڑھنے والے کے ساتھ کر دیا اگر یہ پیسہ نہ دیا جاتا تو پڑھنے والے کو کسی قسم کی کوئی گرانی نہیں ہوتی تو یہ پیسہ لینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔" ص ۱۳۷/ج ۹

اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نے قرآن پڑھنے پر کچھ عوض لیا تو اس عوض کا لینا حرام ہے اور اس کا واپس کرنا ضروری ہے، اسی فتویٰ میں ہے :

پیسہ لینے والے اور دینے والے کو گناہ ہوگا پیسہ کی واپسی ضروری ہے۔

پیسے کے علاوہ کھانا پینا تحفہ تحائف سب کا یہی حکم ہے کہ قرآن پڑھنے کے عوض یہ سب کام حرام ہیں۔

مدارس کے طلبہ کو ان کے والدین مدرسوں کے ذمہ داروں کو اس لئے حوالہ کرتے ہیں

بقیہ صفحہ ۵۰ پر

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

شیخ جمن نے کہا
خدا کی پناہ حدیثِ رسول میں یہ گھپلا اور پھر ہیں اہلحدیث

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی آپ نے شیخ جمن کو امام بخاری کی کوئی کتاب دی تھی ؟

باپ ۔ جی بیٹا، ان کو میں نے امام بخاری کا رسالہ جزء رفع یدین مطالعہ کرایا تھا، کوئی حنفی ان سے بحث کر رہا تھا کہ رفع یدین صرف شروع نماز ہی میں ایک جگہ سنت ہے، شیخ جمن نے مجھ سے اس کا تذکرہ کیا تو میں نے ترجمہ والا امام بخاری کا یہ رسالہ پڑھنے کے لئے ان کو دیا تھا۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ جمن صبح آئے تھے اور اس رسالہ کو واپس کر دیا، بڑے غصہ میں تھے، بیٹھے بھی نہیں چلے گئے ۔

باپ ۔ بیٹا، امام بخاری کا یہ رسالہ پڑھ کر ان کو باغ باغ ہو جانا چاہئے تھا وہ خفا کیوں تھے ؟

بیٹا ۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے علماء امام بخاری کے رسالہ میں بھی گھپلا کرتے ہیں، انھوں نے اس رسالہ کو پڑھا اور پھر اس حنفی سے بحث کرنے گئے تو اس نے کہا کہ اس رسالہ میں بہت گھپلا ہے

حدیث کچھ ہے اور ترجمہ کچھ ہے۔

باپ۔ بیٹا اس رسالہ کا ترجمہ تو ہمارے ایک بڑے جید الاستعداد عالم نے کیا ہے، ان کی عربی زبان میں مہارت مسلّم ہے، اس رسالہ کی احادیث نے اس حنفی کو پریشان کر دیا ہوگا، اس لئے کہ اس میں رفع یدین والی احادیث کو امام بخاری جیسے محدث نے بڑی خوبی سے جمع کر دیا ہے۔

بیٹا۔ اباجی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف احادیث جمع کی ہیں ترجمہ تو ہمارے اس جید الاستعداد عالم نے کیا ہے، مگر گھپلا والا، شیخ جمن فرما رہے تھے کہ حدیث رسول میں خیانت کرنے والے اپنا نام اہلحدیث کس منہ سے رکھتے ہیں، شیخ جمن کئی حدیثوں پر نشان لگا کر کے لائے تھے کہ ان احادیث کے ترجمہ میں گھپلا کیا گیا ہے۔

باپ۔ بیٹا، تم نے کسی حدیث کو نوٹ نہیں کیا؟

بیٹا۔ اباجی ایک حدیث یاد رہ گئی ہے، وہ دیکھئے یہ ہے۔

حدثنا عبداللہ بن صالح ثنا اللیث اخبرنی نافع ان عبداللہ بن عمر کان اذا استقبل الصلوٰۃ رفع یدیہ قال اذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع واذا قام من السجدتین کبر۔

اس کا ترجمہ ہمارے عالم صاحب نے اس رسالہ میں اس طرح کیا ہے۔

نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر جب نماز کی طرف متوجہ ہوتے تو رفع یدین کرتے جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اور جب دو سجدوں سے فارغ ہو کر کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے۔

باپ۔ بیٹا، ترجمہ تو بالکل صحیح ہے، حنفی نے شیخ جمن کو کیوں ورغلایا۔

بیٹا۔ اباجی ترجمہ صحیح کیسے ہے، شیخ جمن کو عربی کی شد بد ہے، حدیث کا آخری کلمہ دیکھئے اس میں تو کبّر ہے یعنی تکبیر کہنے کا ذکر ہے، رفع یدین کا نہیں ہے، یہ حدیث تو حنفیہ کی بڑی پختہ دلیل ہے، پوری حدیث کا صحیح ترجمہ تو یہ ہوگا۔

ابن نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور جب دونوں سجدوں سے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے۔

ابا جی اس میں صرف ایک جگہ یعنی شروع نماز میں رفع یدین کا ذکر ہے، اور بقیہ جگہ صرف تکبیر کہنے کا ذکر ہے، رفع یدین کا نہیں ہے، اور یہی مذہب تو احناف کا ہے بھلا بتلائیے کہ اس حدیث کے ترجمہ میں ہمارے عالم صاحب نے گھپلا کیا ہے کہ نہیں؟ کبر کا ترجمہ رفع یدین کرنا انتہائی بے شرمی کی بات ہے۔

باپ۔ بیٹا میں نے اس رسالہ کو بار بار پڑھا مگر کبھی اس پر نگاہ نہیں گئی تھی، واقعی بہت غلط ترجمہ کیا ہے، صریح گھپلا کیا ہے، شیخ جی کا خفا ہونا بجا ہے، کبر کا ترجمہ رفع یدین کرنا کر دیا، لاحول ولا قوۃ۔

بیٹا۔ اباجی، ہمارے علماء یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہماری جماعت کے علاوہ بھی کچھ پڑھے لکھے لوگ ہیں؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

ص۴۲ کا بقیہ :-

کہ ان کی دینی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ ہو، مدرسوں میں اب یہ تو ہو نہیں رہا ہے البتہ طلبہ میں حرام خوری کی عادت ڈالنے کے ذمہ داران مدارس مجرم بن رہے ہیں، معلوم نہیں روز حشر خدا کے یہاں یہ کیا جواب دیں گے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط نمبر ۲

جنوبی افریقہ کا ایک سفر

آج رات کا کھانا مولانا عبدالرحیم[1] صاحب کے یہاں تھا، جس میں انھوں نے بہت اہتمام کیا تھا، بہت سے لوگ شریک تھے، مولانا ایوب منگرا اور مولانا خالد ابن مولانا

---

(۱) مولانا عبدالرحیم صاحب صوبہ گجرات کے رہنے والے ہیں، جامعہ حسینیہ راندیر کے فارغ ہیں، ان کا سن فراغت ۱۹۷۶ء ہے گجرات میں کچھ دنوں تعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد یہ موریشش چلے گئے، وہاں امامت اور دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیتے رہے ۱۹۹۶ء میں ساؤتھ افریقہ آ گئے اور اسی وقت سے دارالعلوم آزادویل میں تعلیمی خدمات میں لگے ہوئے ہیں، اس وقت متوسطات کتابوں کے مدرس ہیں۔

مولانا عبدالرحیم صاحب مزاجاً بہت سادہ اور طبعاً بہت نیک ہیں، مزاج میں ظرافت ہے، کبھی کبھی طنز و مزاح سے کام لیتے ہیں، اپنے ہم خیالوں میں محبوب و مقبول ہیں۔ میرے ساتھ ان کو غائبانہ ہی بہت موانست ہوگئی تھی، ساؤتھ افریقہ میں یہی واحد آدمی لے جو زمزم کا بہت پابندی سے مطالعہ کرنیوالے تھے۔ زمزم کے بےحد قدرداں ہیں، میری پوری مدتِ قیام افریقہ میں یہ زیادہ میرے ساتھ رہے اور اپنی پُرمزاح گفتگو سے میرے سفر کی تکان کو کم کرتے رہتے تھے، ساؤتھ افریقہ کا جو میرا سفر ہوا اس میں ان کی بھی کرم فرمائی تھی۔ مولانا مفتی سعید کے گھر کے قریب ہی ان کا مکان ہے اس وجہ سے ان کی صحبت و رفاقت سے میں زیادہ مستفید ہوا، اب ساؤتھ افریقہ کے باشندہ ہیں یہیں پر بال بچوں کے ساتھ اپنے گھر میں رہتے ہیں۔

بایزید بھی آگئے تھے۔ کھانے کے بعد دیر تک مجلس جمی رہی، اور ڈابھیل کے زمانہ کی یہ حضرات یاد تازہ کرتے رہے، اس کے بعد اپنی قیامگاہ پر مولانا مفتی سعید صاحب کے گھر آگئے جہاں دارالعلوم کے کچھ طلبہ ملنے آئے اور وہ مجھ سے دیر تک مختلف علمی سوالات کرتے رہے۔

۸ راکتوبر کی صبح دارالعلوم میں مجھے طلبہ کو دو گھنٹہ درس کے انداز پر گفتگو کرنی تھی، مولانا مفتی سعید اور مولانا عبدالرحیم صاحب نے دارالعلوم کے ذمہ داروں سے ملکر یہ طے کیا تھا۔ اسکا اعلان بھی کیا جاچکا تھا اس لئے اس روز دارالعلوم میں مختلف جگہ کے طلبہ جمع تھے۔ چونکہ امتحان کا زمانہ تھا اس وجہ سے نیچے درجہ کے طلبہ کو منع کر دیا گیا تھا کہ وہ اس میں شریک نہ ہوں وہ اپنے امتحان کی تیاری میں لگے رہیں، مگر طلبا انتہائی شوق سے سب جمع ہوگئے اور کشادہ مسجد کا اندرونی حصہ تقریباً بھر گیا، اور غیر مقلدیت پر میرا درس ہوا اور دو گھنٹہ اس طرح گزرا کہ مجھے پتہ بھی نہیں چلا، طلبہ و اساتذہ اور اہل علم نے بڑی دلچسپی سے میری گفتگو سنی، لوگوں کے ہاتھ میں قلم اور کاغذات تھے۔ میری باتوں کو وہ نوٹ کر رہے تھے، چونکہ عام طور پر اہل علم ہی تھے اس وجہ سے ترجمہ کی ضرورت نہیں پڑی اور سب نے میری باتوں کو اچھی طرح سمجھا۔

مولانا بایزید صاحب بھی اس میں شریک تھے وہ میری گفتگو سے بہت متاثر تھے اور بار بار اپنے بلند کلمات سے میری ستائش اور ہمت افزائی کر رہے تھے۔

ظہر کی نماز کے بعد مولانا عبدالحمید صاحب مہتمم دارالعلوم کے یہاں کھانا کھایا گیا اور پھر آرام کے لئے قیام گاہ آگیا۔

عصر بعد تھوڑی بہت تفریح ہوئی آج مغرب بعد رات کا کھانا میرے عزیز شاگرد عزیزم احمد درویش سلمہٗ کے یہاں تھا، کھانے میں بہت سے لوگ شریک تھے۔ ان کو کسی طرح معلوم ہوگیا تھا کہ مجھ کو مچھلی مرغوب ہے تو انھوں نے اپنے دسترخوان پر اس کا خاص اہتمام کیا تھا۔

۹ راکتوبر کی صبح فجر کی نماز کے بعد مولانا احمد درویش اور مولانا عبدالرحیم صاحب کے ہمراہ تفریح کی غرض سے کروگرز ڈارپ جانا ہوا، یہ آزادویل شہر سے باہر ایک خوبصورت

جگہ ہے جہاں لوگ تفریح کے لئے آتے ہیں، پہلے یہ وہ جگہ تھی جہاں گوروں کے علاوہ کسی اور کا گزر نہیں تھا۔ یعنی گوروں کے علاوہ کسی اور کا وہاں جانا جرم تھا جس پر سزا ہوتی تھی اور آج یہ جگہ سب کیلئے عام ہے۔ یہاں جسمانی اکسر سائز کا ایک بڑے شاپ سنٹر میں مرکز ہے، ہم لوگ اس میں گئے تو وہاں اکسر سائز کی مختلف مشینیں نظر آئیں ان مشینوں کو میں نے پہلی دفعہ دیکھا تھا، دوڑنے کی مشین الگ، وزن اٹھانے کی مشین الگ، ہاتھ کی ورزش کی مشین الگ، پاؤں کی الگ، کندھے کی اکسر سائز کی الگ سوکر اور بیٹھ کر اکسر سائز کرنے کی مشین الگ ایک گوری عورت کو دیکھا وہ اپنے کندھوں سے ایک سو ستر کلو کا وزن اٹھا رہی تھی۔ اس اکسر سائز کے سنٹر میں مجھے صرف دو مسلمان نظر آئے، دو تین کالے اور بقیہ سب گورے، یہاں تیرنے کا حوض بھی تھا، ایک گورے نے بتلایا کہ صحت کیلئے سب سے بہتر اکسر سائز تیراکی ہے، اس سنٹر میں مردوں کے علاوہ بڑی تعداد عورتوں کی تھی جس میں ہر عمر کی عورتیں تھیں، ایک عورت نظر آئی جس کی عمر کسی طرح ستر پچہتر سے کم نہیں تھی مگر صحت و تندرستی میں جوانوں کو شرما دینے والی تھی، تقریباً گھنٹہ بھر ہم لوگ بڑی دلچسپی سے یہاں لوگوں کو اکسر سائز کرتے دیکھتے رہے مجھے پیشاب کا تقاضا تھا، اور کوئی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ سنٹر میں اس وقت جس کی ڈیوٹی تھی وہ ایک عورت تھی اس سے معلوم کیا گیا تو اس نے بتلایا کہ اس سنٹر میں باتھ روم ہے جہاں نہانے اور پیشاب پیخانہ کا نظم ہے، مجھے مولوی درویش سلمہ وہاں لے گئے، اندر پہونچے تو دو گوروں کو دیکھا کہ برہنہ بدن نہا رہے ہیں جسم پر ایک کپڑا نہیں ہے غسل خانہ کھلا ہوا ہے۔

---

(۱) عزیزم احمد درویش سلمہ جامعہ ڈابھیل کے فارغ ہیں میرے زمانہ میں یہ ابتدائی درجہ میں تھے، وہاں کچھ کتابیں انھوں نے مجھ سے پڑھی تھیں، مفتی سعید سلمہٗ کے ساتھ ان کی ہمشیرہ منسوب ہیں، بہت نیک اور فرشتہ طبیعت انسان ہیں، میری خدمت میں یہ جی جان سے لگے رہے اور میرے ساتھ بہت وقت گزارا، ان کا گھر بھی مولانا مفتی سعید سلمہٗ کے گھر کے قریب ہے اس وجہ سے ان کا زیادہ وقت میرے ساتھ گزرتا تھا۔ اور بیشتر جگہوں میں

بڑی شرم آئی میں نے جلدی سے بیت الخلاء کا رخ کیا، مولانا درویش سلمہ غالبًا اس طرح کے مناظر کے عادی تھے انھیں کچھ تعجب نہیں تھا بس مسکرائے اور منہ پھیر کر دوسری طرف ہو گئے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ ایک شاپنگ سنٹر بھی تھا۔ اس وقت لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ اور دکانیں کھلنی شروع ہو گئی تھیں، ہم جیسے مولویوں کے لئے سب سے تکلیف دہ اور "شرم" کی جگہ یہاں کے شاپنگ سنٹر تھے، عورتیں کالی ہوں یا گوری انتہائی عریاں بدن اور پورے بدن کی پوری نمائش کے ساتھ گھومتی پھرتی نظر آتی ہیں، گویا وہ تیار ہیں کہ ذرا سا انھیں موقع ملے اور کوئی پیش کش کر دے تو وہ اپنے بدن کا آخری کپڑا بھی اتار دیں گی، یہاں ہمیں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی قدر زیادہ ہوئی، جہاں شرم و حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے ——— آج بھی طلبہ میں رد غیر مقلدیت پر دو گھنٹہ درس ہوا جس کو بڑی دلچسپی سے طلبہ نے سنا، دوران درس ایک طالب علم بھی نہیں اٹھا، میں نے دوران درس مولانا نذیر حسین شیخ الکل فی الکل کا تذکرہ کیا اور عدم تقلید کے موضوع پر ان کی مشہور کتاب

جہاں میرا جانا ہوتا مولانا عبدالرحیم صاحب کے ساتھ یہ بھی میرے رفیق سفر ہوتے، دارالعلوم آزاد ویل میں پڑھانے کے بعد اب انھوں نے جہانسبرگ شہر میں خود ایک مدرسہ قائم کیا ہے جس میں حفظ اور ابتدائی تعلیم کے علاوہ عربی درجات بھی قائم ہیں اور غالبًا متوسطات کی تعلیم ہے۔

اگر میں آزاد ویل میں ہوتا تو یہی اپنی گاڑی سے مجھے نماز پڑھنے کے لئے مسجد لے جاتے یہ ڈیوٹی بڑی پابندی کے ساتھ انھوں نے انجام دی، دور دراز جگہوں پر بھی ان کی گاڑی میں بار بار جانا ہوا، ان کے پاس دو گاڑیاں ہیں، اگر شہر سے باہر جانا ہوتا تو وہ اپنی اس گاڑی کا استعمال کرتے جو ایک سو اسّی کیلو میٹر کی رفتار سے چلنے کے بعد بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دریا میں ناؤ تیر رہی ہے، ڈرائیونگ مولانا احمد درویش سلمہ ہی کرتے اور کبھی ان کے بہنوئی مفتی سعید سلمہ، مفتی سعید بہت تیز گاڑی چلاتے ہیں ایک سو پچاس ان کی عام رفتار ہوتی ہے ورنہ ایک سو ستر اور اسی تک لیجاتے ہیں۔

معیار الحق کا تذکرہ کرنا مقصود تھا، اس کتاب کا تعارف کرانے کے سلسلہ میں میری زبان سے معیار الحق کے بجائے انتصار الحق [1] کا لفظ نکل گیا، جب بعد میں میں نے ٹیپ سے سنا تو اس غلطی کا پتہ چلا، بعد میں لوگوں نے اس درس کی افادیت کا بڑی دلچسپی سے تذکرہ کیا، عجیب بات یہ ہے کہ فتنۂ غیر مقلدیت اور سلفیت سے عوام تو عوام یہاں کے عام طور پر اہل علم بھی واقف نہیں تھے، جب کہ سلفیت نے یہاں بڑی خاموشی کے ساتھ پر پرزہ نکالنا شروع کر دیا ہے اور بہت سے وہ نوجوان جو دین کے علم سے ناواقف ہیں اس فتنہ کا شکار ہو چکے ہیں، خصوصاً نوجوانوں کا وہ طبقہ جو خلیجی ممالک اور سعودیہ میں رہ رہا ہے، وہ وہاں کی مسجدوں میں نماز پڑھتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر پہلے رفع یدین اور آمین بالجہر کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ فقہاء اور ائمہ کے خلاف بدزبانی و زبان درازی کرنے لگتا ہے، آج کل سلفی اور غیر مقلد ہونے کا یہی معیار بن گیا ہے۔

میرے بیانات سے الحمدللہ لوگوں نے اس فتنہ کو جانا اور اہل علم چوکنے ہوئے، دارالعلوم آزادویل میں میرے ان دونوں دنوں کے دو گھنٹوں کے درس کے علاوہ بھی کئی بیان ہوئے جس سے لوگوں کو فائدہ ہوا۔

آج دوپہر کا کھانا دارالعلوم آزادویل کے شیخ الحدیث اور زمانہ ڈابھیل کے ہمارے رفیق تدریس مولانا فضل الرحمٰن صاحب (جن کا تعارف گزر چکا ہے) کے یہاں تھا، مولانا نے دورۂ حدیث کے تمام طلبہ جو اس سال فارغ ہو رہے تھے ان کو بھی مدعو کیا تھا، بہت سے اہل علم اور

---

(۱) انتصار الحق مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کی کتاب معیار الحق کا جواب ہے جس کے مؤلف مولانا محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری فاروقی مجددی ہیں۔ مولانا رامپوری کی وفات ۱۳۱۱ھ کو ہوئی، یہ کتاب پہلے دو مرتبہ شائع ہو چکی تھی اب پاکستان اس کا نیا ایڈیشن مولانا امین صفدر اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے، اور اس کے شروع میں ابتدائیہ مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی مدظلہ کا ہے۔

اساتذہ دارالعلوم بھی شریک طعام تھے لمبی چوڑی دعوت تھی، مولانا نے میری فرمائش پر مشرقی یوپی کے طرز کی دال پکوائی تھی جس کو میں نے بہت شوق سے کھایا۔ لوگوں نے جب مرغ اور بکرے کا گوشت چھوڑ کر میری دال سے دلچسپی دیکھی تو اب دوسروں نے اپنی اپنی دعوتوں میں مچھلی کے ساتھ ساتھ دال کا بھی انتظام شروع کر دیا۔ اور اس دعوت کے بعد ہر دسترخوان پر دال ضروری ہوتی۔ مولانا عبدالرحیم بڑے پر لطف آدمی ہیں انھوں نے کچھ عجیب انداز سے مجھ سے پوچھا کہ اس دال میں کیا خاص بات تھی کہ جو آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ دال ہی پی رہے تھے، اب میں ان کو کیا جواب دیتا کہ (قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری) کھانے سے فارغ ہو کر میں آرام کرنے چلا گیا اور عصر کی نماز کے بعد دارالعلوم کے مہمان خانہ ہی میں طلبہ کے ساتھ سوال وجواب کی مجلس رہی۔ آج رات کا کھانا مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے داماد کے یہاں تھا جس سے عشاء سے قبل ہی فراغت حاصل کر لی گئی تھی، عشاء بعد آج جنوبی افریقہ کے علماء میں خطاب کرنا تھا۔ جن کو پہلے سے دعوت دی گئی تھی اور پروگرام سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ عشاء کی نماز کے لئے جب میں دارالعلوم کے احاطہ کے قریب پہونچا تو گاڑیوں کی بڑی تعداد دیکھ کر اندازہ ہوا کہ کافی تعداد میں لوگ آگئے ہیں، عشاء کی نماز کے بعد اس اجتماع سے میرا سوا گھنٹہ کے قریب خطاب ہوا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ علماء کا یہ گروہ پوری دلچسپی اور شوق وذوق سے میری بات سن رہا تھا۔ اجتماع سے فراغت کے بعد دور دراز سے آنے والے علماء میری قیام گاہ پر جمع ہو گئے اور دینی وعلمی موضوع پر باتیں ہوتی رہیں بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے یہاں کے لئے دعوت بھی دی۔ جنوبی افریقہ میں میرے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس کے یہاں بھی میری حاضری ہو، اور وقت کی قلت کے باعث ان کی خواہش کا پورا کرنا دشوار ہو رہا تھا اس وجہ سے ان مخلصین میں سے سب کی دعوت کو قبول کرنا ممکن نہیں تھا۔ میرا سارا پروگرام مولانا مفتی سعید سلمہٗ اور مولانا عبدالرحیم اور مولانا احمد درویش کے ہاتھ میں تھا، یہی حضرات میرے پروگراموں کے ذمہ دار تھے اس وجہ سے میں نے انھیں حضرات کے حوالہ ان دعوت دینے والوں کو کر دیا تھا۔ یہ علماء کرام جب ہم سے رخصت ہو گئے تو

پھر دارالعلوم آزادویل کے طلبہ آگئے اور انھوں نے بتلایا کہ لوگوں نے آپ کی تقریر کو بہت دلچسپی سے سنا اور بہت اچھا تاثر لے کر گئے ہیں، طلبہ نے بتلایا کہ آپ کے سارے پروگرام ٹیپ کئے گئے ہیں دارالعلوم آزادویل میں جو بیانات ہوئے وہ پانچ چھ کیسٹوں میں ٹیپ ہیں، مسجد میں لوگوں کی خواہش پر دوسروں کو بھی ان کیسٹوں کی نقل دی گئی، اس ٹیپ کا ایک نسخہ ٹیپ کرنے والوں کی طرف سے اور ایک نسخہ دارالعلوم کی طرف سے مجھے بھی دیا گیا۔

۱۰/ اکتوبر کی صبح بعد فجر مولانا عبدالرحیم صاحب اور مولوی احمد درویش سلمہٗ کی معیت میں ایک پارک میں تفریح کیلئے جانا ہوا، صبح کا سہانا وقت تھا بڑا اچھا معلوم ہو رہا تھا ہری ہری گھاس پر میں دیر تک کھلے پاؤں ٹہلتا رہا، پاؤں کے تالو کی ٹھنڈک کا اثر سر اور آنکھ تک پہنچا، شام ہوتے میری آنکھ سرخ ہو گئی، مولانا عبدالرحیم، مولوی احمد درویش اور عزیزم مفتی سعید سلمہٗ کو اس سے تشویش ہوئی انھوں نے اصرار کیا کہ ڈاکٹر کے پاس چلئے وہاں سے دکھلا کر دوالیں گے میں انگریزی علاج سے بہت گھبراتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا اس کا علاج میں خود کرلوں گا، اگر صبح تک فائدہ نہیں ہوا تو ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے گا، میں نے گرم پانی سے دیر تک آنکھ اور سر کو دھلا پھر کپڑا گرم کرکے آنکھ کو سینکا یہ عمل دیر تک کرتا رہا۔ الحمدللہ صبح تک بہت فائدہ ہو گیا اور دوسرے روز اس عمل کو کئی دفعہ کرنے کی وجہ سے آنکھ کی سرخی بالکل ختم ہو گئی، بلا پیسہ کا علاج ہو گیا، ڈاکٹر کے پاس تو معلوم نہیں کتنا پیسہ خرچ ہوتا اور فائدہ بھی ہوتا یا نہیں انگریزی ڈاکٹروں سے مجھے بہت بدگمانی ہے، دعوتوں میں عام طور پر بد پرہیزی ہو جاتی ہے، کبھی پیٹ کا نظام خراب ہوا تو میں اگلے وقت کی غذا کم کر دیتا تھا اور رات کو سوتے وقت ایک دو چمچہ سرکہ پیتا تھا اصلاح معدہ کا میرے نزدیک یہ بہترین علاج ہے، الحمدللہ مجھے ایک روز بھی کسی ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جانا نہیں ہوا۔

تفریح سے لوٹ کر ہم نے آج ناشتہ عزیزم عبداللہ ڈابھیلا کے یہاں کیا، مولوی عبداللہ دارالعلوم آزادویل میں مدرس ہیں اور میرے شاگرد ہیں، آزادویل شہر سے پچاس پچپن کیلو کے فاصلہ پر ایک شہر اسپرنگ نام کا ہے، یہاں حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے خلیفہ و مرید مولانا اسماعیل نے ایک مدرسہ محمودیہ کے نام سے قائم کیا ہے، مولانا اسماعیل صاحب کی دعوت پر آج اس جامعہ کو دیکھنا تھا اور طلبہ سے خطاب کرنا تھا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب مفتی سید سلمہ اور مولوی احمد درویش سلمہٗ کے ساتھ یہاں حاضری ہوئی، ہلکے پھلکے ناشتہ کے بعد طلبہ سے پندرہ بیس منٹ گفتگو کی گئی، جامعہ محمودیہ کی تعمیرات ابھی نامکمل ہیں تیزی سے تعمیرات کا کام مکمل ہو رہا ہے، مولانا اسماعیل صاحب جو اس مدرسہ کے بانی اور مہتمم ہیں بہت سیدھے اور نیک آدمی ہیں۔

یہاں سے واپسی پر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی مزار پر حاضری دینی تھی اور پھر اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کے خلیفہ اور خادم خاص مولانا محمد ابراہیم پانڈور کے یہاں دوپہر کا کھانا تھا، اس لئے جامعہ محمودیہ سے ہم لوگ جلد ہی رخصت ہو گئے۔

ایک صاحب جن کا نام محمد بھائی تھا اور وہ ہم لوگوں کے بارے میں یہ معلوم کر کے ہم جامعہ محمودیہ آرہے ہیں، جامعہ محمودیہ پہونچ گئے تھے اور انھوں نے بہت اصرار سے واپسی میں اپنے گھر جانے کیلئے ہمارے میزبانوں کو راضی کر لیا، چنانچہ تھوڑی دیر کیلئے ہم ان کے یہاں بھی ٹھہرے انھوں نے چائے کے نام پر اچھی خاصی دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا، جہاں محمد بھائی کا گھر تھا اس جگہ میں صرف گورے رہتے ہیں بہت صاف ستھرا علاقہ ہے صرف انہی محمد بھائی کا ایک گھر ہے جو کسی غیر انگریز اور غیر گورے کا ہے، محمد بھائی نے بھی یہ مکان ایک گورے سے تین لاکھ میں خریدا ہے، بہت کشادہ اور خوبصورت مکان ہے چاروں طرف گھرا ہوا وسیع کشادہ لان ہے تین لاکھ رین میں یہ مکان مجھے تو مفت کا نظر آیا، اگر یہ مکان دہلی اور بمبئی نہیں بنارس اور مئو میں ہوتا تو بھی اس کی قیمت ہندوستانی سکہ میں کڑوروں روپیہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے، افریقہ میں زمین ہندوستان کے مقابلہ میں بہت سستی ہے مکانات بھی بہت سستی قیمت میں مل جاتے ہیں۔

محمد بھائی کے یہاں سے ہم لوگ فارغ ہوئے تو جانسبرگ شہر کے مضافاتی علاقہ رس برگ پہونچے جہاں مولانا ابراہیم کے خاندان کا قبرستان ہے، اسی قبرستان میں حضرت مفتی

محمود صاحب بھی مدفون ہیں، ہم نے ان کی مزار پر حاضری دی اور ان کیلئے دعائے مغفرت کی پھر یہاں سے ہم لوگ جہانسبرگ شہر مولانا ابراہیم صاحب کے گھر کے لئے چلے، ابھی راستہ ہی میں تھے کہ مولانا ابراہیم صاحب اپنے کچھ مہمانوں کے ساتھ مزار محمود پر فاتحہ پڑھنے جارہے تھے، انھوں نے گاڑی ہی میں سے اشارہ کیا کہ آپ لوگ گھر چلیں ہم ابھی واپس لوٹتے ہیں۔ بعد میں ان کے گھر پر جب ان کے مہمانوں سے ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ مولانا سلیمان صاحب مظاہری اور ان کے دونوں صاحبزادے مولانا سلیمان حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نواسہ ہیں اور مدرسہ مظاہر العلوم کے مہتمم ہیں۔ یہ حضرات مجھ سے پہلے جنوبی افریقہ پہنچے تھے۔ مولانا سلیمان صاحب سے مل کر بہت خوشی ہوئی، اچانک ملاقات سے یہ خوشی دوبالا ہوئی، انھوں نے شکایت کی کہ آپ مظاہر العلوم نہیں آتے جبکہ دیوبند آپ کا بار بار آنا ہوتا ہے۔

شام کی چائے مولانا ابراہیم صاحب کے بڑے بھائی مولانا یوسف صاحب کے یہاں پی گئی مولانا محمد یوسف صاحب مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں، یہ مجھ سے بہت تپاک سے ملے اور کہا کہ مجھ کو تم سے بہت مناسبت ہے، معلوم ہوا کہ ساؤتھ افریقہ میں مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم کے جو میزبان ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہیں، میری آمد کی خبر پاکر انھوں نے مجھ سے فون ہی پر رابطہ قائم کیا تھا، ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ چائے پیتے پلاتے مغرب کا وقت ہونے لگا تھا اسلئے ہم لوگ جلدی کرتے ہوئے جہانسبرگ شہر کے اس علاقہ میں آگئے جہاں مولوی احمد درویش سلمہٗ کے والد رہتے ہیں یہیں پر مولانا احمد سلمہٗ کا وہ مدرسہ بھی ہے جس کے یہی کرتا دھرتا اور ناظم ہیں۔ مدرسہ کا نام خیر المدارس ہے یہیں پر ایک مسجد بھی ہے جو بڑی عالی شان ہے۔ اس کا نام مسجد خیر ہے، لوگوں نے بتلایا کہ یہ مسجد ایک چرچ کی جگہ ہے ایک صاحب خیر نے اپنے ذاتی پیسے سے پورا چرچ اور اس کا ملحقہ علاقہ خرید لیا اور اس کو مسجد کی شکل میں تبدیل کر دیا، یہ اللہ والے اور دینی جذبہ سے سرشار صاحب خیر جناب حاجی موسیٰ صاحب ہیں۔ الحمدللہ ساؤتھ افریقہ میں ایسے

اصحاب کی کمی نہیں ہے اسی وجہ سے ساؤتھ افریقہ میں دین کا کام پوری آب و تاب سے جاری ہے اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ دین سے لگا ہوا ہے۔

رات کا کھانا صوفی عبد اللہ سلّمہ کے یہاں ہوا، صوفی عبد اللہ سلمہ میرے شاگرد ہیں، ڈابھیل میں بھی یہ تھے تو صوفی تھے اور یہاں بھی ہیں تو صوفی ہیں، دنیا سے بے نیاز اور شادی بیاہ سے بے پرواہ ان کے والد باحیات ہیں اور عمر رسیدہ ہیں والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، ان کے والد کی شدید خواہش ہے کہ یہ شادی کر لیں مگر معلوم نہیں کیوں یہ شادی پر راضی نہیں ہوتے، مولوی مفتی سعید سلّمہ سے شادی کے موضوع پر ان کی بڑی چھیڑ چھاڑ رہی ہے، مفتی سعید سلمہ کا اصرار رہا ہے کہ وہ شادی کر لیں اور اپنے والد کو بڑھاپے میں آرام پہونچائیں، ان کے ایک بڑے بھائی نے بھی شادی نہیں کی ہے۔

جوہانسبرگ شہر سے ہمارا بار بار گزرنا ہوا تھا مگر ابھی تک اس شہر کو ہم نے گھوم پھر کر دیکھا نہیں تھا۔ آج ساتھیوں نے پروگرام بنایا تھا کہ کھانے سے فارغ ہو کر عشاء سے پہلے ہم شہر کو بھی دیکھ لیں۔ چنانچہ ہم کھانے سے فارغ ہو کر اسی ارادہ سے نکلے، مگر مجھے دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ ابھی آٹھ بھی نہیں بجا تھا اور ساری دکانیں بند تھیں بازار میں آدمی برائے نام نظر آرہے تھے۔ ساتھیوں نے بتلایا کہ جنوبی افریقہ میں پانچ بجے شام کو دکانیں بند ہو جاتی ہیں کچھ خاص مارکیٹیں ہیں جہاں دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ جہانسبرگ بہت صاف ستھرا شہر ہے، عمارتیں بھی بلند و بالا ہیں مگر ہمارے دہلی اور بمبئی کے مقابلہ میں یہ شہر کچھ نہیں ہے، یہاں ایک پچاس منزلہ عمارت ہے جس کی بلندی سے پورا شہر نظر آتا ہے لوگ اس کی آخری منزل پر چڑھ کر پورے شہر بلکہ دور دراز تک کی جگہوں کا نظارہ کرتے ہیں، چونکہ بازار بند ہو چکا تھا اس وجہ سے اس عمارت کا یہ سسٹم بھی معطل تھا۔ عزیزم مولوی احمد درویش نے بہت کوشش کی کسی طرح ذمہ داروں سے مل کر اوپر چڑھنے کا موقع حاصل کر لیا جائے مگر جو اس کا اصل ذمہ دار تھا اس سے ملاقات نہ ہو سکی اس وجہ سے یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

ہم پورے دن کی مصروفیت سے بہت تھک چکے تھے اس لئے طبیعت کا تقاضا تھا کہ

اب فوراً واپس اپنی قیام گاہ پر واپس ہوجائے، چنانچہ ہم کہیں اور گھومنے پھرنے کے بجائے آزادویل مولوی مفتی سعید کے گھر واپس آگئے، تھکے ہارے تھے جلدی سو گئے۔

۱۱ر اکتوبر۔ آج صبح کا ناشتہ میرے شاگرد عزیزم یعقوب مفتی کے بھائی کے یہاں تھا اس سے فارغ ہوکر میں مولانا عبدالرحیم صاحب اور عزیزم مولوی احمد درویش سلمہٗ لینیشیا شہر گئے جہاں میرے بہت ہی عزیز شاگرد مولوی خالد سلمہٗ رہتے ہیں(۱)۔ اس شہر میں میرے کئی اور بھی شاگرد ہیں ان میں سے کچھ سے ملاقات ہو چکی تھی کچھ سے باقی تھی آج مولوی خالد کے گھر یہ سب جمع ہونے والے تھے۔

آزادویل سے لینیشیا شہر تقریباً ۲۵ / ۳۰ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، راستہ میں کالوں کی ایک بہت بڑی اور بہت مشہور بستی سوئیٹو کا کی ہے، جب نئی حکومت آئی

---

(۱) عزیزم مولوی خالد سلمہٗ مولانا بایزید دامت برکاتہم کے بڑے صاحبزادے ہیں ڈابھیل میں پڑھنے کے بعد دیوبند چلے گئے اور وہیں سے فارغ ہوئے، شروع ہی سے بڑے تیز تھے، میرے ساتھ ان کا خاص تعلق تھا جو کتابیں دوسرے اساتذہ کے یہاں ہوتی تھیں اور ان کے بعض مواقع ان کی سمجھ میں درس کے دوران نہ آتے تو بہت پابندی سے مجھ سے رات میں آکر سمجھ لیا کرتے تھے، مجھ سے عربی ادب بطور خاص حاصل کیا اور آج ماشاء اللہ اس کی برکت سے ان کا اپنے شہر میں ایسے لوگوں میں سے شمار ہے جو بلا تکلف عربی بولتے ہیں وہاں عربوں سے بھی اسی زبان کی برکت سے خاصا تعلق ہے، ڈابھیل کے زمانہ کے بعد اب پہلی مرتبہ ان سے جنوبی افریقہ میں ملاقات ہوئی، ڈاڑھی کے آدھے بال ان کے بھی سفید ہوگئے ہیں، ان کے گھر میرا کئی دفعہ جانا ہوا اور بالکل اپنا گھر معلوم ہوا، اس وقت ماشاء اللہ جنوبی افریقہ میں جو دینی کام ہو رہا ہے اس میں مولوی خالد سلمہٗ کا بھی بڑا حصہ ہے۔ زمانہ طالب علمی میں میں نے ان کی کسی ادا سے خوش ہوکر ان کے بارے میں ایک نظم کہی تھی میرے حافظہ میں اس کا اب تصور بھی نہیں تھا مگر مولوی خالد سلمہٗ نے اس کو میری تحریر میں محفوظ رکھا ہے مجھے دکھلایا تو مجھے بھی اسے دیکھ کر اور پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور جب ان کے والد نے اس کو دیکھا تو ان کی خوشی ہم سب سے دوگنی تھی۔

تو انھوں نے ان کو یہاں آباد کیا ہے۔ اس بستی میں جیسا کہ مجھے بتلایا گیا کئی لاکھ کالے ایک ساتھ رہتے ہیں۔

جب ہم مولانا خالد کے گھر پہونچے تو وہاں میرے بہت ہی کرم فرما مولانا اسماعیل بدات صاحب سے ملاقات ہو گئی یہ معلوم تھا کہ وہ آئے ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ آج کے روز مولانا بایزید کے مہمان ہوں گے اور ان سے یہیں ملاقات ہوگی، انھیں دیکھ کر اور ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ مدینہ منورہ میں ان سے ملاقات نہ ہو سکی تھی وہیں معلوم ہوا تھا کہ یہ جنوبی افریقہ کے سفر پر ہیں۔

آج کا دن جمعہ کا تھا ہم جمعہ سے پہلے یہاں آگئے تھے اور جس مسجد میں مولوی خالد سلمہٗ کو نماز پڑھانی تھی اس میں مجھے جمعہ سے قبل تھوڑی دیر تقریر کرنی تھی۔ ہم جمعہ کے لئے تیار ہوئے اور مسجد گئے

---

(۱) مولانا اسماعیل بدرت صاحب گجرات کے رہنے والے ہیں اور بیسوں سال سے مدینہ منورہ رہتے ہیں، غالباً ہجرت ، ان کے بچے بھی یہیں رہتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے بہت مخصوص لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مفتی عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر انھوں نے حضرت شیخ کی سوانح ترتیب دی ہے جو بہت ضخیم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس سوانح کی تکمیل میں مولانا اسمٰعیل بدرت کا بہت حصہ ہے اور ان کی بہت بڑی محنت ہے، اس سوانح پر بحیثیت مؤلف ان کا بھی نام ہونا چاہئے تھا۔ میری عربی کتاب وقفة مع اللامذهبية انھیں کی کرم فرمائی سے پاکستان سے بہت اچھے کاغذ اور کتابت کے ساتھ شائع ہوئی ہے، زمزم پرچہ اور میری کتابوں کے مدینہ منورہ میں یہ بہت بڑے قدرداں ہیں۔ میں مدینہ منورہ میں ہوتا ہوں تو تراویح کے بعد ان سے حرم شریف میں روزانہ ملاقات ہوتی ہے اور میرے لئے پان بطور خاص یہ بنا کر لاتے ہیں، بہت مخلص اور کرم فرما بزرگ ہیں، نہایت سادہ اور بے تکلف صاف گو اپنے مسلک و مشرب میں بہت پختہ اور اکابر کے بہت زیادہ گرویدہ، چلنے پھرنے میں بہت تیز تکلف، تصنع سے پاک صاف مولانا اسمٰعیل بدرت کی شخصیت ہے۔ حفظہ اللہ راسہ۔

یہاں میری پندرہ منٹ کی تقریر ہوئی، میری پندرہ منٹ کی تقریر کو پندرہ ہی منٹ میں خالد سلمہ، نے انگریزی ترجمہ میں منتقل کردیا۔ جمعہ کی نماز مولوی خالد سلمہ، نے پڑھائی۔

جس مسجد میں ہم لوگوں نے جمعہ پڑھا بہت شاندار مسجد ہے، اگر اس کی دیکھ بھال اس شہر کے لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی تو اس کی شانداری کو چار چاند لگ جاتا۔ مگر معلوم ہوا کہ اس مسجد کو جوہانسبرگ کے مشہور خاندان میاں فیمل نے بنوایا ہے، اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں، مسجد کا سارا نظام انہیں کے ہاتھ میں ہے، اس خاندان کی تجارتی وعلمی ودینی اتنی معروفیات ہیں کہ جزئی کاموں پر ان کو بھرپور توجہ کرنے کا موقع نہیں مل پاتا، مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب اس شہر کے لوگ خواہش رکھتے ہیں کہ اس مسجد کے حسن وجمال کے اضافہ میں ان کا بھی حصہ ہو تو میاں خاندان کے افراد اس پر راضی کیوں نہیں ہوتے۔

جمعہ بعد ہم کھانے کیلئے بیٹھے جس میں مولانا عبدالرحیم مولوی احمد درویش کے علاوہ مولانا اسماعیل بدات بھی تھے، اور مولانا بایزید دامت برکاتہم کا تو یہ گھر ہی تھا، دسترخوان پر ان کی موجودگی سے دسترخوان کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے، خود وہ میٹھا بہت شوق سے کھاتے ہیں، دوسروں کو نمکین بہت اصرار سے کھلاتے ہیں۔ جو میٹھا نہ کھائے اس کو بدذوق شمار کرتے ہیں، چائے میں شکر اتنی ڈالتے ہیں کہ دیکھ کر سر میں درد ہونے لگتا ہے ان کی حلوہ خوری پر بڑے لطیفے ہوتے ہیں۔

کھانے سے فارغ ہوکر ہم لوگ قیلولہ کیلئے اپنی اپنی آرام گاہ چلے گئے جب سو کر اٹھے تو چائے کی شدید خواہش تھی مولانا اسماعیل بدات بھی چائے کے خواہشمند تھے اور اہل خانہ سب سو رہے تھے، گھر میں کام کرنے والی کالی خادمہ تھی اس کو میں نے بڑی مشکلوں سے سمجھایا کہ ہمیں چائے چاہیئے اس نے کچھ سمجھا کچھ نہیں سمجھا مگر اس سے گفتگو کا یہ فائدہ ہوا کہ مولوی خالد سلمہ کے گھر میں بیدار ہوگئیں اور انھوں نے چائے بناکر ہمیں دیا۔

عصر کی نماز سے ہم فارغ ہوکر بیٹھے تھے کہ مولانا سلمان اپنے صاحبزادوں کے ساتھ آگئے ان کو اور مولانا اسماعیل بدات کو آئندہ والے دن مدینہ منورہ کا سفر کرنا تھا۔

مولانا سلمان کا قیام دارالعلوم زکریا میں تھا جو لینیشیا شہر سے دس پندرہ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، یہ تھوڑی دیر بیٹھ کر اور چائے پی کر وہیں چلے گئے۔ رات میں مولانا اسماعیل بدات بھی دارالعلوم زکریا چلے گئے۔

آج عشاء بعد کھانا مولوی ایوب ہنگیرا کے یہاں تھا، یہ بھی میرے شاگرد ہیں، اور عزیزم مولوی خالد سلمہ کے ساتھ انھیں کے ادارہ میں کام کرتے ہیں، یہ اور ان کی بیوی کمپوٹر کی بہت اچھی مشق رکھتے ہیں اور اس سے ان کو کافی آمدنی ہو جاتی ہے، مولوی ایوب ہنگیرا بڑے نیک اور صالح نوجوان ہیں ہاتھ میں ہر وقت تسبیح رہتی ہے، اور زبان ذکر اللہ سے تر و تازہ گفتگو بڑی نرم اور دھیمی کرتے ہیں، ان کے یہاں جب ہم پہونچے تو دسترخوان پر میرے متعدد شاگرد پہلے سے موجود میرا انتظار کر رہے تھے ان سب سے مل کر بہت خوشی اور مسرت ہوئی۔

لینیشیا جہاں مولوی خالد اور مولوی ایوب ہنگیرا عبداللہ نانا وغیرہ رہتے ہیں اس شہر میں زیادہ تر مسلمانوں کی بستی ہے، کچھ ہندوستانی غیر مسلم ہیں، اس بستی کو گوروں نے انڈین کیلئے بنایا تھا۔ اس لئے زیادہ تر یہی انڈین جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے یہاں رہتے ہیں اور اپنی اسلامی اور ہندوستانی ثقافت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

ہندوؤں کے یہاں بعض شاندار مندریں بھی ہیں۔ ہندو عورتیں ساڑی میں ہی نظر آئیں یہاں ایک گاندھی ہال بھی ہے جس میں ہندوؤں کی شادی بیاہ کی تقریبات انجام پاتی ہیں، ہم جس زمانہ میں جنوبی افریقہ میں تھے تو دیوالی کا دن آگیا۔ اتفاق سے دیوالی کے دن ہی ہم مولوی خالد کے مہمان تھے۔ مولوی ایوب ہنگیرا کے یہاں کھانا کھا کر ہم گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک بڑے میدان میں سیکڑوں لوگوں کا مجمع ہے جو حلقہ بنائے کھڑے تھے اس کے بعد پٹاخے چھوٹنے کی آواز آنی شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ہندو برادران دیوالی منا رہے ہیں، اسی طرح اگر ہندوستان میں بھی ہو تو جو دیوالی یا شب برات کے موقع پر جگہ جگہ آتش بازی کی وجہ سے آگ لگنے کے حادثات پیش آتے ہیں ان سے بچا جا سکتا ہے بس شعور اور احساس ذمہ داری کی بات ہے۔

بقیہ ص ۲۰۹ پر

جلد ۱

شمارہ ۳

جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ

مُدیرِ مسئول و مُدیرِ التحریر

مُحمّد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ۔۔۔ ۷۰ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستان ۱۲۰ روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ

غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ

قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور ۔ یوپی

پن کوڈ: ۲۳۳۰۰۱ - فون نمبر ۲۲۲۵۳۳، ۲۲۱۷۵۷ ۰۵۴۸

فہرستِ مضامین

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عراق پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے قبضہ کے بعد عراق کی موجودہ شکل بالکل غیر یقینی ہو گئی ہے، امریکہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا ارادہ کیا ہے وہ جو کچھ کہتا ہے اس میں کتنی سچائی ہے، امریکہ بار بار یہ کہہ چکا ہے کہ عراق پر مستقل قبضہ برقرار رکھنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں ہے، مگر اب جو اس کے بیانات آرہے ہیں وہ اس بات کے غماز ہیں کہ امریکہ بہت دنوں تک عراق میں اپنا ڈیرہ ڈالے رکھنے کی بات سوچ رہا ہے، بلکہ یہ اس کی اسکیم میں داخل ہے، عراق کے تیل سے وہ اپنے سارے جنگی اخراجات حاصل کرے گا اور اس کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چرا کر اپنے یہاں لے جائے گا، دنیا دیکھتی رہے گی مگر امریکہ کسی کی پرواہ کئے بغیر اپنی یہ کاروائی مکمل کرے گا۔ عراق میں عراقیوں کی مستقل حکومت بننے کا افق قریب میں کوئی تصور نہیں ہے، امریکہ کی ان جارحانہ کاروائیوں کے نتیجہ میں مسلم ممالک کے نوجوانوں میں انتہا پسندی کا جذبہ پیدا ہوگا، اور وہ مارو اور مرو کی کاروائی پر تُل جائیں گے۔ امریکہ جس کاروائی کا نام دہشت پسندی رکھتا ہے، اس میں ہر روز اضافہ ہوگا، مراکش اور ریاض میں جو فدائیانہ حملے ہوئے ہیں وہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لئے ایک طرح کی وارننگ ہے کہ اب مسلمان نوجوانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے، اور امریکہ کو چین کی نیند سونے نہیں دیں گے۔ اور جب بھی جہاں بھی ان کو موقع ملے گا وہ اس طرح کی کاروائی کریں گے۔

ان کاروائیوں کو امریکہ چاہے دہشت پسندی کا نام دے، مگر جو انسان انصاف

پسند ہے وہ ان کارروائیوں کو امریکہ کی مسلم ممالک اور مسلمانوں کے خلاف جارحانہ وظالمانہ کارروائیوں کا ردعمل قرار دیتے ہوئے اس کو جائز ٹھہرائے گا۔ اگر ان نوجوانوں کے پاس امریکہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اس جیسی طاقت اور تباہ کن ہتھیار نہیں ہیں تو وہ اپنے دشمن کو نقصان پہونچانے کے لئے ہر وہ طریقہ اختیار کرنے میں حق بجانب ہیں جو ان کے اختیار میں ہے۔ اگر امریکہ کو مسلمان نوجوانوں کی یہ فدائیانہ کارروائی دہشت پسندی نظر آتی ہے تو اسے نظر آیا کرے ہمیں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو نقصان پہونچانے کا پورا پورا حق ہے۔ اور اس کے لئے ہمارے بس میں جو راستہ ہوگا ہم وہ اختیار کریں گے۔

مسلمان ممالک کے حکمراں تو امریکہ کی گود میں ہیں، مگر وہاں کی عوام اگر چاہے تو امریکہ کو زبردست سبق سکھا سکتی ہے، اور اس کے لئے ایک دوسرا طریقہ بھی ہے وہ یہ کہ اسلامی ممالک کے عوام یہ طے کرلیں کہ امریکہ و برطانیہ کے سامانوں کا وہ استعمال نہیں کریں گے، امریکن سامانوں کا بالکلیہ بائیکاٹ ہو، غیر امریکی وغیر برطانوی چیزوں کے استعمال کرنے کا وہ عہد کریں۔ اگر مسلمان صرف اتنا کرلیں تو امریکہ اور برطانیہ کی کمر ٹوٹ جائے گی، اور سال دو سال کے اندر ان کا کس بل نکل جائے گا۔

اس وقت ہماری غیرت کا تقاضا ہے کہ ہم اس پروگرام پر عمل کریں، اور اپنے دشمن کو اس راستہ سے جتنا نقصان پہونچا سکیں پہونچائیں، اگر دینی وملی جذبہ سے ہم نے اس کام کو کیا تو انشاء اللہ اس کا ہمیں عنداللہ ثواب بھی ملے گا۔

الحمد للہ زمزم نے پابندی سے پانچ سال پورے کرلئے اور اب وہ چھٹے سال میں داخل ہے، زمزم نے اپنے مقصد میں کتنی کامیابی حاصل کی ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، زمزم کے قارئین اس کا خود اندازہ کرسکتے ہیں۔

کچھ دنوں پہلے سلفیت اور غیر مقلدیت کی جو چیل پھنک تھی اس نے دم توڑ دیا ہے اور دیوبندیت وحنفیت کے خلاف جو ایک ہنگامہ تھا وہ سرد ہوچکا ہے، فضا میں خاموشی

طاری ہوچکی ہے ۔ یہ کارنامہ تنہا زمزم اور مکتبہ اثریہ سے شائع ہونے والی کتابوں کا ہے ہندوستان میں دیوبندیت وحنفیت کے خلاف کسی کو دلائل کے ساتھ گفتگو کرنے کی اب ہمت نہیں ہے، ہم اس کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ہمیں توقع تھی کہ زمزم کے قارئین جس طرح زبانی ہماری ہمت افزائی کرتے ہیں وہ زمزم کے حلقہ کو وسیع کرنے کا بھی کام انجام دیں گے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا، بہت کم لوگوں نے زمزم کا حلقہ وسیع کرنے کی طرف توجہ دی، میں اپنی مصروفیت اور افتادِ طبع کی وجہ سے اس کام کے لئے خود سفر نہیں کرسکتا، یہ کام زمزم کے مخلصین قارئین کا تھا، اور اس سے زیادہ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے لوگوں کا دو دو تین تین سال کا چندہ باقی ہے ۔ ان کے نام پرچہ جاری ہے، یاد دہانی بھی کرائی جاتی ہے مگر ان کی رقم نہیں آرہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت زمزم کو تقریباً چالیس ہزار کا خسارہ ہے ۔ اگر یہ خسارہ پورا نہ ہوا تو پھر ہمیں زمزم کے بارے میں دوسرا فیصلہ کرنا ہوگا، چونکہ زمزم کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوچکا ہے اور زمزم نے دیوبندیت وحنفیت کے سلسلہ میں اتنے مواد مہیا کردیئے ہیں کہ اب زمزم کا باقی رہنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اسلئے اگر قارئین زمزم نے توجہ نہ فرمائی اور اپنا بقایا ارسال نہ کیا تو ہمیں مجبوراً زمزم کو بند کردینے کا فیصلہ کرنا ہوگا، اور اس پر ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ زمزم نے اپنا کام پورا کرلیا ہے، محض ایک پرچہ کی حیثیت سے یہ باقی رہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔

الحمد للہ ہندوستان میں بہت سے دینی پرچے ہیں جو دین ودعوت کا کام انجام دے رہے ہیں ۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان جو چیز ہے اس کا اور اس کی دونوں رانوں کے درمیان جو چیز ہے اس کا میرے لئے ضامن ہو جائے تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ (بخاری)

دونوں جبڑوں کے درمیان جو چیز ہے وہ زبان ہے اور دونوں رانوں کے درمیان جو چیز ہے وہ شرمگاہ ہے۔ پس حدیث شریف کا حاصل یہ ہوا کہ اگر آدمی اپنی زبان کی اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے کہ ان کو ناجائز اور حرام جگہوں میں استعمال سے بچائے تو اس کے لئے جنت کی ضمانت ہے اور یہ ضمانت لینے والے خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں، زبان سے وہی بات نکلے جو حق اور سچ ہو اگر انسان اس کا پابند ہو جائے تو اس کی پوری زندگی میں اس کا اثر ہوگا اور وہ بہت سی گناہوں سے محفوظ رہے گا، زبان کی حفاظت کے سلسلہ میں آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت سی تاکیدات مروی ہیں، ایک صحابی نے آنحضور سے پوچھا کہ میرے بارے میں سب سے زیادہ خوف آپ کو کس چیز کا ہے تو آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کہ اس سے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کو خیر کی بات کے علاوہ سے اپنی زبان بند رکھنا چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب

آدمی خاموش رہتا ہے تو وہ سالم رہتا ہے اور جب منہ سے بات نکالتا ہے تو یا اس کے لئے اچھائی لکھی جاتی ہے یا برائی، ایک حدیث پاک میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو خاموش رہا اس نے نجات پائی، متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی زبان سے یا تو خیر کا کلمہ نکالے ورنہ خاموش رہے۔

حدیث پاک سے صاف واضح ہے کہ زبان اور شرم گاہ یہ دو چیزیں وہ ہیں جن سے انسان بڑی مصیبت اور آزمائش میں پڑتا ہے، اس لئے اس کی حفاظت کا اتنا ہی اہتمام کرنا چاہئے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ جس کو اللہ نے زبان اور شرم گاہ کے شر سے مامون ومحفوظ کردیا وہ جنت میں جائے گا۔

حدیث پاک جو اوپر ذکر کی گئی ہے اس میں ہے کہ جو آدمی اپنی زبان اور شرم گاہ کا میرے لئے ضامن بن جائے تو اس کا مطلب علماء نے یہ لکھا ہے کہ ان کا حق ادا کیا جائے حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ان کا استعمال ہونا چاہئے وہاں ان کا استعمال ہو اور ناجائز جگہوں سے بچایا جائے، زبان کا استعمال بھلائی کے لئے ہو اور شرم گاہ کا استعمال جائز جگہ پر ہو، مطلب یہ ہے کہ حق اور سچ بات کہنے سے آدمی کو باز نہیں رہنا چاہئے، اسی طرح اپنی شرم گاہ کا استعمال حلال جگہوں پر بھی ہونا ضروری ہے مثلاً آدمی اپنی بیوی کا حق ادا کرے، زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز اور حلال جگہوں پر اور حق کے لئے بھی اس کا استعمال نہ ہو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ بلا حساب وکتاب جنت میں جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے ہیں، نہ بدفالی لیتے ہیں، وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔
(بخاری)

اس حدیث پاک کے اخیر حصہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جھاڑ پھونک کرانا اور بدفالی لینا توکل علے اللہ کے خلاف بات ہے، اور اسی وجہ سے ان دونوں چیزوں کی مذمت ہے۔ عموماً

جھاڑ پھونک کرانے والوں کا اعتماد دعا تعویذ کرنے والے پر اور جھاڑ پھونک پر ہو جاتا ہے۔
اور انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ تعویذ اور جھاڑ پھونک ہی اصل ہے۔ خدا سے اس کی توجہ
ہٹ جاتی ہے۔ یہی حال فال لینے والوں کا ہوتا ہے کہ ان کا اعتماد قدر سے ہٹ کر فال نکالنے
والوں پر ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز بھی خدا پر اعتماد کو کمزور کر دے اور انسان
کی توجہ خدا سے ہٹ کر غیر خدا کی طرف ہو جائے وہ حرام اور ناجائز ہے، لیکن اگر جھاڑ پھونک
سے انسان کا عقیدہ خراب نہ ہو اور جھاڑ پھونک میں شرکیہ کلام و عمل کا عمل دخل نہ ہو تو اس
طرح کی جھاڑ پھونک کو علماء نے جائز کہا ہے، حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فالرقیہ فی ذاتہا لیست ممنوعۃ وانما منع منہا ما کان شرکاً او
احتملہ ومن ثم قال اعرضوا علی رقاکم ولا باس بالرقی مالم یکن شرک۔ [۱۹۴ / ۱۱۲]

یعنی دعا تعویذ اپنی ذات کے اعتبار سے ممنوع نہیں ہے ہاں وہ جھاڑ پھونک جس میں شرک
ہو یا جس میں شرک کا احتمال ہو وہ ممنوع ہے۔ جھاڑ پھونک بذات خود ممنوع نہیں ہے۔
اس کی دلیل یہ ہے کہ خود آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اعرضوا علی رقاکم
اپنے جھاڑ پھونک کو میرے اوپر پیش کرو۔ نیز آپ نے فرمایا جب تک شرک نہ ہو دعا تعویذ
میں کچھ حرج نہیں ہے۔

ابن حجر مزید فرماتے ہیں کہ وقد رقی النبی صلے اللہ علیہ وسلم ورقی
وفعلہ السلف والخلف یعنی دعا تعویذ خود آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔
اور سلف و خلف کا اس پر عمل رہا ہے۔

بہر حال مذکورہ حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ انسان کو ادھر ادھر کی چیز کو چھوڑ کر تنہا
اور صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ایسے عمل سے بچنا چاہئے جس سے اللہ کی
ذات پر اعتماد کمزور ہوتا ہو، دعا تعویذ کا بھی اگر یہ برا اثر ہوتا ہے تو وہ قطعاً حرام اور ناجائز
ہے، اور جو لوگ دعا تعویذ پر اس درجہ بھروسہ کرنے لگیں کہ اسی کو اپنی مرادوں کے حصول
کیلئے اصل سمجھ لیں تو ایسے لوگوں پر جنت کا دروازہ بند ہے۔

(۳) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیل وقال اور کثرتِ سوال اور مال کے ضایع کرنے سے منع کرتے تھے۔ (بخاری)

قیل وقال کا مطلب ہے لایعنی باتوں میں پڑنا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناپسند تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع کرتے تھے کہ آدمی لایعنی اور غیر مفید باتوں میں پڑے، آدمی کی جب بہت زیادہ بات کرنے کی عادت ہوتی ہے تو اس کے منہ سے ہر طرح کی بات نکلتی ہے، سچ جھوٹ سے وہ بچ نہیں پاتا، دوسروں کی برائی اور چغلی کا گناہ بٹورنے لگتا ہے، اس حدیث میں اس کا بھی اشارہ ہے کہ آدمی کو دوسروں کی باتوں کو بہت زیادہ نقل کرنے سے بھی بچنا چاہئے۔ فلاں یہ کہتا ہے، اور فلاں نے یہ کہا جب آدمی کی زبان پر اس طرح کی باتیں زیادہ آنے لگیں تو وہ فتنہ اور لڑائی جھگڑا کا باعث ہوتی ہیں، اس لئے آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا۔

مال کے ضائع کرنے سے بھی آپؐ نے منع فرمایا، غیر شرعی جگہ پر ایک روپیہ بھی خرچ کرنا مال کا ضائع کرنا ہے، اسی طرح جائز جگہوں پر اسراف اور فضول خرچی کرنا یہ بھی مال کا ضائع کرنا ہے۔ کارِ خیر میں خرچ کرنے کے سلسلہ میں بھی آدمی کو اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے ایسا نہ ہو کہ دوسروں کی رعایت میں اپنا اور اپنے گھر والوں کا بھی حق مارا جائے، ایسا کرنا ثواب کا کام نہیں ہوگا، دوسروں کی حق تلفی کا عذاب بھی ہو سکتا ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط نمبر ۷

امام ابوحنیفہؒ اور مسئلہ قیاس

قیاس خفی یا استحسان

اصول فقہ کی کتابوں میں ایک لفظ دلائل کے ضمن میں استحسان کا آتا ہے۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں عموماً یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے مثلاً فقہاء کہتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا فلاں مسئلہ میں یہ ہے لیکن قیاس کے حکم کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا گیا ہے، اور اب استحسان کا حکم یہ ہے۔

استحسان کا لفظ احناف کے یہاں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور بعض لوگوں نے استحسان کو دلائل اربعہ شرعیہ (کتاب، سنت، اجماع، قیاس) سے الگ ایک مستقل دلیل سمجھ لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے احناف کے خلاف اس لفظ کے سہارے ایک طومار کھڑا کر دیا ہے اور کہا کہ یہ حنفیہ کی اختراعی دلیل ہے جس کا شریعتِ اسلامیہ میں کوئی وجود نہیں کسی نے کہا کہ دلیل استحسان کے قائل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی تشریع کا حق اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے اور خود قانون ساز بننے کی ناروا کوشش کرتا ہے، چنانچہ سب سے پہلے جہاں تک مجھے علم ہے اس پر امام شافعیؒ نے سخت تنقید کی ہے۔ پھر بعد میں انھیں کی تقلید میں دوسرے علماء نے بھی احناف پر سخت کلام کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ مخالفین کے کلام اور ان کے نقطۂ نظر سے واقف ہو جائیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ کبھی محض بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا دانستہ اعتراف حق سے چشم پوشی کی وجہ سے یا محض بدگمانی کی وجہ سے انسان کو کیسے کیسے سخت اور دشوار گذار مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اور قلم کا اشہب ہوار

کہاں کہاں ٹھوکر کھاتا ہے۔

منکرین استحسان اور وجہ انکار

امام شافعی علیہ الرحمہ اپنی مشہور کتاب "الرسالہ" میں استحسان پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وھذا یدل علیٰ انہ لیس لاحدٍ دون رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان یقول الا بالاستدلال بما وصفت فی ھذا او فی العدال فی جزاء الصید ولا یقول بما استحسن فان القول بما استحسن شی یحدثہ لا علیٰ مثلٍ سَبَق۔	یعنی اس بات سے معلوم ہوتا ہے۔ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ بلا استدلال کوئی بات محض استحسان سے کہے اس لئے کہ استحسان تو وہ چیز ہے جس کا پہلے کبھی وجود نہیں تھا۔ (مختصراً)
	(الرسالہ ص۲۵)

نیز الرسالہ ہی میں دوسری جگہ فرماتے ہیں ان سے سوال یہ کیا گیا کہ کیا آپ اس کی اجازت دیتے ہیں کہ قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا:

لا یجوز ھذا عندی ایضا ص۵۰۳ — میرے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

اور پھر آپ نے وجہ بتلائی کہ استحسان پر عمل کرنے والا حقیقت میں قیاس کا دروازہ بند کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ کہ چاہتا ہے کہ آدمی کو اختیار ہے کہ وہ جس چیز کو بذاتِ خود اچھا سمجھ لے اس پر عمل کرے پھر فرماتے ہیں:

ولو جاز تعطیل القیاس۔ جاز لاھل العقول من غیر اھل العلم ان یقولوا فیما لیس فیہ خبر بما یحضرھم من الاستحسان وان القول بغیر خبر ولا قیاس لغیر جائز (ایضا ص۵۰۵)	یعنی اگر قیاس کا معطل کرنا جائز ہوتا تو شریعت سے ناواقف ہر آدمی جو صاحبِ عقل ہوتا اپنی عقل کا استعمال کرتا اور جن مسائل میں کوئی حدیث نہ ہوتی تو وہ اپنے طور پر استحسان کرتا اور بلا حدیث اور قیاس کے کوئی بات کہنا جائز نہیں ہے۔

پھر آگے چل کر اسی بحث میں یہ ثابت کرتے ہوئے کہ کسی بھی غیر عالم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ محض اپنی عقل سے کسی معمولی چیز کی قیمت کا تعین بھی کرے مثلاً کسی غلام کسی باندی یا اور کسی چیز کا اپنی عقل سے اندازہ قائم کرنا اور اس کی قیمت متعین کرنا جائز نہیں ہے۔ فرماتے ہیں :

فاذا كان هذا فيما تقل قيمته من المال ويسير الخطأ فيه على المقام له والمقام عليه كان حلال الله وحرامه اولى ان لايقال فيها بالتعسف والاستحسان (ص۵۰۵ ايضاً)

یعنی جب ان معمولی قیمت کی چیزوں میں اس بات کا احتمال ہے کہ جس کے اوپر قیمت لگائی گئی ہے وہ غلط ہو تو اللہ نے جس کو حلال و حرام کیا ہے اس میں تو بدرجہ اولیٰ بلا دلیل محض استحسان سے کوئی فیصلہ کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور پھر ذرا آگے بڑھ کر تو صاف صاف کہدیا۔

وانما الاستحسان تلذذ (الرسالہ ص۵۰۷)

یعنی استحسان تو محض خواہش نفس کا نام ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کی اس کڑی اور سخت تنقید کے بعد تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ ان حضرات کے یہاں اور ہر مخالف استحسان کے نزدیک یہ لفظ کس قدر کریہہ ہوگا چنانچہ بعد میں آنے والوں نے بھی جو کچھ کہا ہے اس کو بھی سن لیجئے۔

امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شافعیہ کے جلیل القدر امام ہیں وہ اپنی کتاب ''اللمع'' میں فرماتے ہیں :

الاستحسان المحكي عن ابي حنيفة هو الحكم بما يستحسنه من غير دليل (اللمع ص۸۱)

یعنی جو استحسان امام ابوحنیفہ سے منقول ہے وہ کسی چیز کو مستحسن سمجھ کر بلا دلیل حکم لگانے کا نام ہے۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں :

''اگر استحسان یہی ہے کہ جو نفس میں بات آجائے اور جسے بلا دلیل خوب سمجھ لیا جائے اس کو حکم شرعی بنایا جائے تو اس کا فساد بالکل ظاہر ہے اسلئے کہ یہ تو خواہش نفس کا فیصلہ ہوا۔ اور اپنی چاہت

بات کا اتباع کرنا ہوا حالانکہ احکام تو شریعت کے دلائل سے ماخوذ ہوتے ہیں نہ کہ ان کا تعلق جی میں آجانے والی باتوں سے ہوتا ہے (اللمع ص۶۸)

اور ابن قدامہ نے روضۃ الناظر میں استحسان کا رد دو طرح سے کیا ہے پہلی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ استحسان کا ثبوت نہ عقلاً ہے نہ نقلاً اور جس چیز پر نہ کوئی عقلی دلیل ہو اور نہ نقلی وہ باطل ہے فرماتے ہیں:

ومهما انتفى الدليل وجب النفي۔	یعنی جب کوئی دلیل ہی نہیں تو اس کا نفی ہونا ضروری ہوا۔

اور دوسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ کسی بھی عالم کو محض اپنی خواہش سے کسی بات کے فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور یہ بات اجماعی ہے اور استحسان محض خواہش نفس کے فیصلہ کا نام ہے اس لئے اس کا مردود ہونا واضح ہے۔ (روضۃ الناظر ص۱۶۷ ج۱)

اور شیخ محمد خضری بک اپنی کتاب اصول الفقہ میں لکھتے ہیں:

وقد اکبر معارضوهم اطلاق هذا اللفظ لانهم ظنوه تشريعًا بلا دليل ومن هنا يقول الشافعي رحمه الله من استحسن فقد شرع وتبعه الاصوليون من المتكلمين في رد الاستحسان وعدّه من الادلة الفاسدة التي لا يصح الاعتماد عليها في استنباط الاحكام۔ (ص۳۱۳)	احناف کے مخالفوں نے اس لفظ کا استعمال بڑی جرأت خیال کیا ہے اور اس کو بلا دلیل شرعی قانون سازی قرار دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جس نے استحسان کیا وہ شارع بنا اور امام شافعیؒ کی اتباع متکلمین اہل اصول نے بھی کی ہے اور اس کو دلائل فاسدہ میں شمار کیا ہے جن پر احکام کے استنباط کے سلسلہ میں اعتماد نہیں کیا جاتا۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان حضرات کے یہاں چونکہ استحسان نام حکم بالہویٰ کا ہے اور حقیقت میں اتباع نفس ہے اس لئے انھوں نے پوری طاقت کے ساتھ اس کا رد کیا ہے جس کا حاصل آپ کے سامنے یہ آیا کہ استحسان محض ایک شئی باطل ہے اور اس کا شرعی دلائل سے کوئی تعلق نہیں۔

مخالفین نے استحسان کے معنی غلط لئے ہیں

اب میں یہاں صاف صاف عرض کردوں کہ واقعۃً استحسان کے اگر یہی معنی ہیں جو مخالفین نے سمجھ رکھا ہے تو اس کا بطلان اور اس کی قباحت بالکل واضح ہے اور جس کے دل میں ذرا بھی خوفِ خدا اور شریعت کا احترام ہوگا وہ یقیناً اس بات سے اپنا دامن بچائے گا۔ لیکن یہاں اس حقیقت کا واشگاف کرنا بھی ضروری ہے کہ جو استحسان حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے اس کا مطلب مخالفوں نے صحیح نہیں سمجھا ہے یا دانستہ صحیح سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے ورنہ استحسان کے باب میں احناف کی تصریحات معلوم کرنے کے بعد تو استحسان کا انکار کرنا اور اس کو ذریعہ بناکر احناف پر شارع بننے کا طعن کرنا بڑی جرأت کا کام ہوگا۔

اور اس بات کا احساس کہ منکرین استحسان نے استحسان کا مطلب سمجھا ہی نہیں ہے ہمارے علماء کو ہے چنانچہ ابن ہمام "تحریر" میں لکھتے ہیں:

فمنکرہ لم یدر المراد بہ

(تیسیر شرح تحریر ص ۷۸ ج ۴)

یعنی استحسان کے منکر نے استحسان کا مطلب کیا ہے، سمجھا ہی نہیں۔

استحسان قیاس ہی کی قسم ہے

حقیقت یہ ہے کہ استحسان نہ کوئی دلیل مستقل ہے اور نہ محض ہوائے نفس کی پیروی میں بلا دلیل شرعی فیصلہ کرنے کا نام ہے بلکہ وہ قیاس ہی کی ایک قسم ہے اور اس کا تعلق انھیں دلائل اربعہ شرعیہ سے ہے جس کے سب قائل ہیں۔

محمد اسحاق بھٹی

قسط ۱

صاحب کنز العمّال
شیخ علی متقی بن حُسام الدّین بُرہان پوریؒ
کے کچھ حالات

شیخ علی متقی بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خاں ۔ ان کا لقب متقی تھا۔ ان کے آبا و اجداد درحقیقت جون پور کے رہنے والے تھے، وہاں سے علاقہ دکن کے شہر بُرہان پور میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

شیخ علی کی ولادت ۸۸۵ھ کو بُرہان پور میں ہوئی، انھوں نے عفت و طہارت کی گود اور زہد و تقویٰ کی آغوش میں پرورش پائی۔ ابھی سات آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ والد مکرم شیخ حسام الدین ان کو شاہ باجن چشتی کی خدمت میں لے گئے، جو اس زمانے میں برہان پور میں مقیم تھے۔ باپ نے اپنے اس بچے کو اس حلقۂ ارادت میں داخل کرا دیا۔ اس سے چند روز بعد والد بزرگ وار انتقال کر گئے ان کے انتقال کے بعد علی کچھ عرصہ غیر علمی مشاغل میں مشغول رہے۔ نوجوانی کے زمانے میں مانڈو میں ایک بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی اور اس اثنا میں کچھ دولت بھی جمع کی۔ ملازمت کے دور میں ان پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دنیوی معاملات سے نفرت پیدا ہو گئی اور دنیا اور اس کی بے ثباتی کا ایسا نقش دل میں بیٹھا کہ ہر طرف سے دامن سمیٹ کر شاہ باجن کے لڑکے شیخ عبدالحکیم کی خدمت میں جا پہنچے۔ چونکہ طبعی طور پر نیک تھے اور فطرت میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے نشوونما کا غلبہ تھا، لہٰذا ملتان کا قصد کیا اور وہاں شیخ حسام الدین متقی کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ دو سال ان کے پاس رہے اس عرصے میں ان سے تفسیر بیضاوی اور کتاب عین العلم کا مذاکرہ کیا۔ ملتان سے عازم حرمین شریفین

ہوئے۔ اور مکہ معظمہ کے شیخ الحدیث شیخ ابو الحسن شافعی بکری کی خدمت میں حاضری دی۔ ان سے احادیث کی کتابیں پڑھیں اور تصوف و طریقت کے بعض سلسلوں کا درس لیا۔ شیخ محمد بن محمد سخاوی مصری سے بھی اخذ طریقت کیا۔ اس اثنا میں حصول علم کی طرف بھی پوری توجہ مبذول کئے رکھی اور شیخ ابو الحسن شافعی بکری کے علاوہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی سے اخذ علم حدیث کیا۔ عرصہ تک مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ وہاں پہلے تو خود حصول علم میں مشغول رہے، بعد ازاں حدیث و تصوف کے موضوع سے متعلق کتابوں کی تصنیف و تالیف میں معروف ہو گئے۔

قیام ملتان کے زمانے میں

قیام ملتان کے زمانے میں شیخ علی متقی کبھی ایک جگہ مستقل طور پر سکونت پذیر نہ ہوتے تھے۔ گرد و نواح کے مختلف علاقوں اور قصبوں میں گھومتے پھرتے رہتے۔ جہاں نیک اور متدین لوگوں کی چھوٹی بڑی جماعت دیکھتے، وہاں مقیم ہو جاتے اور اللہ کی عبادت اور ذکر و فکر کا سلسلہ شروع کر دیتے۔ ان کا معمول تھا کہ سفر میں دو تھیلے اپنے ساتھ رکھتے۔ ایک میں ضروریات اور کھانے پینے کا سامان ہوتا، مثلاً چاول ماش، تیل، گندم، نمک اور کھانے پکانے کیلئے چند برتن وغیرہ۔ دوسرے میں قرآن مجید، چند کپڑے اور مطالعہ کی ضروری کتابیں۔ جنگل سے خود لکڑی کاٹتے اور اسی کو استعمال میں لاتے۔ دو دن کا سامان چار روز تک چلاتے۔ کبھی مسجد میں نہ ٹھہرتے، کرایہ کے مکان میں رہتے، وضو کیلئے لوٹا اور پانی کا مشکیزہ ساتھ رکھتے، سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے، کسی سے اپنے ذاتی کام کیلئے نہ کہتے۔ اگر مجبور ہو کر کہتے بھی تو پہلے اس کو اجرت عطا فرما دیتے۔

شیخ علی متقی جس زمانے میں ملتان میں قیام پذیر تھے، شیخ حسام الدین متقی ملتانی ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

دوران ہنگام کہ ایشاں بملتان در صحبت شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ می بودند در خلوت نشستہ می بودند۔ شیخ حسام الدین کتاب ہا را بر سر خود نہادہ بدر حجرہ می آمدند و استیذان می نمودند و می گفتند حسام آمدہ است چہ می فرمائید؟ یک دو بار ہمیں نوع می گفتند اگر در حجرہ می کشادند، می نشستند و باہم مذاکرہ تفسیر بیضاوی می نمودند، آں مقدار کہ وقت

خدمت شیخ استماع داشت، می نشستند۔ و اگر در نمی کشادہ، بازمی گشتند۔[1]

یعنی شیخ علی، اپنے ملتان کے قیام کے زمانے میں جب کہ وہ شیخ حسام الدین کی صحبت میں رہ رہے تھے، خلوت نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ شیخ حسام الدین کی کیفیت یہ ہوتی کہ وہ سر پر کتابیں اٹھائے شیخ علی کے دروازے پر آکر کھڑے ہوجاتے اور اندر آنے کیلئے ان الفاظ میں اجازت طلب کرتے۔ " حسام الدین حاضر ہے۔ کیا ارشاد ہے "؟ ایک دو بار اسی طرح کہتے۔ اگر شیخ حجرے کا دروازہ کھول دیتے تو وہ بیٹھ جاتے اور دونوں اتنی دیر تک تفسیر بیضاوی کے بارے میں مذاکرہ فرماتے، جب تک کہ وقت کی گنجائش ہوتی۔ اگر شیخ حجرے کا دروازہ نہ کھولتے تو شیخ حسام الدین واپس تشریف لیجاتے۔

گجرات میں

شیخ علی متقی گجرات میں بھی مقیم رہے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو تخت گجرات پر سلطان بہادر متمکن تھا۔ اس کو شیخ کے اوصاف و کمالات کا علم ہوا تو وہ ان کے حلقۂ معتقدین میں داخل ہوگیا۔ اس نے ان کو کئی دفعہ مختلف قسم کے انعامات سے نوازنا چاہا، اور جاگیریں عطا کرنے کی کوشش کی۔ مگر شیخ نے ہمیشہ انکار کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ان کے عقیدتمندوں کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا تھا اور لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کی صحبت میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے تھے۔ لیکن شیخ کا معمول یہ تھا کہ دروازہ بند کرکے حجرے میں بیٹھ جاتے اور کسی سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔

ان ہی دنوں سندھ کے ایک عالم و فاضل اور متقی و صالح بزرگ شیخ عبداللہ سندھی گجرات تشریف لائے وہ حج کو جاتے ہوئے اپنے اہل و عیال سمیت چند روز کیلئے گجرات ٹھہرے۔ شیخ علی متقی سے ان کو بڑی عقیدت تھی۔ والیٔ گجرات سلطان بہادر سے بھی ان کے مراسم تھے۔ سلطان نے ان سے کہا وہ شیخ علی سے ملاقات کرنے اور ہم کلام ہونے کا خواہاں ہے۔ مگر وہ اس کا موقع نہیں دیتے۔ اگر شیخ اس کو حاضر خدمت ہونے کا شرف بخشیں تو ان کی عنایت ہوگی۔ شیخ عبداللہ نے شیخ علی متقی سے بات کی مگر شیخ نے معذرت کردی۔ شیخ عبداللہ نے ان سے یہ بھی کہا، آپ سلطان سے بالکل ہم کلام نہ ہوں

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۵۹

خاموشی سے بیٹھے رہیں، ہم خود اس سے باتیں کرتے رہیں گے۔ شیخ نے فرمایا، بادشاہ کا لباس اور وضع قطع غیر شرعی ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں اس کو دیکھوں اور پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں۔ اس پر کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ خود مناسب الفاظ میں بادشاہ کو نصیحت کریں گے۔ آپ صرف یہ مہربانی فرمائیں کہ اس کو حاضر ہونے کی اجازت دیدیں۔ خاصی ردوقدح کے بعد سلطان کو حاضری کا موقع دیا گیا اور شیخ کے معتقدین نے اس کو وعظ ونصیحت کی۔

اس ملاقات کے دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ سکۂ گجراتی بطور تحفہ شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ تمام رقم شیخ نے شیخ عبداللہ سندھی کے حوالے کر دی اور فرمایا۔

چوں باعثِ ملاقات ودواسطۂ حصول ایں مبلغ شما بودید، ایں مبلغ ہم بشما تعلق داشتہ باشد[1]

چونکہ بادشاہ کی ملاقات آپ کی وساطت سے ہوئی اور وہ آپ کے ذریعے یہاں آیا تھا، اور اس رقم کے حصول کا باعث بھی آپ ہیں۔ ہٰذا اس کے حقدار آپ ہی ہیں۔

ایک وزیر کی دعوت میں شرکت

شیخ علی متقی سے ملوک وسلاطین اور وزرا وامراء بے حد عقیدت مندانہ جذبات رکھتے تھے اور ان کو اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دیتے اور اس پر اصرار کرتے تھے مگر وہ ان کے گھر جانے سے صاف لفظوں میں انکار کر دیتے۔

ایک مرتبہ ایک وزیر بے حد مصر ہوا کہ وہ اس کے مکان پر تشریف لیجائیں اور وہاں جا کر اس کے لئے دعا فرمائیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

یکے از وزرائے آں جا ایشاں را تکلیف ضیافت کرد، یک بار بہ خانہ بندہ تشریف آرند تا دروے برکتے باشد۔ فرمودند مرا معذور دارید، ہم ازیں جا دعائے بکنیم، خدائے تعالیٰ شمارا برکتے دہد۔ چوں آں شخص الحاح بسیار کرد۔ فرمودند پس می آیم، اما بہ سہ شرط۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۶۰

یکے آں کہ ہر جا کہ خواہیم بنشینیم، ما را تکلیف نہ کنند کہ بالا تر بیایند و بر صدر نشینند،

گفت ہم چنیں باشد ۔ ہر جا کہ حضرت را خوش آید بنشینند ۔

دوم آں کہ تکلیف نکنند کہ ایں بخورید و یا آں بخورید ۔ ہر چہ ما را خوش آید بخورم ۔

سوم آں کہ ہر گاہ کہ خوش آید برخیزم و بیایم ۔ تکلیف نکنند کہ یک ساعت دیگر بنشینند ۔[1]

یعنی ایک دفعہ (مملکت گجرات کے) ایک وزیر نے شیخ کو دعوت طعام دی اور عرض کی

کہ ایک بار غریب خانہ پر تشریف لے جا کر بندہ کو شکر گزار فرمائیں، اور دعائے برکت کریں ۔ فرمایا ۔

مجھے گھر پر جانے سے معذور سمجھئے ۔ فقیر یہیں بیٹھے ہوئے دعا کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا کریگا

لیکن اس نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا، میں آجاؤں گا مگر تین شرطوں کے ساتھ ۔

پہلی شرط یہ ہے کہ جہاں چاہوں گا بیٹھوں گا ۔ آپ مجھے بلند جگہ پر اور صدر مقام پر بیٹھنے

کے لئے اصرار نہیں کریں گے ۔ اس نے کہا، اسی طرح ہوگا ۔ جہاں آپ کا جی چاہے، تشریف رکھیں ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس پر اصرار نہ کیا جائے کہ یہ کھائیے اور وہ کھائیے ۔ میں جو چاہوں گا

کھاؤں گا ۔

تیسری شرط یہ کہ جب چاہوں گا آپ کی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوں گا اور واپس آجاؤں گا ۔

آپ اصرار نہ کریں گے کہ تھوڑی دیر اور ٹھہریے ۔

اس سے آگے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم فرماتے ہیں :

آں شخص ہمہ ایں شرائط از ایشاں قبول کرد و وعدہ کردند کہ فردا بیایم ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

چوں فردا شد، نان پارہ درخریطہ کہ دایم در گردنِ خود آویختہ می داشتند، انداختند و تنہا

بمنزل وے آمدند و ہم نزدیکِ در بنشستند ۔ آں مرد فرشہا بتکلف انداختہ و جائے ملوکانہ ساختہ بود ۔

گفت ایں جا بنشینید، بالا تر بنشینید ۔ گفت آخر نہ شرط است کہ ہر جا کہ خوش آید بنشینم ۔ آں شخص

ملزم شد ۔ چیزے نتوانست، گفت، گفتند زود باشید کہ وقت تنگ است، طعام باکشیدند ۔

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۲۶۲

ایشاں نان پارہ کہ داشتند از خریطہ خود بر آوردند و بخوردند ۔ آں شخص التماس کرد کہ ازیں طعام ہا چیزے بخشید۔ گفتند آں چناں بود کہ ہر چہ خوش آید بخوریم دیگر برخاستند و وداع کردند کہ شرط بود ہر گاہ کہ خواہیم برآئیم۔ والسلام[1] ۔

اس وزیر نے شیخ کی یہ تینوں شرطیں منظور کرلیں تو فرمایا ، ان شاء اللہ تعالیٰ کل آئیں گے چنانچہ دوسرے دن روٹی کے چند ٹکڑے اس تھیلی میں ڈالے جس کو ہمیشہ گردن میں آویزاں رکھتے تھے اور تنہا اس وزیر کے گھر پہنچے اور دروازے کے قریب جاکر بیٹھ گئے۔ حالانکہ اس نے بطریق شاہانہ بڑے تکلف کے ساتھ فرش آراستہ کیے تھے اور شاہی انداز سے نشست کا انتظام کیا تھا۔ وزیر نے عرض کیا یہاں تشریف رکھیے اور اونچی جگہ پر بیٹھئے ۔ فرمایا شرط یہ طے پائی ہے کہ جہاں جی چاہے گا بیٹھیں گے۔ چنانچہ وہ شرط یاد کر کے خاموش ہوگیا ۔ اس کے بعد فرمایا ۔ جلدی کرو وقت بہت کم ہے ، چنانچہ دستر خوان پر نوع بنوع کھانے چنے گئے لیکن شیخ نے اپنی تھیلی سے روٹی کے چند ٹکڑے نکالے اور کھانے لگے۔ وزیر نے بہت خوشامد کی کہ ان کھانوں میں سے بھی کچھ چکھیے ، فرمایا شرط یہ تھی کہ جو مرضی ہوگی کھائیں گے ۔ اس کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ، شرط یہ تھی کہ جب چاہیں گے آ جائیں گے ۔ پھر السلام علیکم کہہ کر محل سے باہر نکل گئے ۔

حلال ذریعے کی کمائی ضائع نہیں جاتی

شیخ علی متقی جہاں بہت بڑے عالم و فقیہ تھے ، وہاں تقویٰ و صالحیت میں بھی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ فرمایا کرتے ، حلال کے ذریعے جو چیز کمائی جائے وہ کبھی ضائع نہیں جاتی۔ اگر ایسی چیز گم بھی ہو جائے تو دوبارہ مل جاتی ہے۔

اس سلسلے میں وہ خود اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم چند آدمی سمندر کے سفر میں کشتی پر سوار تھے ، اچانک سمندر میں طوفانی لہریں اٹھیں اور کشتی پاش پاش ہوگئی ہم میں کے کئی آدمی ایک ایک تختے کے سہارے ساحل پر پہنچے ۔ ہمارے پاس کتابیں بھی تھیں جو بالکل بھیگ

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۶۲

گئی تھیں۔ سمندر سے باہر نکلنے کے بعد ہم لوگ پیدل سفر کر رہے تھے اور یہ عرب کی سرزمین تھی۔
پیدل سفر کی وجہ سے ان کتابوں کو ساتھ لیجانا بہت مشکل ہوگیا تھا، ہم نے اللہ کا نام لے کر ایک گڑھا
کھودا، اس میں کتابیں دفن کیں، اس پر ایک علامت قائم کی اور مکہ معظمہ کو روانہ ہوگئے۔ راستے
میں سخت پیاس لگی مگر عرب کے صحرا میں پانی کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ رفقائے سفر نے شدتِ
پیاس سے مجبور ہوکر کہا، اب وقتِ دعا ہے، میں نے کہا، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، آپ آمین کہتے
جایئے۔ چنانچہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اتنا پانی برسا کہ ہم سب نے خوب جی بھر کر
پیا اور اپنے مشکیزے بھی بھر لئے۔ چند روز بعد مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ کعبۃ اللہ کا طواف کیا اور
صفا ومروہ کے درمیان سعی کی۔ اس اثنا میں چند دیہاتی عرب آئے اور انھوں نے ہم سے کہا،
ہمارے پاس کچھ کتابیں ہیں، اگر آپ خریدنا چاہیں تو حاضر ہیں، ہم نے دیکھا تو وہی کتابیں تھیں
جنھیں ہم جنگل میں دفن کر آئے تھے، ہم نے وہ کتابیں خرید لیں۔ بھیگ کر سوکھنے کی وجہ سے ان
کے اوراق ایک دوسرے سے چپک گئے تھے ہم نے ان کو پانی لگاکر اس طرح الگ الگ کیا کہ ایک
حرف بھی ضائع نہیں ہوا اور وہ سب دوبارہ قابلِ استفادہ ہوگئیں۔

ص ۴۶ کا بقیہ

کے سامنے ان کی برائی کرتا اور ان کے بارے میں نہایت نامناسب حرکت کرتا مگر حضرت
معاویہ اسے کچھ نہ کہتے اور فرماتے کہ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ کسی کے لئے میرے حلم کا دائرہ
تنگ ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام اور اسلاف امت کی محبت عنایت فرمائے۔
اور ایسے لوگوں کی صحبت سے بچائے جو صحابہ کرام سے نفرت کا بیج ہمارے دلوں میں بوئیں۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد ابوبکر غازی پوری

شیخ البانی کی خدمت حدیث وسنت ان کی تحقیقات کی روشنی میں

شیخ محمد ناصر الدین البانی تین دہائی قبل تک عالم عرب کی ایک ایسی شخصیت شمار ہوتے تھے کہ دنیائے عرب میں ان سے بڑا علم حدیث کا ماہر کوئی دوسرا نہیں سمجھا جاتا تھا، ان کی کتابوں میں سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ وسلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ ان کے معتقدین کیلئے کسی حدیث کی صحت وضعف کی تحقیق کیلئے یہی دونوں سلسلے اصل مرجع تھے۔ عرب محققین خصوصاً سلفی مزاج احادیث سے شغل رکھنے والوں کیلئے کسی حدیث کے بارے میں صححہ الالبانی وضعفہ الالبانی کہدینا کافی تھا۔ اور اسی سے اس حدیث کا درجہ ان کے نزدیک متعین ہوجاتا تھا اس صححہ الالبانی وضعفہ الالبانی کی اہمیت ان کے نزدیک صححہ البخاری ومسلم وضعفہ البخاری ومسلم سے بھی زیادہ تھی۔

شیخ البانی کی قیمت اور اہمیت خود ان کی اپنی نگاہ میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ کسی دوسرے فن حدیث کے ماہر ومحقق کو خاطر میں لانے کیلئے تیار نہیں تھے۔ اور آخر میں تو ان پر انانیت اور علمی عجب وپندار کا ایسا غلبہ ہوگیا تھا کہ وہ اپنے سامنے امام بخاری، امام مسلم اور صحاح ستہ کے دوسرے مصنفین ائمہ حدیث کو بھی کچھ بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے، احادیث کے بارے میں ان ائمہ حدیث کے خلاف اپنی تحقیق بلا تکلف پیش کرتے اور اسی اپنی تحقیق پر ان کو اعتماد ہوتا، البانی کے معتقدین سلفی حضرات کو بھی ان ائمہ کرام کے مقابلہ میں البانی ہی کی تحقیق

وتصویب قابل قبول ہوتی اور البانی کی حدیث کے بارے میں کسی تحقیق کے خلاف کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں تھے۔

شیخ البانی کا جادو لوگوں کے سروں پر اتنا چڑھا ہوا تھا اور ان کی شخصیت سے لوگ اتنا مرعوب تھے کہ احادیثِ رسول کے بارے میں البانی کی بڑی سے بڑی جرأت بیجا پر بھی لوگ خاموش رہتے اور کسی کو اس کے خلاف لب کشائی کی ہمت نہ ہوتی۔

خدا جزائے خیر دے محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کو کہ انھوں نے پہلی مرتبہ شیخ البانی کی احادیث کے بارے میں تحقیقات کا خالص محدثانہ انداز میں جائزہ لے کر البانی کو ان کی اوقات بتلادی۔ حضرت اعظمی نے علم وتحقیق کی روشنی میں البانی کی قابلیت وعلمیت کا ایسا پوسٹ مارٹم کیا کہ دنیائے اہل علم عش عش کرتی رہ گئی۔ اور پھر البانی کا سروں پر چڑھا ہوا جادو ایسا ٹوٹا کہ ان کے خلاف خود عرب علماء کے قلم چلنے لگے اور انھوں نے البانی اور ان کی کتابوں کا بھرپور تعاقب کیا اور ان کی حدیث کے سلسلہ کی خدمات وتحقیقات کی حقیقت سے عالم عرب کو باخبر کیا۔

حضرت اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا البانی کے خلاف جو قلمی کارنامہ ہے اس کا نام ہے، البانی شذوذہ واخطائہ۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ البانی صاحب میں عجب وپندار اور انانیت کا زبردست جرثومہ پیدا ہو گیا تھا، یہ خطرناک جرثومہ ان کی زندگی کو ان کی آخری سانس تک لگا رہا اگرچہ مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے بعد البانی صاحب کا علمی بھرم جاتا رہا اور اہل علم ان کے علمی مقام وتحقیق کی شان سے واقف ہو گئے۔ لیکن چونکہ البانی فطری طور پر بہت ہی عجب پسند اور انانیت پسند تھے اس وجہ سے علامہ اعظمی کے رسالہ میں اپنی حقیقت کا حدود اربعہ ملاحظہ فرمانے کے بعد بھی البانی صاحب کا قلم اسی عجب وپندار کے ساتھ چلتا رہا، اب اللہ ہی جانتا ہے کہ احادیثِ رسول اور ائمہ فقہ وحدیث کے بارے میں قلم کو اس بد احتیاطی سے چلانے کا کارنامہ انجام دینا یہ خود ان کا اپنا داعیہ تھا یا کسی باہر کی دنیا کی خطرناک سازش تھی اور البانی صاحب کو

بطور خاص اس سازش کا نشانہ بنایا گیا تھا تاکہ ایک بڑی اسلامی اور معروف شخصیت کے ہاتھ سے دین اسلام کی ایک اساس کو کمزور کر کے مسلمانوں کو حدیث رسول اور سنتِ رسول کے بارے میں مشکوک و بدگمان کر دیا جائے۔

یہ بات بڑی حیرتناک ہے کہ البانی نے عام کتب حدیث کے سوا احادیث کا جو سب سے معتبر مجموعہ مسلمانوں کے نزدیک شمار ہوتا ہے اور جس کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے بطور خاص اس کو اپنے قلم اور اپنی تحقیق کا نشانہ بنایا۔ اور اسے مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی۔

بخاری و مسلم کی احادیث کے خلاف البانی کا قلم چلا، سنن اربعہ یعنی ابوداؤد، ترمذی نسائی اور ابن ماجہ کی وہ کتابیں جو زمانہ سلف سے لے کر آج تک مسلمانوں میں متداول رہی ہیں اور جنھیں بخاری و مسلم کے بعد سب سے زیادہ اہم مقام حاصل تھا احادیث کے اس مجموعہ کو پایۂ اعتبار سے گرانے کے لئے البانی نے عجیب و غریب حرکت کی، ایسی حرکت جس کا واہمہ کسی دشمنِ اسلام کے ذہن میں بھی اس سے پہلے نہیں گزرا ہوگا۔

البانی نے خدمت حدیث کے نام پر ان چاروں کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک حصہ کو ضعیف حدیث والا حصہ قرار دیا اور دوسرے حصہ کو صحیح حدیث والا قرار دیا یعنی اب یہ چاروں کتابیں آٹھ کتابیں بن گئیں، ضعیف ترمذی، صحیح ترمذی، ضعیف ابی داؤد، صحیح ابی داؤد، ضعیف نسائی، صحیح نسائی، ضعیف ابن ماجہ اور صحیح ابن ماجہ۔

البانی صاحب نے اپنے اس خطرناک عمل کے ذریعہ دنیا کو تاثر دیا کہ احادیثِ رسول کا یہ مجموعہ جس پر اب تک اہل اسلام کا عمل تھا، ناقابلِ اعتماد تھا اور مسلمانوں کے اس مجموعہ کا نام جو صحاح رکھا گیا تھا وہ بھی غلط تھا، احادیث کی یہ کتابیں ایسی نہیں تھیں کہ ان پر مطلقاً اعتماد کیا جاتا۔

اب البانی صاحب نے احادیث کی ان کتابوں کو ضعیف احادیث سے پاک کر کے اور ان کتابوں کا خالص صحیح احادیث والا مجموعہ تیار کر کے مسلمانوں کیلئے قابلِ عمل بنا دیا ہے، اب کسی کو امام ترمذی والی ترمذی دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اب جسے دیکھنا ہو البانی والی ترمذی دیکھے، البانی کی نسائی دیکھے، البانی کی ابوداؤد دیکھے، البانی کی ابن ماجہ دیکھے، البانی صاحب کے

کارنامہ نے اصل کتابوں سے مسلمانوں کو مستغنی کر دیا ہے، اعتماد اب امام ترمذی پر نہیں کیا جائیگا
امام ابو داؤد پر نہیں کیا جائے گا، امام نسائی پر نہیں کیا جائے گا، امام ابن ماجہ پر نہیں کیا جائے گا، ان
ائمہ کرام کا علم حدیث ناقص تھا، ان کی امامت فی الحدیث مشکوک تھی، ان ائمہ کرام کو صحیح وضعیف
حدیث میں تمیز کی لیاقت وصلاحیت نہیں تھی، ان ائمہ کرام کی کتابوں پر اب تک جو اعتماد کیا جاتا
رہا ہے، وہ ہدایت کی راہ نہیں تھی وہ گمراہی کا راستہ تھا۔

اب البانی کی کتابوں کو مسلمان پڑھیں، البانی کی تحقیقات پر اعتماد کریں اور البانی نے ان چاروں
کتابوں کا جو خالص مجموعہ تیار کیا ہے اسی کو ذریعہ نجات وہدایت سمجھیں۔

البانی صاحب نے اپنے اس کارنامہ سے مسلمانوں کو اور ان کی نئی نسل کو یہی خاموش
پیغام دیا، اور حدیث اور ائمہ حدیث کے بارے میں تشکیک کا ذہن پیدا کر دیا، اب ایک ذرا سا
پڑھا لکھا البانی الذہن سلفی اٹھتا ہے اور بلا تکلف امام بخاری وامام مسلم جیسے اجلہ محدثین کے
خلاف قلم اٹھاتا ہے اور ان کی کتابوں میں ضعیف احادیث کا سراغ لگاتا ہے۔

البانی زدہ سلفیوں کے اس تماشائے عبرت کارناموں کو دیکھ کر ایک عرب کا دردمند عالم
چیخ اٹھتا ہے وہ سوال کرتا ہے اور اہل علم سے پوچھتا ہے۔

ترى هل كان البخاري رحمه الله
عاجزا من انتقاء احاديث الادب
المفرد كما انتقى احاديث الصحيح
وهل كان ابن القيم رحمه الله غير
قادر على اختيار ما صح فقط في موضوع
كتابه الوابل الصيب؟ ام هل كان
احدهما يفتقد الغيرة على السنة
وعلى صحيحها والعمل به۔
(التعريف باوهام من قسم السنن ص ۳۱/۱)

یعنی یہ جو امام بخاری کی کتاب الادب المفرد اور
ابن قیم کی کتاب الوابل الصیب کو البانیوں کی
طرف سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے ذرا بتلاؤ
تمہارا کیا خیال ہے، کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے
جس طرح اپنی کتاب الجامع کا صحیح احادیث والا
مجموعہ تیار کیا تھا وہ امام بخاری الادب المفرد میں صرف
صحیح احادیث لانے پر قادر نہیں تھے، امام بخاری
اس سے عاجز تھے، یا حافظ ابن قیم عاجز تھے کہ
وہ الوابل الصیب اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث

لاتے یا ان دونوں کو سنت اور صحیح سنت کے بارے
میں وہ غیرت حاصل نہیں تھی جو آج البانیوں کا
حصہ بنی ہوئی ہے۔

البانی اور البانیوں کا یہ کیسا خطرناک عمل ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے یہی عرب عالم کہتا ہے۔

وهذا العمل العظيم كما وصفه
اصحابه سيؤدى الى قطع صلة الامة
والاجيال القادمة باصول السنة
(ایضا ص ۲۹/۱)

اور یہ شاندار کارنامہ جیسا کہ البانیوں کا دعویٰ
ہے کہ وہ انجام دے رہے ہیں، ان کا وہ عمل
ہے جو امت اور آنے والی نسلوں کا رشتہ
احادیث وسنت کی اصل کتابوں سے کاٹ دینے
والا ہے۔

یعنی امت مسلمہ اور ہماری آنے والی نسلیں اب انھیں چھٹی چھٹائی احادیث اور چھنی چھنائی کتابیں
جو بقول البانیوں کے منقح اور مصفی شکل میں پیش کی جارہی ہیں انھیں سے واقف رہیں گی۔ امام
ترمذی کی اصل کتاب کا نام کیا تھا، اس کی خصوصیات کیا تھیں، امام ترمذی نے اس کتاب میں امامت
فی الحدیث، اپنے تبحر علمی اور اپنی بے نظیر فقاہت کے جو نقش ونگار قائم کئے ہیں ان کو بھلادیا جائے گا۔
اور یہی حال احادیث کی بقیہ ان کتابوں کا بھی ہوگا جو البانیوں کی کانٹ چھانٹ کا نشانہ بنیں گی۔

خدمت حدیث کے نام پر حدیث کے خلاف کیسا محاذ قائم کیا جارہا ہے اور سنت رسول کے
بارے میں کیسا فتنہ پیدا کیا جارہا ہے، اور منکرین سنت کے ہاتھوں کو کس طرح سے مضبوط کیا جارہا ہے
اس کا اندازہ ہر باغیرت مسلمان کو ہوگا۔ اس کا اندازہ ان کو ہوگا جو اسلاف کے کارناموں پر
فخر کرتے ہیں اور اس کو اپنے سینوں سے لگائے رکھنا چاہتے ہیں۔

ایک طرف ہمارے اسلاف کی خدمتِ حدیث کے سلسلہ میں جو جانکاہی رہی ہے اس کا
علم حاصل کیجئے انھوں نے کس طرح سے احادیث وسنت کے سرمایہ کو جمع کیا، احادیث کی تحقیق
وطلب میں کتنی جان کھپائی ایک ایک حدیث کی چھان بین کیلئے کتنے اسفار کئے کتنے دروں کی
خاک چھانی، اپنی عمر کا کتنا وقت لگایا اور جب ان کی محنتوں کا ثمرہ ہمیں پکا پکایا مل گیا تو البانی

جیسے محقق لوگ پیدا ہوئے جو ہاتھ میں پنسل لے کر اٹھتے ہیں اور کسی حدیث پہ ضعیف اور کسی پر صحیح کا نشان لگا کر خدمتِ حدیث کا شاندار کارنامہ انجام دے رہے ہیں - الاستاذ محمد عبداللہ شاکر فرماتے ہیں ؛

د. شتان بین هذا العمل العظیم والجهد النافع الکبیر وبین ان تمسك بقلم الرصاص ثم تعلم علی بعض الاحادیث فی کتاب تجعلها فی قسم الصحیح وعلی اخری تجعلها فی الضعیف ۔

(ص۳۲)

علمائے سلف اور ائمہ حدیث کا حدیث کے سلسلہ میں جو عظیم الشان کارنامہ اور انکی جو مفید اور عظیم کوشش رہی ہے اس میں اور تمہارے اس عمل میں کہ تم پنسل پکڑ کے کسی حدیث پر صحیح کا نشان لگا کر کے اسکو ایک کتاب میں جمع کردو اور کسی پر ضعیف کا نشان لگا کر دوسری کتاب تیار کردو ، کتنا فرق ہے ۔

احادیث کے بارے میں البانی صاحب کی تحقیق کا یہی انداز تھا ، البانی صاحب احادیث کی تحقیق اور اس کی بحث میں کتنی محنت برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ کرنے کیلئے ان کے ایک شاگرد کا وہ بیان کافی ہے جو آئندہ سطروں میں آرہا ہے ۔

قصہ یہ ہے کہ ایک حدیث کے بارے میں البانی صاحب نے اپنی تحقیق کی روشنی میں ضعیف ہونے کا فیصلہ کر دیا اور اس کی سند کے ایک راوی کو مجہول بتلایا ، اس پر اعتراض ہوا کہ جناب والا یہ حدیث نہ ضعیف ہے اور نہ راوی مجہول ہے ، آپ نے حافظ ابن حجر کی صرف تقریب دیکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے ، اگر تراجم کی مزید کتابیں دیکھتے بلکہ حافظ ہی کی تہذیب بھی دیکھ لیتے تو بھی آپ نے حدیث پر اور اس کی سند کے راوی پر جو حکم لگایا ہے ، یہ غلط تحقیق آپ سے صادر نہ ہوتی تو ان کے ایک شاگرد نے شیخ البانی کے قصور اور ناقص کارکردگی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے شیخ کا دفاع اس انداز سے کیا ہے ، وہ فرماتے ہیں :

لم ینشط شیخنا حفظه الله للمراجعة التهذیب ص۳۳۱

یعنی ہمارے شیخ حفظہ اللہ کو تہذیب کی مراجعت کیلئے نشاط نہیں رہا ۔

اندازہ لگائیے کہ احادیث رسول کے بارے میں یہ حضرات کتنے جری ہیں، البانی صاحب رسول اللہ کی ایک صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے کی ہمت کر رہے ہیں، اور انھیں یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی ہے کہ اس کے بارے میں رجال کی متداول کتابوں اور تہذیب جیسی معروف ومشہور اور عام طور پر ہر کتب خانہ میں پائی جانے والی کتاب کی طرف بھی رجوع کریں، شاگرد کا اپنے استاذ کی طرف سے یہ کتنا شاندار دفاع اور جواب ہے شیخ محمود سعید شاگرد کے اس جواب کے بارے میں فرماتے ہیں :

قلت الامر متعلق براوٍ حولہ اخذ ورد و انکار سنۃ واثبات بدعۃ توھما فاذا عدام التحقیق والبحث والنشاط فی التھذیب الذی ھو فی متناول الجمیع فی مثل ھذا الموضع فعدامہ فی غیرہ اولیٰ۔

(ص ۳۳۲/۱۷)

یعنی معاملہ یہاں ایک ایسے راوی کا ہے جس کے بارے میں فیصلہ یہ کرنا ہے کہ اس کی حدیث قابلِ اخذ ہے یا قابلِ رد، اور معاملہ محض وہم کی بنیاد پر ایک سنت کو رد کرنے اور ایک بدعت کو ثابت کرنے کا ہے۔ پس جب ایسے اہم موقع پر تہذیب جیسی عام طور پر پائی جانے والی کتاب کے بارے میں بحث وتحقیق اور نشاط معدوم ہے تو دوسری جگہوں اور دوسری کتابوں میں تو بدرجہ اولیٰ یہ بحث وتحقیق اور یہ نشاط معدوم ہوگا۔

حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں البانی صاحب کی جرأت اور سہولت پسندی کا یہ حال ہے جو ناظرین نے ملاحظہ فرمایا اور بحث وتحقیق کی اسی نادر مثال کے بل بوتہ پر انکو جرأت ہوتی ہے کہ وہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور دوسرے ائمہ حدیث کی کتابوں کے بارے میں فیصلہ فرمائیں اور ان کتابوں کو صحیح وضعیف میں تقسیم کریں، اس جرأت وجسارت پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

کسی حدیث پر صحت وضعف کا حکم لگانا بچوں کا کھیل نہیں ہے معاملہ احادیث رسول کا ہے اس وجہ سے ایک محتاط محدث کسی حدیث کے بارے میں پہلے تمام متعلقہ امور پر غور کرتا ہے

اس حدیث پر ہر زاویہ سے نگاہ ڈالتا ہے، کتنی سندوں سے یہ حدیث مروی ہے۔ اس حدیث کے شواہد اور کیا ہیں، ان شواہد کا حال کیا ہے۔ امت کا اس حدیث پر عمل ہے یا نہیں، ائمہ حدیث کا اس حدیث کے بارے میں فیصلہ کیا ہے، غرض پوری تحقیق اور پوری چھان بین کے بعد ہی ایک محتاط محدث حدیث کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے۔

پھر اس محدث کو دین و دیانت کے اعتبار سے بھی بہت اعلیٰ معیار پر ہونا چاہئے تاکہ حدیث کے بارے میں کوئی فیصلہ اس کے نفس کا تقاضا نہ ہو۔

افسوس اس کا ہے کہ البانی صاحب نے ان تمام باتوں کا اپنی کتابوں میں خیال نہیں رکھا اور قلم برداشتہ جو چاہا لکھدیا، اور اب یہی ذہن زمانہ حال کے ان سلفیوں کا بھی ہوگیا ہے جو البانی کی فکر و مزاج سے متاثر ہیں۔

اس وقت میرے زیر مطالعہ ایک کتاب ہے جس کا پورا نام یہ ہے۔ "التعریف باوھام من قسم السنن الیٰ صحیح وضعیف" اس کتاب کے مصنف کا نام شیخ محمود سعید ہے، دبئی کے دار البحوث والدراسات الاسلامیہ واحیاء التراث میں حدیث کی خدمت انجام دیتے ہیں، اور بڑے محقق اور وسیع المطالعہ فن حدیث کے عالم ہیں، شیخ محمود نے اپنی اس کتاب میں بطور خاص البانی صاحب کی چاروں کتابوں کا یعنی، ضعیف ابی داؤد، ضعیف ترمذی، ضعیف نسائی، اور ضعیف ابن ماجہ کا بڑی دقت نظر اور مہارت فن سے جائزہ لیا ہے، اور احادیث کے بارے میں البانی صاحب کی جرأت بیجا کا پورا محاسبہ کیا ہے اور ان کی غلطیوں سے اہل علم کو باخبر کیا ہے، اور یہ دکھلایا ہے کہ شیخ البانی کا علم حدیث بہت ناقص اور سرسری مطالعہ والا تھا اس وجہ سے انھوں نے بہت سی ان احادیث کو بھی ضعیف قرار دیا ہے جن کا ضعف محدثین کو تسلیم نہیں ہے، یا اگر وہ ضعیف بھی ہیں تو امت کا اس پر عمل رہا ہے، امت کے تعامل کی وجہ سے اس حدیث کا ضعف جاتا رہا ہے، یہ کتاب بڑی دلچسپ اور اہل علم کیلئے لائق مطالعہ ہے، اس وقت میرے زیر مطالعہ اس کی چوتھی جلد ہے میں اسی سے ناظرین کی عبرت کیلئے البانی صاحب کی خدمت حدیث کے چند نمونے پیش کررہا ہوں

اور بقیہ کیلئے عرض کروں گا کہ :

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(۱) ابوداؤد اور ترمذی میں ابوبسرۃ الغفاری کی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے۔

قال صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمانیۃ عشر سفراً فما رأیتہ ترک الرکعتین اذا زاغت الشمس قبل الظہر۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ سفروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں رہا، سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے دو رکعت کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے چھوڑا ہو۔

البانی صاحب نے ترمذی اور ابو داؤد کی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اور ابوبسرۃ الغفاری کے بارے میں اپنی یہ تحقیق پیش کی ہے کہ وہ غیر معروف ہیں اس وجہ سے ان کی یہ روایت ضعیف ہے۔

البانی صاحب کا یہ کہنا کہ ابوبسرۃ غیر معروف ہیں اور اسی کی وجہ سے ان کی یہ روایت ضعیف ہے بالکل غلط ہے، ابوبسرۃ غفاری ثقہ تابعی ہیں، امام بخاری نے ان کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے اور ان پر کوئی جرح نہیں کی ہے، ابوحاتم نے بھی ان کو ضعیف نہیں قرار دیا ہے، امام ابوداؤد نے ان کی یہ حدیث ذکر کرکے اس پر کوئی کلام نہیں کیا ہے، امام بخاری کو ابوبسرۃ کا نام کیا ہے صرف یہ نہیں معلوم تھا۔ کسی راوی کی کنیت معلوم ہو اور اس کی شخصیت معروف ہو محدثین اس کو ثقہ قرار دیتے ہوں اس کی روایت ذکر کرتے ہو تو صرف اس کا نام نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اس کی حدیث ضعیف نہیں قرار پا سکتی، کتنے ایسے راوی ہیں جن کا نام معروف نہیں مگر ان کی کنیت معروف ہے اور وہ اپنی کنیتوں ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔

غرض جلیل القدر محدثین اور ماہرین فن تو ابوبسرۃ کی اس حدیث کو صحیح اور حسن قرار دیتے ہیں، مگر البانی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور کیوں؟ تو اس وجہ سے

کہ البانی صاحب کو ابو بسرۃ کا نام معلوم نہ ہو سکا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تو صحابی رسول ہیں،
ان کا نام کتنے لوگوں کو معلوم ہے؟

کاش البانی صاحب یہ سمجھتے کہ جس طرح ضعیف حدیث کو صحیح قرار دینا جرم ہے اسی
طرح صحیح حدیث کا انکار کرنا اور اس کو بلاوجہ ضعیف قرار دینا بھی بہت بڑا اور سنگین جرم ہے۔

(اس حدیث پر پوری بحث کیلئے دیکھئے جلد چہارم حدیث نمبر ۴۹۳)

(۲) جعفر بن ابی مغیرہ سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے
روایت کرتے ہیں کہ

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القراءۃ فی الرکعتین بعد المغرب حتی یتفرق اھل المسجد۔	اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد کی دو رکعت سنت میں اتنی طویل قرأت فرماتے تھے کہ مسجد والے مسجد سے چلے جاتے۔

یہ روایت ابو داؤد شریف کی ہے، البانی نے اس کو ضعیف ابی داؤد میں ذکر کیا ہے
یعنی یہ روایت ان کے نزدیک ضعیف اور مردود ہے، البانی صاحب فرماتے ہیں کہ جعفر بن
ابی مغیرہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں قوی نہیں ہے۔

البانی نے اس کیلئے محدث ابن مندہ کا حوالہ دیا ہے، اب محدثین اور ماہرین حدیث
کا اس روایت کے بارے میں فیصلہ ملاحظہ فرمائیے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، محدث عبد الحق کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح
ہے، حافظ ذہبی نے جعفر کو صدوق کہا ہے، ابن مندہ کی جرح کو محدثین نے قبول نہیں
کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ ابن مندہ کی جرح جعفر پر عقیدہ میں اختلاف کی وجہ سے ہے
اور عقیدہ کے اختلاف کی وجہ سے جو جرح ہو محدثین اس کو عام طور پر قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے
جعفر ابن ابی مغیرہ سعید بن جبیر سے روایت کرنے میں مشہور ہیں، اگر سعید بن جبیر سے
ان کی روایت صحیح نہ ہوتی تو دوسرے محدثین اس کا تذکرہ ضرور کرتے، امام ترمذی نے

جعفر بن مغیرہ عن سعید بن جبیر کی سند کو حسن قرار دیا ہے، ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے
امام بخاری نے بھی جعفر کی حدیث کو ضمناً ذکر کیا ہے، اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ خود البانی صاحب
نے بھی اس سند کو اپنے صحیحہ میں حسن قرار دیا ہے، اور صاف صاف لکھا ہے هٰذا اسناد حسن
ورجاله ثقات یعنی یہ سند حسن ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ذرا آپ انصاف سے کام لیں اور بتلائیں کہ کیا حدیث کی خدمت اسی طرح ہوتی ہے،
البانی صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اس سند کے بارے میں اپنے صحیحہ میں وہ خود کیا فرما چکے ہیں،
اب اس قسم کے علم والے لوگ احادیث رسول کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ قابل عمل ہے کہ
ناقابل عمل، مردود ہے کہ مقبول، صحیح ہے کہ ضعیف، اور ہمارے علمی افلاس کا حال یہ ہے کہ ہم ایسے
ناقص لوگوں کی تحقیقات پر اعتماد کرتے ہیں۔ (پوری بحث کیلئے اس جلد کی حدیث نمبر ۵۰۲ دیکھو)

(۳) ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم	یعنی آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
قال صلوٰة الليل مثنیٰ مثنیٰ۔	رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔

البانی نے اس حدیث کو ضعیف ابن ماجہ میں شامل کیا ہے، اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا
ہے، ضعیف ابن ماجہ میں اس حدیث کو داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث البانی کے نزدیک
معتبر نہیں ہے، حالانکہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی ہے اور متعدد طرق سے نقل کی گئی ہے، مگر
البانی صاحب کی جرأت کا عالم یہ ہے کہ صحیحین یعنی بخاری و مسلم کی اس روایت کو بھی ضعیف بتلا رہے ہیں۔

(پوری بحث کیلئے دیکھو حدیث نمبر ۵۲۹)

(۴) سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت آئی ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم	یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی
صلى العشاء ثم صلى ثمان ركعات قائما	نماز پڑھ کر آٹھ رکعت نماز کھڑے ہو کر پڑھی
وركعتين بين الاذانين ولم يكن	اور دو رکعت فجر کی اذان اور اقامت کے درمیان
يدعهما۔	ادا کی، اور ان دو رکعت کو آپ کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

البانی نے اس حدیث کو ضعیف ابی داؤد میں داخل کیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ حدیث بین الاذانین کے جملے کے ساتھ ضعیف ہے۔ اور البانی صاحب کی تحقیق میں بین الاذانین کے بجائے بعد الوتر کا لفظ محفوظ ہے۔

یہ شیخ البانی کی تحقیق کا حاصل ہے، حالانکہ البانی صاحب کی یہ تحقیق بالکل ناقص ہے، اور بین الاذانین کے ساتھ یہ حدیث بالکل صحیح ہے، شیخ محمود سعید فرماتے ہیں بل الحدیث صحیح جدا بھذا اللفظ یعنی اس لفظ کے ساتھ یہ حدیث بالکل صحیح ہے امام بخاری نے بخاری شریف میں اس کو ذکر کیا ہے، بخاری شریف کی روایت میں صاف موجود ہے۔ ورکعتین بین الندائین۔

البانی صاحب کی ساری زندگی بقول البانیوں کے حدیث کی خدمت میں گزری مگر افسوس کہ ان کو اس کا پتہ بھی نہیں چل سکا کہ اللہ کے رسول کی رات کی نماز کی حالت ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہی، کبھی آپ نے کسی طریقے سے پڑھی اور کبھی کسی طریقہ سے پڑھی، آپ کی نماز بتلانے والے صحابی نے کبھی ایک حالت کا ذکر کیا اور کبھی دوسری حالت کا ذکر کیا، کبھی اس نے رات کی نماز کی پوری تصویر کھینچ دی کبھی اس کا ذکر مختصر انداز میں کیا، اس وجہ سے روایات کے الفاظ مختلف ہوجاتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کسی حدیث میں راوی نے کسی بات کو ذکر نہیں کیا یا اس کو اختصار کے ساتھ ذکر کردیا اور دوسری روایت میں وہ بات مذکور ہے تو اس دوسری حدیث کا محض اس وجہ سے انکار کردیا جائے کہ اس میں وہ بات ہے جو دوسری روایتوں میں نہیں ہے، محض زبردستی کی بات ہے، اگر کوئی متضاد اور مخالف بات دو حدیثوں میں ہے تب تو اس کی تحقیق کی جاتی ہے کہ کون سی بات محفوظ ہے اور کونسی بات غیر محفوظ مگر جب روایات میں تضاد نہیں کوئی اختلاف نہیں، تو پھر محض اس وجہ سے کہ فلاں بات فلاں راوی نے ذکر کی ہے اور فلاں نے نہیں ذکر کی ہے اس وجہ سے وہ لفظ غیر محفوظ ہے، اور اس کو ذریعہ بنا کر بخاری و مسلم کی بھی روایات کا بھی انکار کردیا جائے کتنی جسارت اور نانیت کی بات ہے۔

شیخ محمود سعید فرماتے ہیں کہ البانی کا اعتراض بالکل غلط ہے اس لئے کہ یہ حدیث بخاری

وسلم کی ہے، فرماتے ہیں۔

وقوله بين الاذانين صحيح متفق عليه من حديث البخاری (۱۱٦٤)
ومسلم ۷۲۸ وغيرهما)

یعنی حدیث میں بین الاذانین کا لفظ ہے اور متفق علیہ ہے یہ بخاری کی حدیث نمبر ۱۱٦۴
میں اور مسلم کی حدیث نمبر ۷۲۸ میں موجود ہے۔

(پوری بحث کیلئے دیکھو حدیث نمبر ۵۴۳)

(۵) ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اسود بن زید نے ان سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا۔

كان يصلي ثلاث عشرة ركعة	آنحضورؐ رات میں تہجد کی نماز تیرہ رکعت
من الليل ثم انه صلى احدى عشرة	ادا کرتے تھے پھر دو رکعت چھوڑ دیا اور
ركعة وترك ركعتين ثم قبض صلى الله	گیارہ رکعت پڑھتے تھے، اور پھر وفات
عليه وسلم حين قبض وهو يصلي من	کے وقت آپ کی تہجد کی نماز نو رکعت
الليل تسع ركعات وكان آخر صلوٰته	ہوا کرتی تھی اور آخر میں وتر پڑھتے
من الليل الوتر —	تھے۔

شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف ابی داؤد میں ذکر کیا ہے، شیخ محمود فرماتے ہیں۔
هذه خرافة والحديث صحيح، یعنی یہ البانی صاحب کی محض بکواس ہے یہ حدیث ضعیف نہیں صحیح ہے۔ نو رکعت والی حدیث کو امام احمد، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے، اور ابو داؤد کی اس مذکورہ حدیث کو امام احمد، امام ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے دوسری سند سے ذکر کیا ہے۔ نو رکعت والی حضرت عائشہ کی ذکر کر کے امام ترمذی فرماتے ہیں حسن صحیح یہ حدیث حسن صحیح ہے، حدیث کا آخری حصہ جس میں وتر کا ذکر ہے اس کی تخریج مسلم نے بھی کی ہے، شیخ محمود سعید فرماتے ہیں۔ والحاصل ان تضعيف الالباني لهذا الحديث خطأ یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ البانی نے اس حدیث کو جو

ضعیف قرار دیا ہے وہ غلط ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

اگر البانی نے زحمت اٹھا کر حافظ منذری کی مختصر سنن ابی داؤد کو دیکھ لیتے تو ان کو نظر آتا کہ حافظ منذری نے اس حدیث کو ذکر کر کے صراحت سے لکھ دیا ہے کہ اس حدیث کی تخریج امام ترمذی اور نسائی نے کی ہے اور اس کے آخر کا ٹکڑا امام مسلم نے ذکر کیا ہے۔

(پوری بحث کیلئے حدیث نمبر ۵۴۴ دیکھو)

(۶) حضرت عائشہ کی حدیث ابن ماجہ میں ہے، اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ۔ یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم رات کی نماز تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔

البانی نے اس حدیث کو ضعیف ابن ماجہ میں ذکر کیا ہے، اور تیرہ رکعت کے لفظ کو شاذ بتلایا ہے اور کہا کہ گیارہ کا عدد محفوظ ہے، پھر کہا کہ تیرہ کہنا ہشام کی غلطی ہے۔

البانی صاحب کی اس تحقیق کو دیکھ کر طبیعت پھڑک گئی اور دل نے کہا کہ اگر احادیث کی اسی قسم کی تحقیق ہوتی رہی تو پھر احادیث کا خدا ہی حافظ۔ تیرہ کے لفظ کو شاذ کہنا البانی صاحب کی ایسی فاش غلطی ہے کہ جس کو حدیث کا معمولی سا بھی علم حاصل ہے وہ البانی صاحب کی اس جرأت تعجب ہی کرے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تیرہ والی حدیث تو خود بخاری میں ہے، یہ حدیث ضعیف اگر ہے تو بخاری پرسے اعتماد ختم۔

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ بھی تھی اور گیارہ بھی، اور نو بھی حضرت عائشہ نے اپنی مختلف احادیث میں سب کو بتلایا ہے، اس میں سے کوئی عدد بھی شاذ نہیں ہے۔

(۷) ابوداؤد میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

وھب بن منبہ عن عبداللہ بن عمرو انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی کم یقرأ القرآن، قال فی اربعین یوما ثم قال فی شھر ثم قال فی عشرین ثم قال فی عشر ثم قال فی سبع لم ینزل من سبع۔

وہب بن منبہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کتنے دنوں میں قرآن ختم کرنا چاہیے؟ تو آپ نے فرمایا چالیس روز میں، پھر فرمایا ایک مہینہ میں، پھر فرمایا بیس روز میں پھر فرمایا دس روز میں، پھر فرمایا سات روز میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نیچے نہیں اترے۔

البانی صاحب نے اس حدیث کو ضعیف ابی داؤد میں شامل کیا ہے، اور کہا ہے کہ لم ینزل من سبع کا لفظ شاذ ہے، اور شاذ اسلئے کہ اس سے پہلی روایت میں تین تک کی اجازت ہے۔

شیخ محمود فرماتے ہیں کہ الحدیث صحیح محفوظ بھذا اللفظ یعنی یہ حدیث صحیح ہے اور اس لفظ کے ساتھ محفوظ ہے، اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں کئی جگہ ذکر کیا ہے، بخاری نے بھی اس کو کہیں مطول اور کہیں مختصر ذکر کیا ہے، امام مسلم نے بھی اس اس لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، ترمذی نے بھی اس کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسی لفظ کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔

باب فضائل القرآن میں بخاری کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقرأ القرآن فی شھر قلت انی اجد قوۃ حتی قال فاقرأہ فی سبع ولا تزد علیٰ ذالك۔

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن ایک مہینہ میں پڑھو، میں نے عرض کیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ کی قوت ہے تو آپ نے مزید کچھ دن کم کردئے) مگر آخر میں فرمایا کہ سات دن سے کم میں مت پڑھو۔

غرض سات کا لفظ عام طور پر روایات میں موجود ہے، بلکہ بخاری کے بقول تین سے زیادہ سات کا لفظ محفوظ ہے، بخاری کی بات یہ ہے۔ وقال بعضھم فی ثلاث او فی سبع واکثرھم علیٰ سبع۔ بعض نے تین یا سات کا ذکر کیا ہے مگر اکثر سبع ہی کا ذکر کرتے ہیں۔

(پوری بحث کیلئے دیکھو حدیث نمبر ۵۵۲)

البانی صاحب کی احادیث رسول کے بارے میں اس جرأت بیجا پر تعجب کرتے ہوئے

شیخ محمود فرماتے ہیں ۔

ویاسف محب السنۃ لتضعیف الاحادیث الصحیحۃ بھذہ الجرأۃ والشناعۃ نعوذ باللہ من شھوۃ التظاھر بالاستدراک علی المتقدمین واللہ اعلم بالنیات ۔

یعنی صحیح حدیثوں کو اس جرأت اور قباحت کے ساتھ ضعیف قرار دینے کے عمل پر ایک سنت کا شیدائی افسوس کرتا رہ جاتا ہے ۔ متقدمین کے برخلاف احادیث پر احکام صادر کرنے کی خودنمائی کی شہوت سے اللہ کے ذریعہ ہم پناہ چاہتے ہیں ۔

ناظرین کرام یہ قضیہ بڑا طویل ہے اور یہ المیہ بڑا دردناک ہے ، اور یہ داستان بڑی عبرتناک ہے ، ہم نے محض ان چند مثالوں سے احادیثِ رسول کے خلاف جو ایک محاذ قائم کر دیا گیا ہے اور جس کی سربراہی البانی نے کی تھی اس کا کچھ نمونہ پیش کیا ہے ، ہم اہل علم حضرات اور عام مسلمانوں سے گذارش کریں گے کہ البانی اور البانیوں کے اس فتنہ سے وہ آگاہ رہیں ، اور حدیث کی خدمت کے نام پر جو حدیث دشمنی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اس سے وہ دھوکہ نہ کھائیں ۔

کار ما تبلیغ رسالت بتو بس ست
بعد از دعا شمارا خدارا سپردہ ایم

بقیہ ص۶۲ کا

صاف بولتے ہیں ، ان سے مل کر اور ان کی دعا حاصل کر کے بڑی خوشی ہوئی ۔ آج عشاء بعد مولوی یعقوب مفتی کی مسجد میں میرا مختصر بیان ہوا ، جس کو لوگوں نے توجہ سے سنا ۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

غیر اللہ سے توسل واستعانت اور غیر مقلدین کا عقیدہ

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری صاحب مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

بندہ سال گزشتہ سے زمزم اور آپ کی کتابوں سے مستفید ہو رہا ہے، کچھ غیر مقلدین کی صحبت میسر رہی ہے تو ان کی تبلیغ ودعوت سے متاثر ہو کر فقہ حنفی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا تھا، ایک دوست کی رہنمائی سے زمزم اور آپ کی کتابوں تک رسائی ہوئی اور ان کو پڑھنے کا موقع ملا۔ الحمد للہ سارے شکوک وشبہات ختم ہو گئے اور حضرت امام اعظم سے عقیدت بڑھی اور فقہ حنفی کی عمق وگہرائی وہمہ گیری پر ایمان پختہ ہوا، غیر مقلدین کے بارے میں اب میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ پکے ..... ہیں، ان کا کام راہ حق سے کم پڑھے لکھوں کو گمراہ کرنا ہے۔

آپ نے توسل واستعانت بغیر اللہ کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اس پر تھوڑا کچھ اور لکھ دیں یہ غیر مقلدین اس کے منکر ہیں کہ ہمارے اکابر کا استعانت بغیر اللہ اور توسل کا عقیدہ نہیں تھا، آپ نے جو کچھ لکھا تھا حوالہ سے لکھا تھا مگر یہ فرقہ بڑا ڈھیٹ واقع ہوا ہے۔

امید ہے آپ توجہ فرمائیں گے۔

والسلام

شیخ رحمت اللہ کرنول

نامزم! جب آپ خود یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ فرقہ بڑا ڈھیٹ واقع ہوا ہے اور اس کا تجربہ بھی آپ کو ہو چکا ہے تو کیا ضروری ہے کہ اگر اس موضوع پر ہم مزید کچھ لکھ دیں گے تو اس فرقہ کا ڈھیٹ پنا ختم ہو جائے گا۔

غیر مقلدین نے غیر مقلدیت اور سلفیت کی آڑ میں جب اسلاف دشمنی کا مظاہرہ شروع کیا تو اللہ نے انسے قبول حق کی توفیق سلب کر لی ہے، اب ان کے عناد و تمرد کا حال یہ ہے کہ اگر آپ ان کے ہاتھ میں چاند سورج بھی لاکر رکھ دیں گے اور ان کو نہ ماننا ہے تو یہ اس چاند سورج کے وجود کا بھی انکار کر دیں گے، قبول حق بلا توفیق الٰہی کے ممکن نہیں، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ غیر مقلدین کو اللہ نے اسلاف دشمنی کی نحوست کی وجہ سے قبول حق کی سعادت سے محروم کر دیا ہے۔

ان کا تو حال یہ ہے کہ قرآن پیش کرو اس کا انکار کریں گے، حدیث پیش کرو اس کا انکار کریں گے، صحابہ کے اقوال پیش کرو ان کا انکار کریں گے ائمہ دین کے تو یہ دشمن ہی ہیں بخاری ومسلم کو پیش کرو ان کا انکار کریں گے صوفیاء کی دل آویز باتیں پیش کرو ان کا انکار کریں گے، جب کسی کے دل میں انکار رچ بس جائے تو اس سے کسی بات کا منوانا ریتلی زمین میں سرسوں جمانے کے مترادف ہے۔

اب ان پر ایک آفت یہ آئی ہے کہ یہ اپنی جماعت کے بڑے سے بڑے عالم کا انکار کرتے ہیں، اس طرح یہ غیر مقلدین اپنی جماعت کے لئے خود ڈائینا منٹ بن گئے ہیں، ان کا ہر فرد خود ہی ہو حق، ہے میاں صاحب، نواب صاحب، حیدرآبادی صاحب، مبارکپوری صاحب شوکانی صاحب، البانی صاحب، غیر مقلدین وقت حاضر کی نگاہ میں ان میں سے کسی کی کوئی حیثیت نہیں، کسی کی بات ان کے لئے قابل قبول نہیں، ان کا کوئی اسوہ نہیں، ان کا کوئی قدوہ نہیں، دعویٰ کریں گے یہ اہلحدیث ہونے کا مگر یہ سب سے بڑے حدیث کے دشمن ہیں، دعویٰ کریں گے یہ محدثین سے محبت کا مگر وقت آئے گا تو محدثین کا بخیہ ادھیڑ دینگے غیر مقلدیت نام ہے اکابر و اسلاف کی عظمت وشان کے بخیہ ادھیڑنے کا، اسی کو یہ اپنا کمال

سمجھتے ہیں اور اسی کو یہ اپنی تحقیق سمجھتے ہیں، ان کے بڑوں نے یہی حرکت کی، اور زندگی بھر یہی حرکت کرتے رہے، تو چھوٹوں نے ان سے یہی سیکھا اب یہ چھوٹے اپنے بڑوں کا بھی بخیہ ادھیڑتے ہیں، جو بڑوں نے کیا وہی چھوٹے کر رہے ہیں، غیر مقلدین کی جماعت میں قریب ہی زمانہ میں ایک عالم گزرے ہیں، نام تھا ان کا حافظ عبداللہ روپڑی، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حافظ صاحب صائم الدھر تھے یعنی ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے، روزہ کی صفت ہے کہ آدمی میں تقویٰ پیدا کر دیتا ہے، خود قرآن میں اس کا بیان ہے، تقویٰ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہو جائے، بات کرے تو خلاف حق بات اس کی زبان سے نہ نکلے۔

حافظ عبداللہ روپڑی صاحب صائم الدھر تھے زندگی بھر روزہ رکھنے کے باوجود ان میں کیسا تقویٰ پیدا ہوا، اس کا اندازہ لگانے کے لئے مولانا کا یہ غلیظ اور فقہ حنفی کے خلاف بغض وکینہ اور حسد سے بھرا ہوا بیان ملاحظہ فرمائیے، حافظ عبداللہ صائم الدھر صاحب ہدایہ اور شرح وقایہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کتابوں میں حنفیہ کی نماز کا طریقہ یہ لکھا ہے، فرماتے ہیں:

حنفیہ کی نماز

دیکھئے شرح وقایہ اور ہدایہ وغیرہ میں یہ لکھا ہے:

اگر بسم اللہ پڑھ کر کتا ذبح کر کے اس کی کھال کا تہ بند بنا کر کھجوروں کے شربت سے وضو کر کے اللہ اکبر کی جگہ "خدا بزرگ تراست" کہہ کر قرآن مجید کی جگہ کسی آیت کا ترجمہ پڑھ کر جس طرح مرغ چوگ چگتا ہے اس طرح جلدی جلدی نیچے اوپر ہوتا جائے نہ رکوع سے سیدھا سیدھی کرے نہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھے نہ رکوع سجود قومہ جلسہ میں کچھ پڑھے یہاں تک کہ التحیات بھی نہ پڑھے اور سلام پھیرنے کے بجائے زور سے پاد دے تو بس اس کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا خواہ فاتحہ وغیرہ کے ترک سے گناہ گار ہی ہو جائے۔

(اہلحدیث کے امتیازی مسائل ص ۱۰۳)

یہ ہے صائم الدھر حافظ عبداللہ روپڑی صاحب کے نزدیک ہدایہ اور شرح وقایہ سے حنفیہ کی نماز کا نقشہ، اس قسم کا نقشہ غیر مقلدین کی فیکٹری میں تیار ہوتا ہے، نواب صاحب بھوپالی کے بارے میں ان کے لڑکے نے لکھا ہے کہ نواب صاحب بھوپالی ہمیشہ حنفیہ کے طریقہ پر نماز پڑھتے تھے، میرا خیال ہے کہ نواب صاحب ضرور زندگی بھر اسی طرح کی نماز پڑھتے رہے ہوں گے۔

خیر بات دور جا پڑی آپ نے توسل اور استعانت بغیر اللہ کی بابت غیر مقلدین کے عقیدہ کے بارے میں مزید کچھ لکھنے کو کہا ہے۔

غیر مقلدین چاہے لاکھ انکار کریں مگر ان کے اکابر کا یہی عقیدہ تھا کہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنا اور ان سے توسل کرنا جائز ہے، غیر مقلدین کے بڑوں کا اس پر عمل بھی رہا ہے، نواب صاحب بھوپالی بہت بڑے غیر مقلد تھے وہ فرماتے ہیں۔

زمرۂ رائے در افتاد بار باب سنن
شیخ سنت مددے قاضی شوکاں مددے

نواب صاحب نے اس شعر میں قاضی شوکانی یمنی سے مدد طلب کی ہے، دوسرے مصرعہ کا ترجمہ ہے۔ اے سنت کے شیخ مدد فرمایئے اے قاضی شوکانی مدد فرمایئے۔

اس صاف صریح شعر کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی یہ کہے کہ نواب صاحب غیر اللہ سے استعانت کو جائز نہیں سمجھتے تو اس کو اپنی عقل کا علاج کرانا چاہیے۔

نواب صاحب کا دوسرا شعر سنیئے۔

گفت نواب غزل در صفت سنت تو
خواجۂ دیں صلۂ قبلہ پاکاں مددے

اس میں بھی دوسرے مصرعہ میں نواب صاحب نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی ہے، دوسرے مصرعہ کا ترجمہ ہے۔ اے دین کے سردار صلہ دیجئے اور اے پاکوں کے قبلہ مدد فرمایئے۔ اگر نواب صاحب استعانت بغیر اللہ کو اور مردوں کی ندا کو جائز نہ سمجھتے

توبھلا یہ شعران کی زبان سے کیوں نکلتا۔

اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح ومنقبت میں نواب صاحب کی ایک طویل عربی میں نعت شریف ہے۔ اصل عربی عبارت نقل کرنے میں طول ہے، اس کے چند شعروں کا ترجمہ سن لیجئے۔ جس کو اصل شعر دیکھنا ہو نواب صاحب کی سوانح حیات میں دیکھ لے۔

اے میرے آقا میرے سہارا اور وسیلہ، اور اے خوشحالی و بدحالی میں میری متاع، میں روتا گڑگڑاتا اور ٹھنڈی آہیں بھرتا آپ کے در پر آیا ہوں، آپ کے علاوہ میرا کوئی فریادرس نہیں، سوائے رحمۃ للعالمین میری گریہ زاری پر رحم فرمائیے۔

کیا ان اشعار میں نواب صاحب نے آنحضورؐ سے استعانت اور توسل نہیں کیا ہے ؟

نواب وحید الزماں حیدرآبادی صاحب تو صاف صاف لکھتے ہیں کہ غیراللہ سے توسل مطلقًا جائز ہے، زندوں سے بھی اور مردوں سے بھی فرماتے ہیں۔

التوسل الی اللہ تعالی بانبیائہ والصالحین من عبادہ جائز ویستوی فیہ الاحیاء والاموات۔ (نزل الابرار ص)

یعنی اللہ کے بندوں میں سے انبیاء اور صالحین سے توسل پکڑنا جائز ہے اور اس میں زندہ اور مردہ برابر ہیں۔

یہی نواب صاحب ھدیۃ المھدی میں لکھتے ہیں۔

" پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ سوال مردوں سے نہیں ہوتا بلکہ صلحاء کی ارواح سے ہوتا ہے اور ارواح موت کا ذائقہ نہیں چکھتی ہیں ان پر فنا طاری نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ ادراک اور احساس کے ساتھ باقی رہتی ہیں خصوصًا انبیاء اور شہداء کی ارواح، کیونکہ انبیاء اور شہداء زندوں کے حکم میں ہیں "

نیز اسی کتاب میں لکھتے ہیں :

" ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ استعانت اور طلب مدد ان کی قبروں کے پاس ہو "

نواب صاحب بھوپالی نے اپنی کتاب التاج المکلل میں جن بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے ان تمام کے بارے میں اپنا عقیدہ یہ بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں :

اگرچہ یہ لوگ تعداد میں کم ہیں تاہم کیفیت میں بہت زیادہ ہیں اس لئے کہ یہی لوگ کامل مدد کا ذریعہ ہیں ۔

غیر مقلدین اپنے اکابر کی ان صریح عبارتوں سے منہ چراتے پھرتے ہیں اور ڈھونگ یہی رچائیں گے کہ ہم غیر مقلدوں کا عقیدہ توسل اور غیر اللہ سے استعانت اور مدد طلب کرنے کا نہیں ہے، اگر نہیں ہے تو فیصلہ فرمادیں اپنے ان اکابر کے بارے میں کہ یہ لوگ مشرک تھے یا مومن ؟

آج کل غیر مقلدین نے ایک طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ وہ اپنے اکابر کی باتوں کا بھی یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ ہم تو صرف کتاب و سنت کی مانیں گے اکابر نے کیا لکھا ہے اس سے ہمیں مطلب نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ ان اکابر کے سامنے ان چھوٹوں کی کیا حقیقت ہے، اگر آپ اپنے اکابر کا انکار کرتے ہیں تو صاف صاف ان کے بارے میں فیصلہ کریں کہ جنھوں نے اس طرح کی باتیں اپنی کتابوں میں لکھی ہیں ان کا یہ عقیدہ تھا یا نہیں، اور اگر تھا اور یقیناً تھا تو شرکیہ عقیدہ رکھنے کے باوجود ان کو آپ اہلحدیث اور اہل سنت والجماعت کا مقتدیٰ اور پیشوا کیوں سمجھتے ہیں، اور ان کی عزت و تکریم کیوں کرتے ہیں ؟ براہ کرم غیر مقلدین اس کا جواب دیں ۔

محمد ابوبکر غازیپوری

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدگمانی رکھنا نفاق کی علامت ہے

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب دام مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی!

خدا کرے آپ ہر طرح بخیر ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور آپ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے۔

زمزم کے ذریعہ سے جو دینی خدمات انجام پارہی ہے وہ بڑی گراں قدر ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین بدلہ دے۔

زمزم میں سوالات کے جو جوابات شائع ہوتے ہیں ان سے بڑا اطمینان ہوتا ہے اور انشراح صدر حاصل ہوجاتا ہے۔

کریم نگر آندھرا پردیش میں جماعتِ اسلامی سے متاثر بعض حضرات ہیں ان میں سے ایک صاحب نے مولانا مودودی کی کسی کتاب کے حوالہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سخت تنقید کی، اور ان کی شان میں بعض ایسے جملے کہے جن کا زبان پر لانا بھی ہم جیسے عامیوں کے لئے بہت دشوار ہے، براہ کرم بتلائیں کہ حضرت معاویہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہئے، اور جو شخص ان کے بارے میں بدگمانی رکھے یا ان کے بارے میں بدزبانی کرے

اس کا شریعت میں کیا حکم ہے ؟ والسلام

نثار احمد شیخ

کریم نگر آندھرا پردیش

ز مزم ! زمزم کے بارے میں آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے ہمت بندھی اور حوصلہ بڑھا، اس وقت عالم اسلام کے جو حالات ہیں، اور مسلمان اور اسلام کے خلاف امریکہ کے جو عزائم ہیں اور پوری دنیا میں مسلمانوں میں جو عام بے چینی پائی جارہی ہے اس کی وجہ سے قلب و دماغ بہت متاثر ہیں۔ لکھنے پڑھنے پر بھی اس کا اثر پڑ رہا ہے، کئی کئی روز گزر جاتے ہیں ایک سطر بھی لکھی نہیں جاتی ہے۔

اس وقت مسلمانوں کو کامل اخلاص اور قلبی توجہ کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہونا چاہیے، اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیئے، اس کی مدد و نصرت کیلئے دعا کرنی چاہیئے، اپنا زیادہ وقت توبہ و استغفار میں لگانا چاہیئے، یہ وقت بحث و جدال کا نہیں ہے، ہماری بدقسمتی ہے کہ امت مسلمہ جس نازک دور سے گزر رہی ہے اس کا لحاظ کئے بغیر آج بھی بہت سے کم فہم اور بے حس مسلمان اپنا وقت صحابہ کرام اور اسلاف کی تنقیص و تشنیع میں لگا رہے ہیں۔

آپ کے سوال کا مختصراً جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ بہت جلیل القدر صحابی ہیں، کسی ادنیٰ درجہ کے صحابی کے بارے میں طعن و تنقیص کے کلمات استعمال کرنا حرام و ناجائز ہے اور ایسا شخص فاسق و فاجر ہے، اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، شادی بیاہ سب ناجائز ہے حتیٰ کہ وہ مرجائے تو اس کی نماز جنازہ بھی مقتدیٰ اور پیشوا قسم کے لوگ نہ پڑھیں۔ ایسے شخص کے بارے میں عام مسلمانوں کو کہنا چاہیئے تم پر اللہ کی لعنت ہو، اور اس سے قطع تعلق کر لینا چاہیئے۔ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، میرے بعد ایک قوم پیدا ہوگی جو میرے صحابہ میں عیب نکالے گی اور ان کی تنقیص کرے گی ان کے ساتھ تم کھانا پینا نہیں نہ ان سے شادی بیاہ کرنا نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا نہ ان کے جنازہ پر نماز پڑھنا، امام ذہبی نے اس حدیث کو اپنی کتاب الکبائر میں ذکر کیا ہے، ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

کی حدیث ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو تم کہو لعنۃ اللہ علی شرکم یعنی تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دین میں بہت بلند مقام ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا کاتب وحی بنایا تھا، ان پر حضرت صدیق حضرت فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے اعتماد کیا اور اپنے اپنے زمانہ میں ان کو گورنری کا عہدہ دیا، اس سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے نزدیک حضرت معاویہ کے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کے حق میں یہ دعا فرمائی۔ اللّٰھم علم معاویۃ الکتاب والحساب وقہ العذاب اے اللہ معاویہ کو لکھنا اور حساب سکھلا دے اور ان کو عذاب سے بچا، اسی طرح کی ایک دعا میں یہ لفظ بھی ہے ومکن لہ فی البلاد یعنی ملکوں میں ان کو طاقت بخشئے۔ اس سے حضرت معاویہ کی خلافت و امارت کی طرف پیشنگوئی اور اشارہ ہے۔ ایک دفعہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھدہ واھد بہ اے اللہ معاویہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت پانے والا بنا دے ان کو ہدایت دے اور ان کے ذریعے دوسروں کو ہدایت دے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جس کے بارے میں دعا فرمائیں ہم جیسے لوگ اسی شخصیت کے بارے میں بدگوئی کریں اور اس پر طعن و تشنیع کریں کیا یہ ہمارے ایمان کا ضعف اور کمزوری نہیں ہے اور آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صریح مخالفت نہیں ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اللہ نے خلق علم کی ایسی دولت اور نعمت سے نوازا تھا کہ صرف یہی ایک چیز ان کے مقام و مرتبہ کو ظاہر کرتی ہے اور ان کا شمار نص قرآنی سے محسنین میں سے ہوتا ہے۔ اللہ اللہ کیسا رعب و دبدبہ تھا، ان کی امارت کی وسعت کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی تھی، رومی اور عیسائی ان کے نام سے کانپا کرتے تھے مگر ایک شخص ان

بقیہ صــ۲۱ پر

محمد اجمل مفتاحی

طہٰ شیرازی

خمار سلفیت

لاصلوٰۃ والی حدیث اور احناف

بیٹا، اباجی

باپ، جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی بخاری شریف کی حدیث جو حضرت عبادہ بن الصامت سے مروی ہے، لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب میں نے اپنے ایک بہت بڑے عالم کی کتاب میں پڑھا ہے کہ احناف اس کو نہیں مانتے۔

باپ۔ بیٹا ہمارے عالم صاحب نے بہت صحیح لکھا ہے، احناف بخاری شریف کی اس حدیث کا جو بالکل صحیح ہے اور امام بخاری نے اس کو روایت کیا ہے اس کا کھلا انکار کرتے ہیں، تبھی تو ان کا مذہب ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہئے اگر احناف اس حدیث کو مانتے جس طرح ہم لوگ مانتے ہیں تو ان کا مذہب بھی مقتدی کے بارے میں ہمارے مذہب ہی کی طرح ہوتا، یعنی سورہ فاتحہ مقتدی کو پڑھنی واجب ہوتی۔

بیٹا۔ اباجی شیخ کلو سے ہماری اس مسئلہ میں بات ہوئی تھی، شیخ کلو بھی ہمارے مذہب کے بڑے عالم ہیں، بلکہ وہ تو پی ایچ ڈی بھی ہیں، مگر وہ تو ہمارے اس بڑے عالم کی

بات کو بکواس کہتے ہیں اور احناف کے خلاف اس بات کو پروپیگنڈہ قرار دیتے ہیں۔

باپ ۔ شیخ کلو کیا کہتے ہیں، ان کی بات ہوائی نہیں ہوگی اس میں وزن ہوگا، شیخ کلو بہت بڑے عالم اور بہت بڑے پی ایچ ڈی ہیں۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ کلو کہتے ہیں کہ احناف بخاری شریف کی اس حدیث کو دل وجان سے قبول کرتے ہیں البتہ ہم لوگ اپنی سمجھ سے اس حدیث کا جو مطلب بیان کرتے ہیں احناف ہمارے اس مطلب کا انکار کرتے ہیں، اب ہمارے لوگوں نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ احناف بخاری شریف کی حدیث کا انکار کرتے ہیں، یہ ہمارے علماء کا احناف کے خلاف بہت بڑا جھوٹ ہے۔

باپ ۔ بیٹا بات تو شیخ کلو کی صحیح ہے، ہم نے بھی کسی حنفی سے اس حدیث کا انکار نہیں سنا، بس ہمارے نزدیک اس حدیث کا مطلب کچھ ہے اور احناف کے یہاں کچھ اور ہے، حدیث کا مطلب بیان کرنے میں ہمارا ان کا اختلاف ہے۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ کلو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارے علماء انصاف سے کام لیں تو احناف جو مطلب بیان کرتے ہیں اس کی حقانیت کے وہ بھی قائل ہو جائیں گے، اسلئے کہ احناف اس حدیث کا جو مطلب بیان کرتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں بیان کرتے ہیں بلکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے احناف نے اسی کو لیا ہے، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام نے بھی اس حدیث کا وہ مطلب نہیں لیا ہے جو ہمارے اہلحدیث علماء بیان کرتے ہیں،

اباجی شیخ کلو کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارے علماء کی منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ سارے صحابہ کرام بھی لا صلوٰۃ والی حدیث کا انکار کرنے والوں میں شمار ہوں گے اور اس طرح کی بات وہی کہے گا جو صحابہ کرام کے مقام سے ناواقف اور انتہائی درجہ

گمراہ ہوگا۔

باپ۔ بیٹا احادیث کی تشریح و توضیح میں ہمیشہ سے اختلاف ہوتا آرہا ہے مگر اس کی وجہ سے اختلاف کرنے والے ایک دوسرے پر یہ الزام نہیں رکھتے ہیں کہ جو ہماری بات کو نہ مانے وہ حدیث کا منکر ہے، یہ بدعت تو ہمارے علماء نے پیدا کی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج ہر روز وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔

بیٹا۔ اباجی تو ہمارے علماء اپنی اس حرکت پر نادم و شرمندہ ہوکر اس سے باز کیوں نہیں رہتے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

امام بخاری اور سورہ فاتحہ کا مقتدی کو پڑھنا

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں؟

باپ۔ جی بیٹا، امام بخاری ہی نہیں بلکہ تمام محدثین اور فقہاء اور تمام صحابہ کا یہی مسلک ہے ہمارے لوگ یہی کہتے ہیں، البتہ کوفہ والے یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے ماننے والوں کا یہ مذہب نہیں ہے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا منع ہے۔

بیٹا۔ اباجی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس کا باب بھی باندھا ہوگا یعنی یہ کہ اس بات کا بیان کہ سورہ فاتحہ پڑھنا مقتدی کو ضروری ہے۔ بلا سورہ فاتحہ نماز نہ ہوگی۔

باپ۔ بیٹا، امام بخاری نے ایسا کوئی باب تو نہیں باندھا ہے مگر وہ حدیث بخاری میں ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے بلا اس کے اس کی نماز نہ ہوگی، دیکھو بخاری میں ہے۔

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلوٰة

لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ یعنی آنحضورؐ فرماتے ہیں کہ جو نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوگی۔

بیٹا ۔ اباجی امام بخاری اس حدیث کو کس باب کے تحت لائے ہیں ؟

باپ ۔ بیٹا ، امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے

وجوب القرأۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر وما یجھر فیھا وما یخافت۔

اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں ؟

بیٹا ۔ اباجی ذرا بخاری کی اس عربی عبارت کا ترجمہ بھی فرمادیں۔

باپ ۔ بیٹا ترجمہ کی ضرورت کیا ہے دیکھو ماموم یعنی مقتدی کا اس میں صاف ذکر ہے

بیٹا ۔ اباجی مگر امام بخاری کی عبارت میں سورہ فاتحہ کا کہیں ذکر نظر نہیں آتا ، اس میں تو مطلقاً قرآن پڑھنے کا ذکر ہے چاہے سورہ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورہ ، امام بخاری تو فرمارہے ہیں کہ امام اور مقتدی کے لئے تمام نمازوں میں چاہے سری ہو چاہے جہری ، سفر کی ہو یا حضر کی مطلقاً قرآن کا پڑھنا ضروری ہے ، اگر اس حدیث سے خاص طور پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری معلوم ہوتا ہے تو امام بخاری وجوب قرأۃ الفاتحہ للامام والماموم فرماتے یعنی سورہ فاتحہ کا امام اور مقتدی کے لئے پڑھنا ضروری ہے

باپ ۔ یہاں وجوب قرأۃ سے سورہ فاتحہ کا ہی پڑھنا مراد ہے۔

بیٹا ۔ اباجی یہ تو بڑی زبردستی کی بات ہے کہ جو بات امام بخاری کی عبارت میں نہ ہو ہم زبردستی اس کو امام بخاری کی مراد بتلائیں۔ دیکھئے اباجی امام بخاری کے نزدیک نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ہے تو اس کو بتلانے کے لئے امام بخاری نے بخاری شریف میں یہ باب باندھا ہے۔

باب قرأۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ

یعنی جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان

تو ابا جی اگر لا صلوٰۃ والی حدیث سے سورہ فاتحہ کا ہی پڑھنا واجب ہوتا تو امام بخاری کو باب وجوب قرأۃ الفاتحہ کہنے میں کیا اشکال تھا؟

باپ۔ بیٹا، ہمارے علماء جیسا کہتے ہیں ویسا میں نے تم کو بتلا دیا زیادہ بحث مت کرو۔

بیٹا۔ ابا جی میں بحث کہاں کر رہا ہوں میں تو امام بخاری کی عبارت کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں ابا جی ہمارے علماء جو ہمیں پڑھاتے ہیں کہیں اس میں کچھ گھپلا تو نہیں ہے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

آیت فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول اور غیر مقلدین

بیٹا۔ ابا جی

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا۔ ابا جی ہمارے علماء فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول والی آیت کا ورد بہت کرتے ہیں اس کی کوئی خاص وجہ ہے کیا؟

باپ۔ بیٹا یہ آیت تو ہمارے ایمان واسلام کی کسوٹی ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تو اصل دین ہے، اس لئے ہمارے علماء اس آیت کا بار بار تکرار کرنے ہمیں رشد و ہدایت کی راہ دکھلاتے ہیں، اختلافی مسائل میں مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول ہی سے فیصلہ لینا چاہئے، آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جب تمہارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس مسئلہ کو لوٹا کر اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ تسلیم کر لو۔

بیٹا۔ ابا جی، بات تو آپ کی ٹھیک ہے مگر ہمارے علماء تو قرآن کا نام کم ہی لیتے ہیں اور حدیث کا نام ان کی زبان پر زیادہ ہوتا ہے، عام طور پر قرآن کو چھوڑ کر ان کا رخ حدیث ہی کی طرف ہوتا ہے۔

باپ۔ بیٹا تم ہمارے علماء پر بہت بڑا الزام دھر رہے ہو ذرا بتلاؤ تو ہمارے علماء نے کس مسئلہ میں قرآن کو چھوڑا ہے اور حدیث کو لیا ہے؟

بیٹا۔ اباجی مسائل تو بہت ہیں مگر نمونہ کے طور پر فاتحہ خلف الامام ہی کے مسئلہ کو لیجیے، ہمارے علماء نے مقتدی پر فاتحہ پڑھنے کو لازم قرار دیا ہے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے مقتدی پر سورہ فاتحہ کو پڑھنا لازم ہے مگر جب احناف کہتے ہیں کہ یہ تو حدیث ہے ذرا قرآن کی کوئی آیت بھی پیش کرو تاکہ ردوہ الی اللہ والرسول پر پورا پورا عمل ہو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے حدیث کافی ہے، قرآن کی کیا ضرورت، تو اباجی یہ تو ردوہ الی الرسول پر عمل ہوا ردوہ الی اللہ پر تو عمل ہوا نہیں، یہ تو ارشاد ربانی کی صریح مخالفت ہے۔

باپ۔ بیٹا جب کوئی مسئلہ قرآن اور حدیث دونوں میں مذکور ہوگا تو ہمارے علماء قرآن وحدیث دونوں کو پیش کرتے ہیں اور جب کوئی مسئلہ صرف حدیث سے ثابت ہو تو وہ صرف حدیث پیش کرتے ہیں، قرأت خلف الامام کا مسئلہ قرآن میں نہیں ہے حدیث میں ہے اس لئے ہمارے علماء اس مسئلہ میں صرف حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

بیٹا۔ اباجی آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ قرأت خلف الامام کا مسئلہ قرآن میں نہیں ہے۔ ہے اور ضرور ہے فرق یہ ہے کہ قرآن میں جو مسئلہ ہے وہ ان لوگوں کے مطابق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے، قرآن میں تو صاف موجود ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا، یعنی جب قرآن پڑھا جائے (چاہے نماز میں چاہے نماز کے باہر) تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، اباجی قرآن کا اتنا صاف ارشاد ہے اس کے باوجود ہمارے علماء کہتے ہیں کہ قرآن میں قرأت خلف الامام کا مسئلہ نہیں ہے، یہ ہمارے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ تو فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور پر نماز ہی میں قرآن پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے، فتاویٰ میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ وقد استفاض عن السلف انھا نزلت

فی القرأۃ فی الصلوٰۃ یعنی سلف سے یہ بات بطور شہرت کے منقول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرآن پڑھنے کے بارے میں اتری ہے، اور پھر حافظ ابن تیمیہ دو ٹوک الفاظ میں بڑی قوت سے فرماتے ہیں فتبین ان الاستماع الی قرأۃ القرآن امر دل علیہ القرآن دلالۃ قطعیۃ یعنی یہ واضح ہو گیا کہ امام کی قرأت کو کان لگا کر سننا وہ بات ہے جس پر قرآن کی قطعی دلیل قائم ہے۔

ابا جی جب بقول ہمارے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قرآن سے ثابت ہے کہ مقتدی کو نماز میں امام کی قرأت کو کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا ہے تو ہم اہل حدیث ردوہ الی اللہ پر کیوں عمل نہیں کرتے، یہ کسی حنفی کی بات تو نہیں ہے ہمارے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی ہے۔

باپ۔ بیٹا اگر حافظ ابن تیمیہ کی بات مان لی جائے تو لاصلوٰۃ والی حدیث کا جو بخاری میں ہے قرآن سے ٹکراؤ ہو جائے گا۔

بیٹا۔ ابا جی اگر قرآن و حدیث میں ٹکراؤ ہو تو قرآن کو مقدم کرتے ہیں کیا اشکال ہے آیت میں بھی تو پہلے اللہ کا ذکر ہے بعد میں رسول کا، تو ٹکراؤ کی شکل میں قرآن کو لیا جائے گا حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا، ایسا کرنے میں حرج کیا ہے؟ یہ تو قرآن ہی پر عمل ہے۔

باپ۔ بیٹا تمہاری باتوں نے تو ہمارا دماغ گھما دیا ہے کیا ہم بخاری کی حدیث کو چھوڑ دیں۔

بیٹا۔ ابا جی یہ عجیب بات آپ فرما رہے ہیں، قرآن کو چھوڑنے میں تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو رہی ہے اور بخاری کی حدیث چھوڑنے میں آپ کو پس و پیش ہو رہا ہے، آخر ہم لوگوں کا کیسا ایمان و اسلام ہے، رسول کا مرتبہ ہم نے خدا سے بڑھا دیا ہے۔

باپ۔ بیٹا مگر سوچو تو قرآن و حدیث کا ٹکراؤ ہونا کتنی خطرناک بات ہے، میرا تو سوچ سوچ کر حواس گم ہو رہا ہے۔

بیٹا۔ ابا جی، یہ حواس اسلئے گم ہو رہا ہے کہ ہم نے لاصلوٰۃ والی حدیث کا مطلب امام بخاری کی تقلید میں سمجھا ہے، اگر صحابی رسول حضرت جابر ابن عبداللہ کی تشریح و توضیح کی

روشنی میں سمجھتے تو نہ آپ کا سر گھومتا اور نہ قرآن و حدیث میں آپ کو ٹکراؤ نظر آتا اور نہ فردوہ الی اللہ والرسول والی آیت سے رد گردانی کا ہم پر الزام عائد ہوتا۔

ترمذی میں صاف موجود ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے بلکہ تنہا نماز پڑھنے والوں سے ہے۔

یہ عجیب بات ہے ابا جی کہ صحابی رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے لا صلوٰۃ والی حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے ہم اس کو اختیار نہیں کرتے حالانکہ اس سے قرآن و حدیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں پیدا ہوتا قرآن اپنی جگہ پر برحق اور حدیث اپنی جگہ پر صحیح مگر ہم نے امام بخاری کی تقلید میں لا صلوٰۃ والی حدیث کا وہ مطلب لیا جس سے قرآن و حدیث میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔ ردوہ الی اللہ والرسول پر عمل بھی نہیں ہوتا اور آپ جیسے سنجیدہ متین لوگوں کا دماغ بھی گھومنے لگتا ہے۔ دیکھئے ابا جی صحابی رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی بات رد کر دینے کا کیا خراب اثر ہماری دینی و عملی زندگی پر پڑا۔

باپ ۔ بیٹا ذرا آہستہ سے یہ بتلاؤ کہ تم آج کل مولانا غازی پوری کے پاس تو نہیں آنے جانے لگے ہو؟

بیٹا ۔ کیوں ابا جی مولانا غازی پوری کے پاس آنا جانا گناہ ہے کیا؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۴

جنوبی افریقہ کا سفر

۱۲ر اکتوبر رات قیام مولوی خالد سلمہٗ کے یہاں ہی رہا، آج صبح بعد نماز فجر بعد تھوڑی سی چہل قدمی کی گئی پھر مولوی خالد کے گھر مولوی ایوب منگیرا اور کچھ دوسرے شاگرد اکٹھا ہو گئے، ان سے بات چیت میں کچھ وقت گزرا، ناشتہ سے قبل مولوی خالد نے ایک مصری عالم کا تذکرہ کیا جو رابطہ کی طرف سے مبعوث ہیں اور کالوں میں وسیع پیمانہ پر دینی کام کر رہے ہیں، پھر انھوں نے ان سے رابطہ قائم کیا وہ اپنے گھر پر تھے میرا ذکر سن کر انھوں نے مولوی خالد سے کہا کہ میں دفتر آ رہا ہوں آپ مولانا کو لے کر میرے دفتر ہی آ جائیں۔ مولوی خالد نے مجھ سے کہا کہ پہلے ان سے مل لیا جائے پھر ناشتہ کیا جائے گا۔ مولوی خالد کے گھر سے ان کا دفتر بہت دور نہیں تھا، ہم وہاں دس منٹ میں پہنچ گئے ادھر ہم پہونچے اور ادھر وہ مصری عالم جن کا نام شیخ عبدالسلام تھا وہ پہونچے بڑے تپاک سے انھوں نے مجھ سے ملاقات کی، انھیں دیکھ کر میری بھی طبیعت خوش ہو گئی، عام مصری علماء کے برخلاف چہرہ پر ڈاڑھی، پیشانی پر سجدہ کا نشان، لباس ہمارے علماء جیسا، نہایت متواضع اور منکسر المزاج، نرم لہجہ میں بہت شیریں گفتگو کرتے ہیں، دین کی دعوت و تبلیغ اور اشاعت اسلام کا بے پناہ جذبہ ان کے دل میں ہے، تقریباً بارہ سال سے ساؤتھ افریقہ میں اسلام کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں، معلوم ہوا کہ اب تک ان کے ہاتھ پر چودہ ہزار سے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے ان کے زیر نگرانی تقریباً ۱۸ سو بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں جن میں

زیادہ تعداد کالوں کی ہے، ان بچوں کی تعلیم و تربیت کے بارہ مراکز ہیں ان مرکزوں کی نگرانی مولانا حبیب پاکستانی کرتے ہیں۔

شیخ عبدالسلام کا مرکزی دفتر دیکھ کر اور ان سے مل کر مجھے بھی بہت خوشی محسوس ہوئی، معلوم ہوا کہ اگر آدمی میں کام کا جذبہ ہو تو اشاعتِ دین کا کام زبردست پیمانہ پر ہو سکتا ہے مگر اس کیلئے ضرورت ہے کہ آدمی میں اخلاص ہو ذہن پروپیگنڈائی نہ ہو، نام و نمود کے حصول کے بجائے رضائے حق اس کے سامنے ہو، شیخ عبدالسلام میں یہ صفات پائی جاتی ہیں اس وجہ سے وہ بہت کامیاب اسلام کے مبلغ ثابت ہو رہے ہیں۔

ابھی ہم نے آج کا ناشتہ نہیں کیا تھا مولوی خالد سلمۂ، شیخ عبدالسلام اور ان کے پاکستانی رفیق کار مولانا حبیب کو بھی ناشتہ پر مدعو کیا تھوڑے سے تردد کے بعد انھوں نے مولوی خالد سلمۂ کی دعوت کو قبول کیا اور ہمارے ساتھ مولوی خالد کے گھر آئے جہاں ہم نے ساتھ میں ناشتہ کیا، ناشتہ کے بعد کچھ دیر شیخ عبدالسلام سے باتیں ہوتی رہیں پھر وہ اٹھ کر گئے اور ہم آئندہ کے پروگرام کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ساؤتھ افریقہ کے ایک گاؤں میں جس کا نام اسکر پورٹ ہے میرے ایک شاگرد مولوی ابراہیم پٹیل رہتے ہیں[1] ان کو جب اطلاع ملی کہ میرا جنوبی افریقہ کا سفر ہونے والا ہے

---

[1] مولوی ابراہیم پٹیل کی فراغت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ہوئی ہے، ڈابھیل سے قریب انکلیسوہ نام کا ایک گاؤں ہے، گجرات میں یہی گاؤں ان کے آباء و اجداد کا مسکن رہا ہے، جب یہ ڈابھیل تھے تو میرا اور جامعہ اسلامیہ کے صدر شعبۂ قرأت قاری احمد اللہ قاسمی کا اکثر ان کے گاؤں ان کی دعوت پر جانا ہوتا تھا، ان کے ساتھی مولوی صابر تھے (ان کا تذکرہ بعد میں آئے گا) مولوی ابراہیم اور مولوی صابر زیادہ تر ایک ساتھ رہتے تھے، میں نے ان کی ہمہ وقتی جوڑی کو دیکھ کر گنگوا جمنا ان کا نام رکھا تھا، مولوی ابراہیم نے ایک ملاقات میں اس نام کو یاد دلایا اور خوب ہنسے مولوی ابراہیم شروع سے تصوف سے دلچسپی رکھتے تھے، مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تو انھوں نے مفتی سعید ستارا سے رابطہ قائم رکھا اور جس روز مجھے جانسبرگ پہونچنا تھا اس روز وہ صبح سویرے ہی اپنے گاؤں سے جو آزادویل سے بچاس کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے ایرپورٹ پہونچ گئے تھے ۔ ان سے بھی ایرپورٹ پر ڈابھیل کے زمانہ کے بعد پہلی مرتبہ ملاقات ہو رہی تھی۔ انھوں نے مولوی سعید ستارا سے پہلے ہی سے اپنے یہاں کی دعوت کا پروگرام لے رکھا تھا۔ مولوی خالد سلمہٗ کے گھر سے مجھے انھیں کے گاؤں جانا تھا جو آزادویل شہر سے تقریباً پچاس کیلومیٹر ہے ۔ حسب پروگرام مولوی ابراہیم سلمہٗ صبح ساڑھے آٹھ نو بجے لینیا مولوی خالد کے گھر اپنے ایک رفیق سفر کے ساتھ پہنچ گئے ۔ ان کے گاؤں ہم لوگ جس راستہ سے جا رہے تھے پورا راستہ پہاڑوں اور وادیوں اور نشیب و فراز کے پر پیچ مگر نہایت سبز و شاداب علاقے والا راستہ تھا ، دونوں طرف سبزوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں تھیں، کبھی ہم پہاڑ کے برابر کے راستہ پر ہوتے اور کبھی بالکل پہاڑ کی جڑ میں چلے جاتے ، ایسے حسین قدرتی مناظر بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں ، راستے میں جگہ جگہ کالوں کی بستیاں نظر آتی تھیں ، پون گھنٹے میں ہم اسپکر پورٹ پہونچ گئے ، مولوی ابراہیم کا یہ گاؤں بالکل سنسان جگہ پر ہے ، چاروں طرف کھیت اور ہریالیاں ہیں بیچ میں چند گھر مسلمانوں کا ہے ان میں ایک گھرانہ مولوی ابراہیم اور ان کے بھائیوں کا ہے ۔ یہ اتنا چھوٹا گاؤں ہے کہ یہاں مسجد بھی نہیں ہے ، مولوی ابراہیم کے گھر کے ایک حصہ کو نماز کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے ، یہیں یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں ۔ یہاں جب ہم پہونچے تو دوپہر سے پہلے کا وقت تھا ، چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ظہر کی

(جو حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے) سے زمانہ طالب علمی ہی میں بیعت ہو گئے تھے ۔ سنا ہے کہ کسی اور اللہ والے سے ان کو خلافت بھی حاصل ہے ، ان کے گاؤں سے کچھ فاصلہ پر ان کی ایک دوکان ہے جس کو وہ صرف دو گھنٹہ کیلئے کھولتے ہیں ، اور اسی جگہ ایک مسجد میں امامت کرتے ہیں ۔ مزاج میں استغنار ہے ، اور دنیا کمانے کی زیادہ حرص نہیں ہے ، اپنے گاؤں میں ان کی اصلاحی مجلس بھی ہفتہ میں ایک روز منعقد ہوتی ہے ۔

نماز پڑھی گئی، پھر کھانا کھایا گیا اور آرام کرنے کیلئے اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے۔

مولوی ابراہیم پٹیل کے گھر سے قریب پانچ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ان کے بہنوئی مولوی عبداللہ مفتی رہتے ہیں[۱] انھوں نے دیوبند میں تعلیم حاصل کی ہے اس کے بعد غالباً کراچی کے مشہور مدرسہ دارالعلوم بنوری ٹاؤن میں بھی کچھ پڑھا ہے، ان کو میری آمد کی اطلاع ہوئی تھی تو وہ ملنے آئے تھے۔ دوپہر کے کھانے میں وہ ہمارے ساتھ شریک تھے انھوں نے اپنے مدرسہ جہاں ان کا گھر بھی ہے آنے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ ہم لوگ عصر سے قبل ان کے گاؤں پہونچے یہ جگہ بھی پہاڑوں سے گھری اور بڑی سبز وشاداب ہے، مولوی عبداللہ نے چائے پر خاصا اہتمام کیا تھا، یہاں ان کے مدرسہ میں شہتوت کے کئی درخت ہیں جو پھل سے لدے ہوئے تھے بڑے شیریں اور رسدار سائز میں بھی بہت بڑے ایسے شہتوت میری نظر سے اب تک

---

(۱) مولوی عبداللہ مفتی بڑے تیز طرار آدمی ہیں، عربی اچھی بولتے ہیں، علمی ذوق بھی انکا بہت پختہ ہے انگریزی بھی اچھی ہے بعض کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے، مولوی ابراہیم پٹیل سے انکی چھیڑ چھاڑ رہتی ہے، انکے کچھ اپنے تفردات اور انوکھے خیالات ہیں جن پر وہ پوری پختگی سے قائم ہیں۔ افریقہ میں پاؤں کی تکلیف میں مبتلا لوگ عام طور پر کرسی پر نماز پڑھتے ہیں اور رکوع سجدہ کرسی ہی پر کرتے ہیں، مفتی عبداللہ اسکو جائز نہیں سمجھتے ان کا کہنا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معذوروں کیلئے جو نماز کا طریقہ بتلایا ہے اسی طرح نماز پڑھنی چاہئے، مفتی عبداللہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر پہاڑ کی اوٹ میں سورج چلا جائے اور نگاہ سے چھپ جائے تو سورج غروب ہو جاتا ہے اب روزہ افطار کیا جاسکتا ہے اور مغرب کی نماز پڑھی جاسکتی ہے، مفتی عبداللہ صاحب کا خیال ہے کہ امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں اور دو تین سال کے بعد ان کا ظہور بھی ہوگا ——— مفتی عبداللہ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی پھر مولانا عبدالغفور نقشبندی سے غالباً مدینہ منورہ میں بیعت ہوئے اور انکو خلافت بھی انھیں سے حاصل ہے، انھوں نے اپنے گھر کے پاس ایک مدرسہ بھی بنا رکھا ہے۔ مدرسہ چھوٹا ہے مگر ان کا کام بڑا ہے، اس مدرسہ میں دور دراز علاقوں کے غریب ادھیڑ عمر رسیدہ لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مفتی عبداللہ کا کہنا ہے کہ انھوں نے خواب میں دو مرتبہ اللہ میاں کو دیکھا ہے اور متعدد بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خواب میں انھوں نے زیارت کی ہے۔

نہیں گزرے تھے۔ مجھے شہتوت بہت مرغوب ہے، خوب جی بھر کے کھایا، مغرب سے قبل ہم لوگ مولوی ابراہیم پٹیل سلمہٗ کے گھر آ گئے، عشاء کی نماز اس مسجد میں ادا کی گئی جس میں مولوی ابراہیم جمعہ کی نماز پڑھاتے ہیں، عشا بعد میرا بیس پچیس منٹ کا بیان ہوا، پھر کچھ سوالات وجوابات کا سلسلہ چلا، میری تقریر کا ترجمہ مولوی محمد سلمہ نے کیا(۱) اور جو مجھ سے سوالات ہوتے رہے اس کا جواب میں مختصراً مولوی محمد سلمہٗ کو بتلا دیتا تھا پھر وہ اس کو انگریزی خوب پھیلا کر لوگوں کو مطمئن کر دیتے تھے۔ عشاء کا کھانا مولوی محمود سلمہ اللہ کے سالے کے یہاں تھا جو اسی جگہ رہتے ہیں، تقریباً دس گیارہ بجے رات کو واپسی ہوئی۔

جس روز ہم لوگ مولوی ابراہیم کے گاؤں پہونچے تو مولوی ابراہیم نے دوپہر کے قریب مجھ سے کہا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں تھوڑی دیر کیلئے اپنی دوکان کھول لوں تاکہ جو روزانہ کے گاہک ہیں وہ پریشان نہ ہوں، میں نے کہا کہ ضرور جاؤ، وہ گئے اور دس منٹ ہی میں واپس آ گئے، میں نے پوچھا کیوں واپس آ گئے کہنے لگے میرا بھتیجہ مل گیا اس نے کہا کہ آپ مولانا کے ساتھ رہئے میں آپ کی دوکان آج بیٹھ جاؤں گا۔ آپس کے اس طرح کے تعاون سے گجرات کی برادری

---

(۱) مولوی محمد سلمہٗ نوجوان فاضل ہیں، پاکستان کے کسی مدرسہ سے فارغ ہیں، بہت ذی صلاحیت اور ذی استعداد ہیں، کم گو اور شریف طبیعت والے انسان ہیں، انھوں نے پاکستان میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دو تین سال مدینہ منورہ میں شیخ عوامہ کی خدمت میں رہ کر اپنی استعداد کو مزید جلا دی ہے۔ احادیث اور اخلاقیات کی کتابوں پر گہری نظر ہے، بہت اچھی عربی بولتے ہیں، ابن تیمیہ کے بارے میں انکی رائے بہت زیادہ خوش عقیدگی کی نہیں ہے، ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں پر ان کی اچھی نظر ہے میرے ساتھ ان کو بہت موانست پیدا ہو گئی تھی، یہ میرے پاس بار بار آتے رہے اور زیادہ مجھ سے ان کی گفتگو کسی علمی موضوع پر رہی، اندازہ ہوا کہ یہ خالص علمی آدمی ہیں، جیسا کہ عام دستور ہے علمی آدمی کو لوگ بہت دیر میں پہچانتے ہیں اس وجہ سے مولوی احمد سلمہ کو بھی ابھی افریقہ کے اہل علم نے جانا نہیں ہے یہ بیچارے ابھی بیکار ہیں کسی مدرسہ سے لگے نہیں ہیں۔

ترقی پر ہے، مولوی ابراہیم کو پورا اطمینان ہے کہ مجھے ایک ایک پیسہ مل جائے گا، انھوں نے بلا تکلف اپنے بھتیجہ کو جس کا اس دوکان میں کچھ حصہ نہیں ہے چابی دیکر بھیج دیا، اس نے اس روز دوکان صرف ایک گھنٹہ کے لیے کھولی میں نے پوچھا کہ ایک گھنٹہ میں کتنی بکری کی کہا کہ چھ سو رین۔

۱۷راکتوبر۔ آج کا پورا دن مولوی ابراہیم کے یہاں گزارنا تھا، پروگرام آج صرف کھانے اور تفریح کا تھا۔ آٹھ بجے ایک صاحب کے یہاں ناشتہ کرنا تھا اور پھر اس کے بعد زود دیکھنے اور پہاڑوں پر سے فضا میں انسانوں کے اڑنے کا منظر دیکھنا تھا، حسب پروگرام ہم ناشتہ سے فارغ ہوئے پھر زود دیکھنے گئے، یہ زود ایک بڑے ڈیم کے قریب واقع ہے، زو کی دیوار سے اس ڈیم کا پانی لگتا ہے، ڈیم میں پچاسوں تیز رفتار مشینی کشتیاں تھیں جن پر لوگ پانی میں دور تک جاتے تھے، ان کشتیوں سے لطف اٹھانے والے زیادہ تر گورے تھے، مسلمان کوئی نظر نہیں آیا دو ایک کالے بھی ان کشتیوں کو چلاتے ہوئے نظر آئے، مجھ سے بھی ساتھیوں نے کہا مگر میری ہمت نہیں پڑی، یہاں کے زو میں کوئی خاص بات نہیں ہے، البتہ سانپوں کی بڑی مقدار ہے، ایک سانپ دیکھنے میں آیا جس کی لمبائی تقریباً پانچ میٹر تھی، معلوم ہوا کہ یہ سانپ ۱۰ میٹر تک لمبا ہوتا ہے اور اس کا وزن ایک سو بیس کیلو تک پہونچتا ہے۔

یہاں سے ہم اس پہاڑ پر گئے جہاں سے لوگ فضا میں پلاسٹک کی پروں اور غبارہ جیسی پلاسٹک ہی کی چیز کے ذریعہ سے ہوا کے سہارے فضا میں اڑتے ہیں، اس منظر کو دیکھنے کا ہمیں بہت شوق تھا لیکن افسوس اس روز ہوا کی رفتار بہت کم تھی اس وجہ سے اڑنے والوں میں سے دو ایک نے کوشش بھی کی مگر ہوا کی رفتار کمزور ہونے کی وجہ وہ کامیاب نہ ہوسکے اور ان میں سے ایک نے جس سے ہم لوگوں نے اس اڑان کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کی تھیں معذرت بھی کی کہ آج ہوا موافق نہیں ہے اسلئے اڑنا نہ ہو سکے گا، مجھے دیکھ کر یہ حیرانی ہوئی کہ اس اڑان میں حصہ لینے والی بعض نوجوان عورتیں اور لڑکیاں بھی تھیں اس پرخطر اڑان کے لئے ان کی ہمت کی مجھے داد دینی پڑی، ہر سنیچر اور اتوار کے روز یہاں اڑنے والے

آتے ہیں، انسان کی اڑان دیکھنے والوں کا ایک اچھا خاصا ہجوم ہوتا ہے، اس پہاڑ کی بلندی تقریباً گیارہ سو فٹ تھی اور ہم اس کی چوٹی پر مشینی اڑن کھٹولے کے ذریعہ گئے تھے یہ اڑن کھٹولا ایک لوہے کے تار سے لگا ہوا تھا اور بجلی سے چل رہا تھا اس پر بیٹھ کر ہم صرف دس منٹ میں آٹھ سو فٹ بلندی کے پہاڑ کی اوپری سطح پر بڑی آسانی سے پہونچ گئے، اڑن کھٹولے سے دس منٹ والا یہ سفر خود ایک دلچسپ تفریح تھی۔

اس تفریح میں مولوی ابراہیم پٹیل کے علاوہ میرے شاگرد یعقوب مفتی اور ان کے ایک اور رفیق سفر بھی تھے، یہ لوگ مجھے لینے کے لئے آئے تھے کل کا دن یعقوب مفتی کے یہاں گزارنا تھا۔ اب ہم کافی تھک چکے تھے اس لئے واپسی میں جلدی کی اور کھانا کھا کر آرام کے لئے اپنی آرام گاہ میں چلا گیا۔

عصر سے پہلے میرے بہت سے شاگرد مولوی ابراہیم پٹیل کے گھر جمع ہو گئے تھے۔ مولوی مفتی سعید، مولوی احمد درویش، مولانا عبدالرحیم، مولوی خالد مولوی ایوب منگیرا وغیرہ آگئے تھے، آج مولوی ابراہیم نے بھنے گوشت اور کباب کا جو وہاں ایک خاص طرز سے اور مختلف جانوروں کے گوشت سے تیار کیا جاتا ہے۔ پروگرام بنایا تھا اور اپنے بہت سے رشتہ داروں اور ساتھیوں کو بھی دعوت دی تھی، یہ دعوت بھی تھی اور بہت پُرلطف اور بے تکلف تفریح بھی تھی۔ گوشت اور کباب بہت لذیذ بنے تھے اور بہت وافر مقدار میں تھے سب لوگوں نے اس تفریح اور دعوت سے خوب لطف لیا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا صبح ہی مولوی یعقوب مفتی مجھے لینے کے لئے آگئے تھے۔ پروگرام تو مولوی ابراہیم کی دعوت سے فارغ ہو کر رات انھیں کے گھر آرام کرنے پھر صبح مولوی یعقوب مفتی کے گھر RLERKSDo R P جانے کا تھا مگر جب یہ معلوم ہوا کہ یہاں سے مولوی یعقوب کا شہر گھنٹہ سوا گھنٹہ کے فاصلہ پر ہے تو میں نے مولوی یعقوب سے کہا کہ ہم لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر نکل چلیں گے۔ تاکہ ان کے گھر ہی جا کر آرام کریں اور صبح کا وقت بچ جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا دوسرے احباب جو دور دور سے آئے تھے سب نے رات ہی میں واپسی کا پروگرام

بنایا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد ہم مولوی یعقوب کے گھر آ گئے راستہ میں میں گاڑی ہی پر سو گیا تھا اس وجہ سے مجھے احساس بھی نہیں ہوا کہ ہم کب پہونچ گئے۔ معلوم ہوا کہ مولوی یعقوب نے ڈیڑھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی چلائی تھی۔ ساڑھے دس بجے رات میں میں مولوی یعقوب کے گھر اپنے بستر پر تھا، رات بہت آرام سے گزری۔

(۱۴ اکتوبر) آج صبح ناشتہ کے بعد مولوی یعقوب کے اسکول[1] (اسلامی میٹرک اسکول) گیا، آج پہلی مرتبہ لڑکوں کو انٹر کا امتحان دینا تھا، میں نے دیکھا کہ انٹر کے بیسارے طلبہ عمامہ باندھے ہوئے ہیں، لنگے کرتے میں ہیں اور سب کے چہرہ پر داڑھی ہے، سورہ یٰسٓ پڑھ کر وہ امتحان کی کامیابی کیلئے دعا میں مشغول تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر طبیعت پر بہت اثر ہوا۔

---

(۱) اسلامی انٹر اسکول کو ۱۹۹۴ء میں خود مولوی یعقوب صاحب نے قائم کیا تھا، اس کا نصاب تعلیم اس طرح بنایا گیا ہے کہ یہاں پڑھنے والا ہر طالب علم اور طالبہ دین سے پوری طرح واقف ہو اور دینداری کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہو، اسے دین کی بنیادی تعلیم کا پورا علم ہو، جو بچیاں تھیں وہ بھی ساتر لباس میں تھیں لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط نہ ہو اس کا پورا لحاظ کیا گیا ہے اسکول کی عمارت بہت دیدہ زیب ہے، صفائی ستھرائی کا خاص نظم ہے، مسلمانوں کی امانت سے اسکول کا پورا خرچ پورا ہوتا ہے، اس اسکول میں عملہ کی تعداد ۲۵ کے قریب ہے، ابتدائی تنخواہ مدرسین کی چار ہزار رینڈ ہوتی ہے اور سات ہزار تک پہنچتی ہے۔

اس اسکول میں جو استانیاں ہیں ان میں بعض ہندو اور عیسائی بھی ہیں مگر وہ اسکول میں پورے پردہ اور ساتر لباس میں ہوتی ہیں۔ اس اسکول کا نظام دیکھ کر مولوی یعقوب مفتی سلمہٗ کے حسن انتظام اور مسلمان بچے اور بچیوں کی اسلامی تربیت سے ان کی دلچسپی کی داد دینی پڑتی ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ساؤتھ افریقہ میں مسلمان ادارے کس انداز پر مسلمان بچوں کی تربیت کر رہے ہیں۔ میرے پہونچنے کے بعد پھر اجتماعی دعا ہوئی اور یہ بچے امتحان گاہ میں داخل ہوئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر مولوی یعقوب ان جگہوں میں سے ایک جگہ لے گئے جہاں سے سونا نکلتا ہے اصل کان کے اندر تو جانا نہ ہو سکا اس لئے کہ اب وہاں جانے کی عام لوگوں کو اجازت نہیں ہے، پہلے اجازت تھی مگر اب کسی وجہ سے عام لوگوں کے داخلہ کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے البتہ مولوی یعقوب کی کوششوں سے ایک گورے بڑے افسر سے ملاقات ہو گئی اس کے بعد ہم لوگ اس جگہ پر گئے جہاں زیر زمین کان کا مصنوعی نقشہ ہے، اس نے پوری تفصیل سے ہم لوگوں کو بتلایا کہ سونا کس طرح سے نکلتا ہے اور کتنے مرحلوں سے گزر کر سونے کی اینٹ میں تبدیل ہوتا ہے، یہ افسر بڑا خلیق تھا، اس نے رخصت کرتے وقت مولوی یعقوب سے کہا کہ مجھے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ والا کلنڈر چاہئے۔ اتفاق سے یہ کلنڈر مولوی یعقوب کی گاڑی میں تھا انھوں نے اس کو دونوں کلنڈر پیش کر دیا۔

واپسی میں کچھ ادھر ادھر تفریح کرتے ہوئے ہم مولوی یعقوب کے گھر آ گئے اور کھانا کھا کر آرام کیا، عصر بعد مولوی یعقوب کالوں کی ایک بستی میں لے گئے جہاں انھوں نے کالے بچوں کیلئے ایک مدرسہ قائم کر رکھا ہے، یہاں مدرسہ کی عمارت اور مسجد ہے، کالے مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۲۵ گھر کی ہے، کالوں کے ایک صاحب یہاں تعلیم اور امامت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں، مولوی یعقوب نے بتلایا کہ یہ بہت ذمہ دار شخص ہیں اور پوری لگن سے کام کرتے ہیں، کالوں میں ماشاء اللہ یہاں کام خوب ہو رہا ہے، مولوی یعقوب نے بتلایا کہ کالوں کی بستیوں میں اس طرح کے ان کے چار مدرسے چل رہے ہیں۔ کالوں کے بچے قرآن بہت عمدہ پڑھتے ہیں اور بعض تو اپنی ذہانت اور تعلیمی ذوق وشوق میں ہمارے طلبہ سے بھی بہت فائق ہوتے ہیں۔ رات میں مولوی یعقوب مفتی کے والد کے گھر کھانا ہوا ان کے والد کافی معمر ہیں حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدینہ منورہ اور حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ ہیں۔ اپنے اکابر سے بڑی محبت رکھتے ہیں اردو بھی بہت

بقیہ صہ ۳ پر

قارئین زمزم متوجہ ہوں

مکتبہ اثریہ سے شائع ہونے والی مولانا غازی پوری کی عربی تصنیف "صور تتطق" اپنے موضوع پر ایک انوکھی اور منفرد تصنیف ہے، ردّ غیر مقلدیت پر ایک دستاویز ہے، اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، غیر مقلدین کی دسیوں کتابوں کا اصل فوٹو سے یہ کتاب مزین ہے، مکتبہ اثریہ سے رابطہ قائم کرکے آج ہی اس کتاب کا ایک نسخہ ضرور حاصل کریں۔

قارئین زمزم سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ منی آڈر بھیجتے وقت یا پرچہ کے سلسلہ میں خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اس کا لحاظ نہ رکھنے سے دفتر کو سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اور زمزم کے خریداروں کو ادارہ سے شکایت پیدا ہو رہی ہے۔ براہ کرم زمزم کے خریدار حضرات خط و کتابت کے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں

جلد ۶

شمارہ ۴

رجب، شعبان سنہ ۱۴۲۴ھ

مُدیر مسئول و مُدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ـــ ۷۰ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی ۱۲۰ روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ

غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ

قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور ـــ یوپی

پن کوڈ: ۲۳۳۰۰۱ - فون نمبر ۲۲۲۵۲۳، ۲۲۱۷۵۷، ۰۵۴۸

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

آداریہ

حتی لا تکون فتنۃ

"فتنہ" عربی کا لفظ ہے، اردو میں بھی اس کا استعمال عام ہے، فتنہ کا مطلب ہوتا ہے ہر وہ عمل اور ہر وہ چیز جس سے انسان اپنے دین وایمان میں آزمائش سے دوچار ہو جائے، اور راہ حق سے بھٹک کر گمراہی کا راستہ اختیار کرلے، قرآن میں اموال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا گیا ہے اللہ کا ارشاد ہے انما اموالکم واولادکم فتنۃ، اموال کو فتنہ قرار دیا کہ اگر انسان شریعت کی پابندیوں سے اپنے کو آزاد کرلے تو مال و دولت کے نشہ میں وہ شریعت کے حدود کو پھلانگ جائے گا اور یہ مال اس کے دین وایمان کے لئے آزمائش بن جائے گا، اولاد کا بھی یہی حال ہے، ماں باپ کو اپنی اولاد سے فطرۃ محبت ہوتی ہے، اور وہ ان کی محبت میں کبھی شرعی حدود سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور اس کی جائز وناجائز ہر خواہش کو پورا کرنے ہی کو وہ اپنی محبت کا تقاضا سمجھتے ہیں، اور یہیں پر ان کا دین وایمان شدید آزمائش سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اگر آدمی کو قدرت سنبھالا نہ دے تو وہ گمراہی کی کھائی میں گرتا ہی چلا جائے۔

فتنہ کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ آدمی کتاب وسنت کی توضیح وتشریح اپنے من سے کرنے لگے اور اپنی رائے کو دین میں دخل دینے لگے، یہ فتنہ پہلے بھی رہا ہے اور اب بھی اس فتنہ کا بڑا زور ہے، متعدد ایسی جماعتیں آجکل پائی جارہی ہیں جنھوں نے کتاب وسنت کو اپنی آراء وافکار کا تابع بنالیا ہے۔ اور ان کے قلم سے کتاب وسنت کی نئی نئی تشریح سامنے آرہی ہے، اس قسم کے لوگ امت کے لئے بہت بڑا فتنہ ہیں اور نوجوان طبقہ کی گمراہی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

آج کل کی نئی ایجادات بھی انسانوں کے لئے فتنہ بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً ریڈیو، ویڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ وغیرہ موجودہ دور کی ایجادات نے انسان کے دین و ایمان ہی کو نہیں تباہ کیا ہے بلکہ ان سے پورا انسانی معاشرہ گندہ ہو رہا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے گندہ گانا گاتے ہوئے گلیوں میں گھومتے پھرتے نظر آرہے ہیں، ان کا اخلاق بگڑ رہا ہے، لڑکیاں شرم و حیا کے زیور سے عاری ہو رہی ہیں، ان کی چال ڈھال، لباس، طور طریقہ سب بالکل بدل گیا ہے۔

کھیل کود جسمانی ورزش کے لئے تھے مگر اب یہ کھیل کود موجودہ دور میں زبردست فتنہ بن گئے ہیں، کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے تو پورا پورا دن انسان کا اس کھیل کو دیکھنے میں اس طرح گزرتا ہے کہ نہ اذان کی آواز کانوں میں جاتی ہے اور نہ نماز کے وقت کا اندازہ لگتا ہے اور نہ مسجد میں آنے کی توفیق ہوتی ہے اور نہ دوسری ذمہ داریاں پوری کرنے کا آدمی کو دھیان رہتا ہے۔

موجودہ دور لٹریچر کا دور کہلاتا ہے، علم و ادب اور زبان کی خدمت کے نام پر فحش لٹریچر کا بازار گرم ہے، جو نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو گمراہ کر رہے ہیں، ان کے ذہن و دماغ کو مسموم کر رہے ہیں، ان کے اخلاق کو تباہ کر رہے ہیں، صحافت کے ذریعہ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بتلانے کا کارنامہ انجام دیا جا رہا ہے، ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

غرض فتنوں کا ایک سمندر ہے جو پوری انسانیت کو ڈبوئے لئے جا رہا ہے اور قدم قدم پر ہمارے دین و ایمان کی آزمائش ہو رہی ہے۔ ایسے میں بحیثیت ایک مسلمان ہماری ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے کہ ہم ان فتنوں کے سدباب کیلئے کمربستہ ہو جائیں اور اپنی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی قوم اور ملت کو ان فتنوں سے بچائیں اور اقوام عالم کے لئے سیمابن جائیں یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے، وقت کی پکار ہے، ہمیں اس پکار پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اسلام کا پاکیزہ معاشرہ قائم ہو تاکہ انسان سکون کی زندگی بسر کرے، اور نوجوانوں کے اخلاق وعادات کا سدھار ہو، اس ذمہ داری کو پورا کرنا صرف علماء کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں کو اس کا احساس ہونا چاہئے، اور اپنی اپنی وسعت اور صلاحیت کے مطابق معاشرہ کو اسلامی بنانے کا فریضہ انجام دینا چاہئے۔ حدیث پاک میں ہر مسلمان کو ذمہ دار بنایا گیا ہے

کلکم مسئولون وکلکم مسئول عن رعیتہ، رسول پاک ارشاد ہے، یعنی دینی اعتبار سے ہر مسلمان ذمہ دار ہے اور قیامت کے روز اس کی ذمہ داری کی ادائیگی کے بارے میں اس سے سوال ہوگا کہ اس نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا یا نہیں، علماء اور عوام کے تعاون سے موجودہ دور کے فتنوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، البتہ مسلسل جدوجہد اور بڑے صبر و استقامت کی ضرورت ہوگی۔ حتیٰ لا تکون فتنۃ (یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے) کے نشانہ کو آسانی سے نہیں پایا جا سکتا ہے۔

صـ۳۸ کا بقیہ :-

حدیث سے صریح طور پر چھ اور سات کا منسوخ ہونا مولانا کو معلوم ہے؟

مولانا مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کو میں نے بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کے لئے ہاتھ میں لیا تھا مگر اس کو پڑھنے کے بعد مولانا کے بارے میں میں کچھ اچھی رائے قائم نہیں کر سکا، بلکہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس کتاب کو پڑھ کر میری الجھنیں مزید بڑھ گئیں اور مولانا کا فقیہ العصر ہونا میرے نزدیک خوامخواہ کا مبالغہ معلوم ہوا۔

صـ۲۶ کا بقیہ :-

کالمسائل اللتی یقتضی فیہا القیاس امرا الا ان ذالک الامر یودی الیٰ تقریب مصلحۃ من جہۃ او جلب مفسدۃ کذالک۔

(علم اصول الفقہ للاستاد خلاف)

کرتا ہے مثلاً کسی مسئلہ کے بارے میں قیاس ظاہر کچھ چاہتا ہے لیکن اس پر عمل کرنے کی وجہ سے یا تو کوئی مصلحتِ شرعیہ فوت ہوتی ہے یا اس کی وجہ سے کوئی مفسدہ لازم آتا ہے۔

صـ۶۱ کا بقیہ :-

اول وقت میں فجر کی نماز ادا کی اور آزاد ویل کے لئے روانہ ہو گئے، مجھے بھی آج ہی واپس ہونا تھا میرا سفر ہوائی جہاز سے تھا۔ جس کا وقت دس بجے تھا۔

محمد ابوبکر غازیپوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا ہمیں عید کی نماز کے لئے عیدگاہ نکلنے سے پہلے ہی حکم فرمایا۔

صدقۂ فطر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عید کے موقع پر جو کہ عام مسلمانوں کے لئے کھانے پینے اور خوشی کا دن ہے، اس دن امیر وغریب سب اس خوشی میں شریک ہوں، بہت سے تنگ دست وبدحال لوگ اس دن اپنے افلاس اور تنگ دستی کی وجہ سے کھانے پہننے کا انتظام نہیں کرپاتے ہیں، تو ان کی مدد کے لئے شریعت نے یہ حکم فرمایا ہے کہ صاحب نصاب مسلمان اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے اور اس کو فقراء اور محتاجوں پر عید کی نماز سے پہلے ہی تقسیم کردے تاکہ وہ بھی اپنے کھانے پینے اور اچھے لباس کا انتظام کرسکیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھنے، زکوۃ دینے، صلہ رحمی کرنے اور پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

نماز دین کا ستون ہے، کسی کو بلا عذر شرعی نماز چھوڑنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قصداً نماز چھوڑنے والا کفر کے درجہ تک پہونچ جاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے روز مسلمانوں سے سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں سوال ہوگا۔ اس لئے شریعت میں نماز کی بڑی تاکید ہے۔

زکوٰۃ بھی صاحب نصاب مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور مسلمانوں کو زکوۃ ادا کرنا ان کے ایمان

کا تقاضا ہے، اس سے خود اپنے مال میں برکت ہوتی ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کا بھی انتظام ہوتا ہے، نیز مسلمانوں کی بہت سی اجتماعی ضروریات بھی زکوٰۃ کے مال سے پوری ہوتی ہے۔

صلۂ رحمی یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک برتنے کی بھی شریعت میں بڑی تاکید ہے، رشتہ داروں کی خبر گیری کرنا، ان کی ضرورتوں کو حسب گنجائش پوری کرنا، انکی دریافت حال کرتے رہنا، ان کے گھروں سے آنے جانے کا تعلق رکھنا یہ ساری چیزیں صلۂ رحمی میں داخل ہیں، متعدد احادیث میں ان لوگوں کے لئے شدید وعید وارد ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کئے رہتے ہیں۔

عفت و پاکدامنی مسلمانوں کا زیور ہے، اور اس سے انسان کا وقار قائم رہتا ہے، اور اس کی شخصیت لوگوں میں محترم رہتی ہے، جو لوگ بے حیا اور بے شرم ہوتے ہیں اور اپنی عفت و پاکدامنی کا خیال نہیں رکھتے ان کو معاشرہ بری نگاہ سے دیکھتا ہے، لوگوں کی نگاہ سے وہ گرا رہتا ہے۔

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بطور خصوص ان چار باتوں کی صحابہ کرام کو تاکید کیا کرتے تھے اس سے ان چار باتوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ کا حکم تھا اسرعوا بالجنازۃ یعنی جنازہ کو جلدی لے کر چلو۔

شریعت کا حکم ہے کہ جنازہ کے غسل تکفین اور تدفین میں جلدی کرنی چاہئے اور اسکو اٹھا کر تیز قدم سے قبر کی طرف لے جانا چاہئے۔ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا سے ختم ہو جاتا ہے اب اسکی منزل قبر ہوتی ہے اس لئے اس کو اس کی منزل تک پہونچانے میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مردہ کو دفن کرنے میں تاخیر کو پسند نہیں کرتے تھے یہی صحابہ کرام اور اسلاف کا طریقہ تھا، اور یہی سنت ہے۔

افسوس آج کل لوگ اس سنت سے بے پرواہ ہیں اور مردہ کی تجہیز و تکفین میں تاخیر کرنا عام مسلمانوں کا مزاج بنتا جا رہا ہے۔ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث

میں فرمایا کہ مردہ کو جلدی لے کر چلو اس لئے کہ اگر مرنے والا نیک انسان ہے تو قبر میں جو اس کیلئے اللہ نے خیر و برکات رکھی ہیں وہ اسے جلدی حاصل ہوں گی، اور اگر مردہ کوئی گناہ گار اور برے عمل والا ہے تو کاندھے پر تم نے ایک برائی لاد رکھی ہے اس کو جلد سے جلد اپنے کاندھوں سے اتار دو۔

(۴) حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار تھے آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کی تکلیف دیکھ کر متاثر ہوئے اور آپ کی آنکھ سے آنسو بہ پڑا، آپ کو روتا دیکھ کر آپ کے ساتھ جو صحابہ تھے وہ بھی رونے لگے، تو آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالے رونے اور قلب کے غمگین ہونے پر عذاب نہیں دیتا اللہ کا عذاب ان کو ہوتا ہے جو زبان سے چیخ و پکار کرتے ہیں۔

کسی کی تکلیف سے متاثر ہونا انسانی فطرت ہے، اور انسانیت کا تقاضا ہے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانی فطرت کے مالک تھے، اس وجہ سے عام انسان جن باتوں سے متاثر ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے متاثر ہوا کرتے تھے۔ البتہ دوسروں میں اور آپ میں فرق یہ تھا کہ آپ کا تاثر شریعت کے حدود سے تجاوز نہیں کرتا تھا جب کہ دوسرے انسان بے قابو ہو کر شریعت کے حدود کو پھلانگ جاتے ہیں، اور یہی چیز ان کے لئے باعث عذاب ہوتی ہے، کسی کسی تکلیف پر آنسو بہانا، دل کا رنجیدہ ہونا، مردہ کو دیکھ کر چہرے پر غم کے آثار کا پیدا ہو جانا یہ سب فطری امور ہیں، ان پر شریعت کی طرف سے کوئی گرفت نہیں ہے، بلکہ انسان میں یہ چیزیں نہ پیدا ہوں تو اسے سخت دل اور قسی القلب کہا جائیگا جو انسان کی ایک مذموم صفت ہے، البتہ انسان کو اپنی طبیعت پر اتنا قابو ضرور رکھنا چاہئے کہ مصیبت اور پریشانی کے وقت میں شریعت کے حدود سے آگے نہ بڑھے، مثلاً مردہ کو دیکھ کر چیخ و پکار کرنا، زبان سے ہائے وائے کا نعرہ بلند کرنا، گریبان چاک کرنا، چہرہ پیٹنا، یہ چیزیں شریعت میں ممنوع ہیں، یا اسی طرح تین دن سے زیادہ سوگ منانا یہ بھی شریعت

بقیہ ص۱۴ پر

محمد اسحاق بھٹی

قسط ۲

صاحبِ کنز العمال

شیخ علی متقی بن حسام الدین برہان پوری

کے کچھ حالات

سلطان محمود گجراتی کی عقیدت

والیِ گجرات سلطان محمود، شیخ علی متقی کا بہت عقیدت مند تھا اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ وہ غیر مسنون لباس زیب تن کرتا تھا اس لئے شیخ اس کی طرف نظرِ التفات اور عنانِ توجہ مبذول نہ فرماتے تھے۔ ایک روز وہ صلحا کا سا لباس پہن کر آیا تو شیخ نے اس کو رضامندی کی نگاہ سے دیکھا اس سے سلطان بہت خوش ہوا، اور اپنے مکان پر تشریف لے جانے کی درخواست کی تاکہ اس کے سب اہلِ خانہ شیخ کے نقشِ قدم پر چلیں اور ان کے فرمان پر عمل پیرا ہوں۔

منقول ہے کہ سلطان محمود پانی پینے میں بہت شکی مزاج تھا اور دیکھ دیکھ کر گلاس لبوں سے لگاتا اور گھونٹ حلق سے نیچے اتارتا تھا۔ شک کی یہ کیفیت اس کے دل سے نکلتی نہ تھی۔

شیخ علی متقی کو معلوم ہوا تو انھوں نے پانی سے بھرا ہوا ایک طشت منگایا، اس میں اپنی ٹوپی دھوئی اور پانی پھینک دیا۔ یہ عمل انھوں نے تین مرتبہ کیا۔ چوتھی مرتبہ اس طشت میں صاف و شفاف پانی بھروا کر سلطان سے فرمایا۔

بابا محمود۔ ایں آبے است کہ در شریعتِ مطہرہ پاک و لطیف است و شک کردن

دریں معنی از وسواس ست، وسواس کار شیطان ست، ایں آب را بخورید و ہیچ شبہ را بخود راہ ندہید۔

بابا محمود! شریعت مطہرہ کی رو سے یہ پانی پاک و صاف ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک کرنا وسواس ہے اور وسواس شیطانی کام ہے۔ پانی پی لو اور کوئی وسوسہ دل میں نہ لاؤ۔

چنانچہ سلطان محمود نے وہ پانی پیا اور اس کے پیتے ہی سلطان کے دل سے وہم اور شک کی بیماری دور ہو گئی۔

شیخ جب دوسری مرتبہ مکہ مکرمہ سے وارد ہند ہوئے تو گجرات میں سکونت اختیار کی۔ ان دنوں گجرات کا فرماں روا سلطان محمود شاہ تھا، جو شیخ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ شیخ نے اس کو شریعت پر عمل پیرا ہونے اور ملک میں احکام شرع کے نفاذ کی تلقین کی۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام وزرا و امرا کے نام حکم جاری کر دیا کہ خلاف شرع رسوم و عوائد کو ختم کر دیا جائے اور مملکت میں حدود شرعی کی تنفیذ کی جائے

مکہ مکرمہ میں

شیخ طویل عرصہ تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور ان کی وفات بھی اس ارض پاک میں ہوئی شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ ۹۴۷ھ میں مکہ مکرمہ میں شیخ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ میں ان کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ بھی میرے ہاں آتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ ورع و تقویٰ اور زہد و عبادت کے زیور سے آراستہ عالم دین تھے۔ کم خوری بلکہ بھوک کی وجہ سے اس درجہ نحیف البدن تھے کہ جسم پر چند اوقیہ سے زیادہ گوشت نظر نہ آتا تھا۔ خاموشی اور عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ صرف نماز جمعہ کے لئے گھر سے نکلتے اور حرم میں آتے۔ بیت اللہ کے ایک کونے میں آ کر بیٹھ جاتے اور نماز سے فارغ ہو کر تیزی سے باہر نکل جاتے۔

شعرانی مزید لکھتے ہیں: میں ان کے گھر گیا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ فقرائے صادقین کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ ان میں سے کوئی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور کوئی

مطالعۂ کتب میں معروف ہے، کوئی متوجہ الی اللہ ہو کر عبادتِ الٰہی میں مستغرق ہے اور کوئی ذکر و مراقبہ کی کیفیت میں ہے۔ کہ مکرمہ میں وہ اپنی نوعیت کی واحد مجلس تھی، جس سے میں بے حد متاثر ہوا۔

قیامِ مکہ کے دوران میں شیخ کی شہرتِ علمی اور ادائے عبادت و زہد دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ترکی کے عثمانی حکمران سلطان سلیمان کو بھی اس کا علم ہوا۔ وہ بڑا شجاع اور نیک خو بادشاہ تھا۔ وہ ان کے گوناگوں اوصاف سے مطلع ہوا تو اس کے دل میں ان کی قدر و منزلت نے کروٹ لی، اور اس نے ایک مکتوب کے ذریعے ان سے دعائے خیر کی التجا کی۔

علمی و تصنیفی خدمات

شیخ علی متقی کی علمی و تصنیفی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ یا تو مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف میں معروف رہتے یا عبادت اور ذکرِ الٰہی میں اپنا وقت صرف کرتے۔ وہ قلیل النوم قلیل الطعام اور قلیل الکلام بزرگ تھے۔ ہمہ وقت لکھنے پڑھنے میں مشغول رہنے کی وجہ سے ان کی جسمانی حالت اس درجہ کمزور ہوگئی تھی کہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہو کر رہ گئے تھے۔ کہ معظمہ چلے گئے تھے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کی تصنیفات کی تعداد سو سے اوپر ہے جن میں سے اہم اور مشہور کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ شئون المنزلات :۔ یہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اس میں انھوں نے مستند اور مسلّمہ حوالوں سے مختلف آیاتِ قرآنی کے شانِ نزول اور محلِّ نزول کا تذکرہ کیا ہے نیز بعض الفاظ و آیات کی نحوی اور لسانی نقطۂ نظر سے وضاحت کی ہے۔ یہ کتاب آیت بہ آیت پورے قرآن مجید کی تفسیر نہیں ہے، بلکہ صرف ان آیات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے جو صرف و نحو بیان و معانی اور سببِ نزول کی وجہ سے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں اور جن کے مطالب کی وضاحت ان کے نزدیک ضروری تھی۔

۲۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال :۔ اہلِ علم میں شیخ علی متقی کی یہ

ایک نہایت مشہور کتاب ہے۔ یہ کتاب کس طرح معرضِ تصنیف میں آئی، اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ امام سیوطی نے ایک کتاب مرتب کی، جس کا نام جمع الجوامع رکھا۔ یہ کتاب احادیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بہترین مجموعہ ہے۔ اس کتاب کی ترتیب یہ رکھی تھی کہ تمام قولی احادیث حدیث کے پہلے لفظ کے اعتبار سے اور فعلی احادیث، راویوں کے نام کے اعتبار سے مرتب کی گئی تھیں۔ یہ کتاب بہت ضخیم ہو گئی تھی، چنانچہ سیوطی نے الجامع الصغیر کے نام سے اس کو ملخص کیا جس میں افعال رسول اللہ کو چھوڑ دیا اور صرف مختصر اقوالِ رسولؐ شامل کیے۔

شیخ علی متقی نے جمع الجوامع کی تمام احادیث کو کتب فقہ کی ترتیب کے مطابق مختلف عنوانات کے تحت مرتب کیا۔ سب سے پہلے جامع الصغیر کی احادیث مرتب کیں اور اس کا نام منہاج العمال فی سنن الاقوال رکھا۔ اس کے بعد جمع الجوامع کی بقیہ قولی احادیث کو اکمال منہاج العمال کے نام سے ترتیب دیا۔ پھر اپنے دونوں مجموعوں کو ایک کتاب کی شکل دی اور اس کو غایۃ العمال کے نام سے موسوم کیا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ علی متقی نے جمع الجوامع کی فعلی احادیث کو بھی ایک مجموعہ کی صورت میں مرتب کیا اور اس کا نام مستدرک الاقوال رکھا۔ بعد میں انھوں نے ان تینوں مجموعوں کو یکجا کر دیا اور اس کو کنز العمال کے نام سے موسوم فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ کنز العمال شیخ کی وہ کتاب ہے جو غایۃ العمال میں منہاج العمال فی سنن الاقوال اور اکمال منہاج العمال دونوں شامل ہیں۔

کنز العمال کی ترتیب یہ ہے کہ پوری کتاب چند حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ ہر حصے کا نام کتاب رکھا ہے اور ان کو حروف ہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔ پہلا حصہ یا کتاب، غایۃ الکمال پر مشتمل ہے جو کئی ابواب میں منقسم ہے۔ دوسرے حصے یا کتاب کے تحت مستدرک کو شامل کیا گیا ہے۔ غایۃ العمال میں پہلے منہاج اور اس کے بعد اکمال کو شامل کیا ہے۔ یہ دونوں الگ الگ کتاب کے تحت نہیں بلکہ کتاب کے ذیلی ابواب کے تحت شامل کی گئی ہیں۔

کنز العمال، آٹھ جلدوں میں حیدر آباد دکن (ہندوستان) میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کی فہرستِ مضامین نہایت عمدہ اور آسان ہے۔ تمام احادیث پر نمبر لگائے گئے ہیں۔ اس میں مندرج احادیث کی تعداد ۴۶۱۸۰ ہے۔ حدیث کے مطالعہ اور حوالے کے لیے یہ بڑی مفید اور اہم

کتاب ہے۔ شیخ علی متقی کے استاذ شیخ ابوالحسن بکری شافعی اس کتاب کے بارے میں کہا کرتے تھے :

للسیوطی منۃ علی العٰلمین وللمتقی منۃ علیہ

کہ امام سیوطی نے جمع الجوامع مرتب کرکے ساری دنیا پر احسان کیا اور علی متقی نے کنزالعمال کے نام سے اس کو دوبارہ ترتیب دے کر خود سیوطی پر احسان کیا ہے۔

۲۔ تلخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزمان : یہ کتاب بھی عربی زبان میں ہے اور ان احادیث کا مجموعہ ہے جو مہدی منتظر کے بارے میں مروی ہیں۔ اس کی وجہ تالیف سید محمد جون پوری (متوفی ۹۱۰ھ) کے معتقدین کو راہ ہدایت دکھانا ہے، اس لئے کہ سید محمد جون پوری نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ ان کی کوئی خاص تصنیف نہیں ہے بلکہ امام سیوطی کی عرف الوردی فی اخبار المهدی کی تلخیص ہے۔ سیوطی نے اس کو باقاعدہ مرتب اور ابواب میں تقسیم نہیں کیا تھا، شیخ علی متقی نے اس کو تراجم و ابواب میں مرتب کر دیا ہے۔ نیز اس میں سیوطی کی جمع الجوامع اور عقد الدرر فی اخبار المهدی المنتظر سے بھی بعض احادیث شامل کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تیرہ ابواب پر محتوی ہے۔ مقدمۂ کتاب میں شیخ علی متقی نے یہ وضاحت کی ہے کہ سید محمد جون پوری مہدی نہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی متقی، سید محمد جون پوری کو ولی تو مانتے تھے۔ مگر ساتھ ہی انھوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ بعض اوقات ولی بھی مرتکب خطا ہو جاتا ہے۔ مبرہ عن الخطا ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ اس مجموعے میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت احادیث مرتب کی گئی ہیں :

کراماتِ مہدی

اس کا سلسلۂ نسب

حلیہ

ظہور مہدی سے قبل کے حالات

علاماتِ مہدی

مہدی کی بیعت کس طرح کی جائے گی

معاونین مہدی

فتوحاتِ مہدی

حضرت عیسیٰ سے مہدی کی ملاقات

مہدی کے قیام کی مدت

وفات

مدعیان مہدویت کا ذکر

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علما کا فتویٰ

۴ ۔ جوامع الکلم فی المواعظ الحکم : یہ کتاب اخلاقی نصائح اور متصوفانہ اقوال پر مشتمل ہے ۔ اس میں کم و بیش تین ہزار نصائح جمع کئے گئے ہیں۔ جن میں سے پانچ سو اقتباسات قرآن مجید سے درج کئے گئے ہیں۔ پانچ سو احادیثِ رسول اکرمؐ سے ماخوذ ہیں اور ان کے ساتھ بطور تمہید ہم معنی تشریحی فقرات بھی مندرج ہیں۔ علاوہ ازیں تین سو اقوال ابو عطا اسکندری (متوفی ۷۰۹ ھ) کے اور ایک سو اقوال ان کے شاگرد کے ہیں۔ باقی حصہ متقدمین کے اقوال کو محیط ہے۔

یہ تمام مواد مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق تقریباً ۸۰ ابواب کے تحت حروفِ تہجی کے الفاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتاب صرف ان لوگوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہے جو حافظ، محدث یا مفسر ہیں۔ نیز تصوف سے بھی شغف رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کی تصنیفات یہ ہیں، جن میں بعض تصوف و سلوک کے موضوع سے متعلق ہیں اور بعض مختلف مسائل کے بارے میں بعض اہل علم کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔

البرھان الجلی فی معرفۃ الولی ۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے

المواھب العلیۃ فی الجمع بین الحکم القرآنیۃ والحدیثیہ

العنوان فی سلوک النسوان

تبویب شرح الحکم العطائیۃ المسمّٰی بالتنبیہ

زاد الطالبین

اسرار العارفین

نعم المعیار والمقیاس لمعرفۃ مراتب الناس

فتح الجواد

نظم الدرر

النہج الاتم فی ترتیب الحکم

الوسیلۃ الفاخرۃ فی سلطۃ الدنیا والاخرۃ

تلقین الطریق

ایک رسالہ سید محمد جون پوری کے دعوی مہدویت کے ابطال میں ہے۔

تلامذہ :-

شیخ علی متقی کے تلامذہ و مسترشدین کا حلقہ بہت وسیع تھا، جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محمد بن طاہر پٹنی اور شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ، خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔
شیخ عبدالحق دہلوی اور شیخ محمد بن طاہر پٹنی اسلامی ہند کے بہت بڑے عالم اور محدث و فقیہ تھے۔ یہ دونوں بزرگ متعدد کتابوں کے مصنف اور اپنے عصر کے عظیم الشان تھے۔ اسی طرح شیخ عبدالوہاب بھی اپنے دور کے جلیل القدر بزرگ اور بہت سے اوصاف و کمالات کے حامل تھے۔

شیخ کے حالات و سوانح میں عبدالقادر بن احمد فاکہی نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

جو القول النقی فی مناقب المتقی، کے نام سے موسوم ہے۔

وفات

شیخ علی متقی نے ستاسی ۸۷ اور ایک روایت کے مطابق نوّے ۹۰ برس کی عمر پاکر منگل کی شب سحری کے وقت ۲ رجمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ کو مکہ مکرمہ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور صبح کو قبرستان معلاۃ میں دفن کیے گئے۔

ان کی تاریخ قرآن مجید کے الفاظ سے نکلتی ہے۔ قضٰی نحبہ۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب
لاجپوری

عقیقہ کے احکام

(بارہ سوالات کے جوابات)

سوال :- ۱ عقیقہ کس کو کہتے ہیں۔ اس کے لغوی و اصطلاحی معنی کیا ہیں ؟

۲ کیا عقیقہ فرض واجب یا سنت ہے ؟

۳ عقیقہ کے لئے جانور کو ذبح کرتے وقت کیا پڑھنا چاہیئے ؟

۴ جانور کیسا ہو، نیز عمر کی کیا قید ہے

۵ لڑکا اور لڑکی کے لئے کتنے جانور ذبح کئے جائیں، یا زیادہ سے زیادہ کتنے اور کم سے کم کتنے ؟

۶ کیا لڑکے کے لئے بکرا یعنی نر جانور ہی ضروری ہے، اور اسی طرح کیا لڑکی کیلئے بکری یعنی مادہ جانور ہی ضروری ہے !

۷ کیا عقیقہ کے لئے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت بچہ کے ماں باپ کھا سکتے ہیں! اور کیا وہ بچہ یا شخص بھی جس کا عقیقہ کیا گیا ہو !

۸ عقیقہ کرنے کے لئے بچہ کے عمر کی کوئی قید ہے یا زندگی میں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔

۹ کیا عقیقہ آدمی جوان ہو کر اپنی کمائی کے روپئے سے بھی کر سکتا ہے یا صرف ماں باپ ہی کے روپئے اس میں استعمال ہو سکتے ہیں ؟

۱۰ اکثر و بیشتر حضرات کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ جس بچہ کا عقیقہ کیا جائے اس کے

ماں باپ ذبیحہ کا گوشت نہیں کھا سکتے، اگر کھانا ہو تو بازار سے کچھ گوشت
لاکر عقیقہ کے گوشت میں ملائیں تب وہ کھا سکتے ہیں، نیز جس کا عقیقہ ہو اگر
وہ کھانا چاہے تو اسے منع ہے، یہ خیال کہاں تک درست ہے ؟

۱۱۔ اگر گنجائش نہ ہو تو کیا ایک ہی جانور چل سکتا ہے ؟

۱۲۔ اگر کوئی ایسا شخص مرگیا ہو جس کا عقیقہ باقی ہو تو کیا وہ گنہ گار ہوگا، نیز اس کے
پسماندگان پر اس کے انتقال کے بعد عقیقہ کرنا ضروری ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب :- (۱) عقیقہ مشتق ہے عق سے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں اور یہاں
نام ہے ان بالوں کا جو بوقت ولادت بچے کے سر پر پھوٹے (نکلے) ہوئے ہوتے
ہیں اور ساتویں روز مونڈے جاتے ہیں۔ اور عقیقہ اس جانور کو بھی کہا جاتا ہے
جو ساتویں روز بچے کے بال مونڈنے کے وقت ذبح کیا جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

(۲) ہمارے حنفی مذہب میں عقیقہ مسنون اور مستحب ہے۔ عقیقہ نزد امام اعظمؒ مستحب
است۔ (مالابد منہ ۱۷۸)

(۳) بچہ کا باپ جانور ذبح کرے تو اس طرح دعا کرے۔ اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَقِيْقَةُ
ابْنِيْ (یہاں لڑکے کا نام لے) دَمُهَا بِدَمِهٖ وَلَحْمُهَا بِلَحْمِهٖ وَعَظْمُهَا
بِعَظْمِهٖ وَجِلْدُهَا بِجِلْدِهٖ وَشَعْرُهَا بِشَعْرِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا
فِدَاءً لِابْنِيْ مِنَ النَّارِ۔

لڑکی کا عقیقہ ہو تو یوں دعا کرے۔ اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَقِيْقَةُ بِنْتِيْ (یہاں
لڑکی کا نام لے) دَمُهَا بِدَمِهَا وَلَحْمُهَا بِلَحْمِهَا وَعَظْمُهَا بِعَظْمِهَا
وَجِلْدُهَا بِجِلْدِهَا وَشَعْرُهَا بِشَعْرِهَا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا فِدَاءً
لِبِنْتِيْ مِنَ النَّارِ۔

ذبح کرنے والا بچہ کا باپ نہ ہو، دوسرا کوئی شخص ہو تو ابنی اور بنتی کی جگہ بچہ
اور اس کے باپ کا نام لے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ

لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

اس کے بعد یہ کہے۔ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ پھر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ کہتے ہوئے ذبح کرے۔ فقط

(۴) جو جانور قربانی کے لائق ہوگا وہ عقیقہ کرنے کے لائق ہوگا۔ وھی شاۃ تصلح للاضحیۃ (شامی ج۵ ص۲۹۳) فقط

(۵) حدیث میں ہے:۔ عن الغلام شاتان وعن الجاریۃ شاۃ یعنی لڑکے کے عقیقہ کے لئے دو بکرے یا دو بکریاں، اور لڑکی کے عقیقہ کے لئے ایک بکرا یا ایک بکری ذبح کی جائے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۶۲) گنجائش نہ ہو تو لڑکے کیلئے بھی ایک کافی ہے۔ فقط

(۶) لڑکے کے لئے بکرا اور لڑکی کے لئے بکری ہونا ضروری نہیں ہے، حدیث میں ہے لا یضرکم ذکرانا کن او اناثاً۔ یعنی نر اور مادہ دونوں برابر ہیں۔ (مشکوٰۃ ص۳۶۲ فقط)

(۷) بچہ اور اس کے ماں باپ وغیرہ سب کھا سکتے ہیں، قربانی کے گوشت کا جو حکم ہے وہ اس کا بھی ہے۔ وصاحب عقیقہ ووالدین اورا جائز است مثل گوشت قربانی۔ (مالابد منہ ص۱۸) فقط

(۸) مسنون و مستحب ہے کہ پیدائش کے ساتویں روز بچہ کا نام رکھا جائے۔ اور سر منڈایا جائے، اور بالوں کے ہم وزن سونا یا چاندی صدقہ کیا جائے اور اس کے ساتھ عقیقہ کا جانور ذبح کیا جائے۔ اگر ساتویں روز عقیقہ نہ ہو سکے تو چودہویں روز یا اکیسویں روز کیا جائے، اگر حیثیت نہ ہو تو سات روز کے حساب سے کرے یا سات ہفتہ یا سات مہینے یا سات سال کا حساب لگایا جائے بلوغ تک، بعض نے بعد بلوغ بھی جائز رکھا ہے، بعد ولادت ہفتم روز یا چہاردہم یا بست و یکم وہمیں حساب یا بعد ہفتہ ہا

یاہفت سال عقیقہ باید کرد، الغرض رعایت عدد ہفت بہتر است (مالابد منہ ص۱۸۱)

(۹) ہاں آدمی اپنا عقیقہ بڑے ہونے کے بعد بھی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ فقط

(۱۰) یہ خیال صحیح نہیں ہے، غلط مشہور ہے۔ فقط

(۱۱) ہاں چل سکتا ہے، مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے :۔ عن محمد بن علی بن حسین عن علی بن ابی طالب قال عق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن بشاۃ وقال یا فاطمۃ احلقی رأسہ وتصدقی بزنۃ شعرہ فضۃ فوزناہ فکان وزنہ درھما او بعض دراھم رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۶۲ باب العقیقۃ)

(۱۲) بلا عقیقہ مر جائے تو کوئی بھی گنہگار نہیں ہوتا اور پسماندگان پر عقیقہ کرنا ضروری نہیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۲ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ)

قربانی کے وکیل کا کچھ زائد رقم وصول کرنا اور اپنی ضرورت میں استعمال کرنا

سوال (۲۶۴۰) زید لوگوں کے پاس سے پیسے لے کر ان کی قربانی کا انتظام کرتا ہے۔ لیکن جتنی رقم میں قربانی ہو سکتی ہے اس سے کچھ زائد رقم زید لوگوں کے پاس سے اس عنوان سے لیتا ہے کہ یہ زائد رقم میں جہاں چاہوں کار خیر میں خرچ کر دوں گا۔ لوگ خوشی سے مقررہ زائد رقم اسی عنوان سے اسے دیتے ہیں، زائد رقم سے اپنے لئے دینی کتابیں خریدنا چاہے تو کیسا ہے؟ یا اسے یہ رقم دوسروں کو ہی دینا ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب :۔ قربانی میں جتنی رقم خرچ ہوتی ہو زید کو اتنی رقم لینا چاہئے، اگر محنت کرنے کی وجہ سے وہ "حق المحنت" لینا چاہے تو جانبین کی رضامندی سے جو حق المحنت طے ہو جائے گا وہ رقم زید لے سکتا ہے، اور زید اس نام سے جو رقم لے گا اس کا وہ حقدار ہے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے، سوال میں درج شدہ صورت مناسب نہیں، یہ صورت اختیار نہ کی جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

قربانی کا جانور وزن سے خریدنا

سوال ـ (۲۶۴۰) ہمارے دیار میں زندہ جانور وزن سے بکتے ہیں اور بغیر وزن کے بھی ۔ بغیر وزن کے خریدنے میں خریدار کو جانور بہت گراں پڑتا ہے خریدار کو جانور کے جانچنے کا سلیقہ نہیں ہوتا، فروخت کرنے والے جانور میں جب گوشت بہت کم دیکھتے ہیں تو بغیر وزن کے فروخت کرتے ہیں خریدار کو تجربہ نہیں ہوتا، اور بھیڑ میں اون بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے بہت موٹا معلوم ہوتا ہے دھوکہ میں آکر خرید لیتا ہے، ذبح کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دھوکا ہوا ہے، آج کل ایسے واقعات بہت کثرت سے ہوتے ہیں کہ تین سو رینڈ (مقامی کرنسی) میں بھیڑ خریدا تو نو دس کلو گوشت نکلا، گویا گوشت کا حساب نکالا جائے تو بتیس تینتیس رینڈ کلو پڑا، اور عام طور پر گوشت چودہ سے بیس رینڈ کلو تک فروخت ہوتا ہے۔

یہ حقیقت بجا ہے کہ امر الٰہی کے تعمیل کے وقت گوشت وغیرہ حساب نہیں لگانا چاہئے مگر غیر مسلمین کی دھوکہ دہی سے عامۃ المسلمین کو بچانا ضروری ہے یا نہیں ؟ اور جب وزن سے خریدنے میں مسلمانوں کو نقصان سے بچانا مقصود ہو تو کیا وزن سے خریدنے کی شرعًا اجازت ہوسکتی ہے ؟ ۔

الجواب :۔ جانور غیر موزونی چیز ہے، آپ کے یہاں جب جانور دونوں طریقے سے یعنی وزن سے اور غیر وزن سے دستیاب ہیں تو بیع کا جو شرعی طریقہ ہے یعنی غیر موزون اسی طریقے کے مطابق معاملہ کیا جائے، دھوکہ سے بچنے اور بچانے کیلئے تجربہ کار لوگوں کا تعاون حاصل کیا جائے، قربانی بہت اہم عبادت ہے، اس میں بیع کا صحیح طریقہ ہی اختیار کرنا چاہئے تاکہ عبادت بالکل صحیح طریقہ پر ادا ہو اور گوشت کے کم و بیش ہوجانے کی زیادہ فکر نہ کی جائے، قربانی میں اصل مقصود تقویٰ ہے، گوشت نہیں ۔ دلیلہ قولہ تعالیٰ لن ینال اللہ لحومها ولا دماءها ولکن یناله التقویٰ منکم ۔

احسن الفتاویٰ ص۴۹۱ ج۶ کے جواب سے زندہ مرغی کی بیع کی گنجائش (وزن میں جہالت یسیرہ اور عرف عام کی بنا پر) معلوم ہوتی ہے مگر خیال میں رہے کہ قربانی اہم عبادت ہے اور عبادت میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے، لہٰذا قربانی کیلئے بیع کا صحیح طریقہ اختیار کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۵

محمد ۱۰۰۱ جمل

مفتاحی

امام ابوحنیفہ اور مسئلہ قیاس

قیاس کی دو قسم ہے، قیاس جلی اور قیاس خفی

اس اجمال کی شرح یہ ہے کہ حقیقت میں قیاس کی دو قسم ہے، ایک کا نام قیاس جلی ہے اور دوسرے کو قیاسِ خفی کہتے ہیں۔ قیاس جلی وہ ہے جس کی طرف ذہن ابتداءً منتقل ہوجائے اور قیاس خفی میں ذہن کا انتقال فوری طور پر اس کی طرف نہیں ہوپاتا، اور اسی قیاسِ خفی کا نام احناف نے استحسان رکھا ہے اور قیاس خفی کو استحسان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ قیاس جلی میں حکم واضح ہوتا ہے اور وہ حکم بظاہر صحیح بھی ہوتا ہے لیکن غور کرنے کے بعد اس میں کوئی ایسا مفسدہ یا علت کا ضعف نظر آتا ہے جس کی وجہ سے اس ظاہری حکم کو ترک کرکے قیاس خفی کو اختیار کرنا پڑتا ہے جس میں یہ مفسدہ اور ضعف علت نہیں ہوتا اور جب یہ واضح ہوجائے کہ ان دو قیاسوں میں قیاس خفی جس کا نام ہم نے رکھا ہے اس کا حکم اپنے اثر اور اپنی علت کے اعتبار سے قابلِ ترجیح ہے تو اب از روئے شرع اسی کا اختیار کرنا مستحسن بلکہ واجب ہوجاتا ہے اس بات کو ایک مثال سے سمجھئے

قیاس خفی کی مثال

درندے حیوان کا جھوٹا ناپاک ہے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ درندہ پرندہ کے جھوٹے کا بھی یہی حکم ہو اس لئے کہ دونوں ہی درندے ہیں لیکن یہاں اس قیاس جلی پر عمل نہیں کیا گیا اور "درندے پرندے کے جھوٹے کو ناپاک نہیں قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک اور قیاس ہے جو ذرا خفی ہے اور دقتِ نظر

کا محتاج ہے اور وہ یہ کہ درندے چوپائے کا جھوٹا اس لئے ناپاک ہے کہ پانی میں اس کا لعاب مل جاتا ہے اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور درندے جانور کا گوشت حرام ہے تو اس سے پیدا شدہ لعاب بھی حرام ہوگا اور اسی لعاب کے اتصال کی وجہ سے وہ پانی بھی حرام ہوگا جس کو اس نے پیا ہے لیکن یہ بات یعنی لعاب کا اتصال پانی کے ساتھ پرندے درندے میں مفقود ہے اس لئے کہ وہ اپنی چونچ سے پیتا ہے اور چونچ ایک خشک ہڈی ہے اس میں لعاب کا تولد نہیں ہوتا اس وجہ سے پانی کے حرام اور ناپاک ہونے کی جو علت تھی یعنی حرام گوشت سے متولد لعاب کا پانی میں ملنا درندے پرندے کے جھوٹے میں مفقود ہے اس وجہ سے اس کا لعاب حرام نہیں ہوگا جیسے کسی پاک ہڈی کے پانی میں پڑ جانے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

یہی ہے وہ قیاس خفی جس کا نام احناف نے استحسان رکھا ہے اور آپ نے اس مثال میں دیکھا کہ استحسان درحقیقت کوئی مستقل دلیل نہیں ہے بلکہ وہ قیاس ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ یہ قیاس خفا کی وجہ سے عام لوگوں کی نگاہ سے دور ہوتا ہے وہاں تک اسی کی نگاہ پہونچتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ فقہ میں نظر عمیق عطا کرتا ہے اور جس کی نگاہ کسی مسئلہ کے باریک سے باریک پہلو کو بھی تاک لیتی ہے اور پھر اس کو اس دلیل شرعی کی بنیاد پر مستحسن سمجھ کر اختیار کرتا ہے اور اس قیاس خفی کا وہ اپنی زبان میں استحسان نام رکھتا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ یہ وہ چیز تھی جس کو دانتوں سے پکڑا جاتا اور احناف کی دقت نگاہ اور فقہ میں ان کی باریک بینی کا قائل ہوا جاتا لیکن اس کے برخلاف انہیں مورد طعن بنایا گیا۔ اور اس لفظ کی آڑ لے کر ان کے بارے میں وہ سب کلمات استعمال کئے گئے جن کا اوپر ابھی ذکر کیا گیا حالانکہ میں آگے چل کر بتلاؤں گا کہ احناف کے اس بات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں اور سبھی فقہا کسی نہ کسی شکل میں اس استحسان پر عمل کرتے ہیں اگرچہ وہ استحسان کا لفظ استعمال نہ کریں۔
اب میں چاہتا ہوں کہ میں نے استحسان کے بارے میں ابھی جو عرض کیا ہے اس کو احناف اور غیر احناف کی تصریحات کی روشنی میں واضح کر دوں۔

استحسان کی تعریف ائمہ اصول کے نزدیک

ابن ہمام احناف کے مسلم امام ہیں، انھوں نے استحسان کی جو تعریف کی ہے وہ انھیں کی عبارتوں میں یہ ہے۔

قسم الحنفیہ القیاس الی جلی وھو ماتبادر ای سبق الی الافھام وجھہ والی ماھو خفی عنہ فالاول القیاس والثانی الاستحسان فھو القیاس الخفی بالنسبۃ الی قیاسٍ ظاھرٍ متبادر فمنکرہ لم یدر المراد بہ۔ (تحریر مع تیسیر ص ۷۸ ج ۴)

حنفیہ نے قیاس کی دو قسم کی ہے، قیاس جلی جس کی وجہ جلد سمجھ میں آجاتی ہے اور قیاس خفی (جس کی وجہ ذہن میں جلد نہیں آتی) دوسرے کا نام استحسان ہے پس استحسان قیاس خفی کو کہتے ہیں جو قیاس ظاہر متبادر کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے پس استحسان کا انکار کرنیوالا اس کی مراد کو جان نہیں سکا۔

خضری بک اصول فقہ میں فرماتے ہیں:

قالوا ان الاستحسان قیاس خفیت علتہ بالنسبۃ الی قیاس ظاھر متبادر۔

یعنی استحسان احناف کے یہاں اس قیاس کا نام ہے جس کی علت قیاس ظاہر کی بنسبت خفی ہو۔

پھر اس کی مزید شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی مطلب یہ ہے کہ کسی محل میں کوئی علت ظاہرہ ہو جو کسی اصل وصف کی بنا پر کسی حکم کی مقتضی ہو اور اسی محل میں ایک دوسری علت بھی ہو جو کسی اور وصف اور علت کی بنا پر ایک دوسرے حکم کی موجب ہو۔ (ص ۳۴۱)

اور شمس الائمہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ھو الدلیل الذی یکون معارضًا للقیاس الظاھر الذی تسبق الیہ الاوھام قبل انعام التامل فیہ وبعد

یعنی استحسان اس دلیل کا نام ہے جو قیاس ظاہر کے معارض ہو جس کی طرف غور وفکر سے پہلے ذہن سبقت کرتا ہے لیکن غور وفکر کے بعد

انعام التامل فی حکم الحادثة واشباھھا من الاصول یظھر ان الدلیل الذی عارضہ فوقہ فی القوة فان العمل بہ ھو الواجب فسموا بہ استحساناً۔ (اصول سرخسی صفحہ ۲۰۳ ج ۲)

اور پیش آمدہ حادثہ اور اس جیسے دوسرے مسائل میں تعمق کے بعد یہ بات معلوم ہو کہ معارض دلیل ہی قوت کے اعتبار سے قیاس ظاہر سے بڑھی ہوئی ہے اب اس پر عمل کرنا واجب ہوگا اور اسی کا نام لوگوں نے استحسان رکھا ہے۔

اور چونکہ استحسان قیاس ہی کا نام ہے اس وجہ سے اس میں بھی قیاس کی شرط اول یعنی اس کے حکم میں تعدیہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں:

فھذا الخفی وان اختص باسم الاستحسان لمعنیً فھو لا یخرج من ان یکون قیاساً شرعیاً فیکون حکمہ التعدیہ۔ (اصول سرخسی صفحہ ۲۰۳ ج ۲)

یعنی اس قیاس خفی کا نام اگرچہ کسی وجہ سے استحسان رکھ دیا گیا ہے لیکن وہ قیاس شرعی سے باہر نہیں ہے اس لئے اس کا حکم تعدیہ ہوگا۔

بہر حال ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ استحسان حقیقت میں قیاس ہی کی ایک قسم ہے اور وہ بھی دلیل شرعی ہے جنھوں نے استحسان کے بارے میں قول بالتشہی اور اتباع ہویٰ کا لفظ استعمال کیا ہے انھوں نے دانستہ یا نادانستہ استحسان کی حقیقت سے اپنی ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے۔

دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل کا نام استحسان ہے

اب میں ذرا اور کھل کر کہنا چاہتا ہوں کہ استحسان حقیقت میں اقوی الدلیلین پر عمل کرنے کا نام ہے خواہ وہ قوی دلیل قیاس ہو، اجماع ہو یا کتاب وسنت ہو، فرض کیجئے کہ ایک حکم ہمیں قرآن سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرا حکم حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو بظاہر قرآن کے حکم سے کچھ جدا سا ہے تو اب قرآن ہی کے حکم پر عمل کرنا مستحسن ہوگا اور اس کا نام استحسان رکھا جائے گا۔ یا فرض کیجئے کہ ایک حکم حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرا حکم قیاس سے جو حدیث کے حکم کے معارض ہے تو قیاس

کے حکم کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا یہی استحسان ہوگا اور اس پر عمل واجب ہوگا اسی طرح اگر ایک حکم قیاس جلی سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرا حکم قیاس خفی سے معلوم ہوتا ہے۔ اور قیاس خفی اپنی علت کی قوت کے اعتبار سے قوی ہے تو اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور اس کا نام استحسان ہوگا اسی طرح اگر قیاس جلی کا حکم قوی ہے تو اس کو قیاس خفی کے حکم پر تقدم ہوگا اور اس کا نام استحسان ہوگا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ دو دلیلوں میں سے اقویٰ پر عمل کرنے کا نام استحسان ہے چنانچہ امام سرخسی فرماتے ہیں :

ثم استحسان العمل باقوی	یعنی اقویٰ دلیل پر عمل کرنے کو بہتر سمجھنا
الدلیلین لا یکون مع اتباع الھویٰ	اور اس کو اتباع ہویٰ اور شہوتِ نفس کا
وشھوۃ النفس فی شیٔ (اصول سرخسی ص ۲۰۱ ج ۲)	نام قطعاً نہیں دیا جا سکتا۔

نیز فرماتے ہیں :

انما یکون الترجیح بقوۃ	یعنی ترجیح خفا اور ظہور کی وجہ سے نہیں
الاثر لا بالظھور والخفاء (ایضاً ص ۲۰۳ ج ۲)	بلکہ اثر کی قوت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ قیاس جلی کو چھوڑ کر قیاس خفی یعنی استحسان پر عمل اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ اس کی دلیل قوی ہوتی ہے۔

یمال بالحکم من ذالک الظاھر	یعنی اس ظاہر سے اس لئے پھرا جاتا ہے
لکونہ مستحسنا لقوۃ دلیلہ	کہ قیاس خفی کی دلیل قوی ہوتی ہے۔

(ایضاً ص ۲۰۲ ج ۲)

بہر حال معلوم ہوا کہ استحسان اولیٰ اور اقویٰ دلیل کو اختیار کرنے کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ قیاس ظاہر کے خلاف جس دلیل پر بھی عمل کیا جائے جو اپنے اثر کے اعتبار سے قیاس سے قوی ہو اس کا نام لوگوں نے استحسان رکھا ہے۔

وقد یرد الاستحسان فی قول	یعنی حنفیہ کے نزدیک استحسان ایک یہ بھی
الحنفیہ بمعنیٰ آخر وھو کل دلیل	ہے کہ جو دلیل بھی قیاس ظاہر کے خلاف ہو

مخالف القیاس لظاھرہ۔ اس کو وہ استحسان کہتے ہیں۔

(اصول فقہ ص۲۱۶)

مثلاً قیاس ظاہر کا تقاضا یہ تھا کہ قہقہہ سے وضو نہ ٹوٹے لیکن حدیث کی وجہ سے اس کو ترک کردیا گیا ہے اور اب حکم یہ ہے کہ نماز میں جس نے قہقہہ لگا دیا اس کا وضو ختم ہوجاتا ہے اور قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ بیع سلم ناجائز ہو اس وجہ سے کہ اس میں مبیع معدوم ہوتی ہے مگر حدیث کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، اسی طرح قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ کنویں اور حوض میں نجاست پڑجانے کی وجہ سے کبھی کنواں اور حوض پاک ہی نہ ہو اس وجہ سے کہ نجس پانی سے کنواں اور حوض کا پاک کردینا یہ عادۃً ممکن ہی نہیں مگر ضرورت کی وجہ سے اس کی پاکی کا حکم کردیا گیا غرض ان ساری مثالوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ استحسان پر عمل ہوا ہے اس وجہ سے کہ قیاس ظاہر کا حکم چھوڑ دیا گیا ہے اسلئے اس کا نام استحسان ہے۔

علماء کی ان تصریحات کے بعد اب بھی استحسان کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ وہ قول بالتشہی اور اتباع ہویٰ کا نام ہے، بڑی عجیب بات ہے جنھوں نے اس حقیقت کو سمجھا ہے اس کا فیصلہ یہ ہے۔

فان الاستحسان بالمعنی الذی اوضح لم یخرج من کونہ قیاسًا غایۃ الامر ان علتہ خفیۃ لا تظہر بالنظرۃ الاولیٰ (اصول فقہ ص۲۱۵)

یعنی اس معنی کے اعتبار سے جس کی وضاحت کی گئی قیاس سے الگ کوئی دوسری چیز نہیں ہے زیادہ سے زیادہ بات یہ ہے کہ اس کی علت خفی ہے جو پہلی نظر میں ظاہر نہیں ہوپاتی۔

اور امام شاطبی موافقات میں فرماتے ہیں:

من استحسن لم یرجع الیٰ مجرد ذوقہ وتشہیہ وانما رجع الیٰ ما علم من قصد الشارع فی الجملۃ فی امثال تلک الاشیاء المعروضۃ

یعنی استحسان کرنے والا محض اپنے ذوق اور خواہش پر فیصلہ کی بنیاد نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ فی الجملہ مسائل معروضہ میں شارع کا مقصد معلوم کرتا ہے اور وہ اسی کی روشنی میں فیصلہ

باقی ص۳ پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کی کتاب "کتاب الجنائز" پر ایک نظر

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلدین علماء میں بڑے امتیازی اوصاف کے مالک ہیں، ان کی کتاب "تحفۃ الاحوذی" جو ترمذی شریف کی شرح ہے، اہل علم میں متعارف ہے، اس کتاب سے مولانا کی شہرت بہت ہوئی۔

اور حالیہ دنوں میں مجھے ان کی ایک کتاب "کتاب الجنائز" کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، اس کتاب کے اندرونی ٹائیٹل پر لکھا ہے:

"اس کتاب میں جاں کنی کے وقت سے لیکر تجہیز و تکفین اور اس کے بعد تک کے تمام وہ ضروری احکام و مسائل جمع کئے گئے ہیں جو احادیث سے ثابت ہیں"

اور اس کے ٹائیٹل کے صفحہ اول پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا نام اس طرح لکھا ہے۔

"فقیہ العصر محدث وقت مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ"

اس کتاب کی بڑی خاص بات یہ ہے کہ زبان مولانا نے بڑی سادہ استعمال کی ہے ہر شخص اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے اس کا پورا حوالہ بھی دیا ہے اس طرح یہ کتاب بہت مستند اور اس خاص موضوع پر بہت جامع ہے۔

البتہ جو بات اس میں ہم جیسوں کو الجھن میں ڈالنے والی ہے وہ یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ مولانا کا موقف ضعیف حدیث کے بارے میں کیا ہے؟

آیا اس کو مطلقاً قبول کرنے کا ہے یا مطلقاً رد کرنے کا یا کہیں قبول کرنے کا ہے اور کہیں رد کرنے کا، بعض جگہ تو مولانا ضعیف حدیث کو ایسا رد کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا ضعیف ہونا وہ شجر ممنوعہ ہے کہ اس کے قریب بھٹکنا بھی حرام ہے، اور کہیں مولانا بلا تکلف ضعیف حدیث سے استدلال بھی کرتے ہیں ۔

دوسری بات جو قابلِ لاحظہ ہے وہ صحابہ کرام کے اقوال اور ان کے واقعات سے استدلال کرنے کا مسئلہ ہے، ایک طرف تو غیر مقلدین کا دعویٰ اور اصول یہ ہے کہ صحابہ کرام کا قول و فعل اور فہم حجت نہیں ہے، اور دوسری طرف مولانا مبارکپوری صاحب نے جگہ جگہ اس کتاب میں صحابہ کرام کے اقوال و واقعات سے استدلال بھی کیا ہے، اور کہیں تضاد کا مظاہرہ کیا ہے کہ ان کے اقوال کو قابلِ توجہ نہیں گردانا ہے۔

تیسری بات جو اس کتاب میں قابلِ لاحظہ نظر آئی وہ یہ کہ مولانا نے کہیں کہیں یہ واضح نہیں کیا ہے کہ خود غیر مقلدوں کا مسلک کیا ہے، دوسروں کا تو مذہب مولانا نے بتلا دیا مگر خود اپنا مسلک واضح نہیں کیا ہے ۔

میں نیچے کی سطروں میں ترتیب وار ان تینوں باتوں کی تفصیل کرتا ہوں ۔

(۱) پہلی بات مولانا کا ضعیف حدیث کے بارے میں متضاد رویہ کی ہے، اور یہ کہ اس کتاب سے ان کا موقف واضح نہیں ہوتا کہ ضعیف حدیث ان کے یہاں مطلقاً مقبول ہے یا مطلقاً مردود یا ان کا موقف بین بین کا ہے کہ کبھی وہ قبول کریں گے اور کبھی قبول نہیں کریں گے، اس کی وضاحت درج ذیل چند مثالوں سے ہوگی۔

مولانا لکھتے ہیں :

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنہ سے بچائے گا۔

پھر فرماتے ہیں :

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید متعدد حدیثوں سے ہوتی ہے (ص۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر حدیث ضعیف ہو اور اس کی تائید کئی حدیثوں سے ہو تو وہ ضعیف حدیث قابل قبول ہوتی ہے۔

اب اس کے برخلاف مولانا مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات سنئے فرماتے ہیں۔

"نماز جنازہ کی چار تکبیروں میں رفع یدین کرنا کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت نہیں ہے اور جو مرفوع حدیثیں اس بارے میں آئی ہیں وہ ضعیف ہیں" ص۵۵

مولانا کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ چاروں تکبیروں میں رفع یدین کرنے کے بارے میں متعدد حدیثیں ہیں اور ہر ایک کا مضمون دوسرے کا مؤید ہے، یعنی ہر ایک حدیث دوسری حدیث کی تائید کر رہی ہے، مگر مولانا یہاں چاروں تکبیروں کے رفع یدین کو مسنون نہیں سمجھتے اور ان متعدد ضعیف حدیثوں کے قبول کرنے سے انکاری ہیں، حالانکہ مولانا کو خود اعتراف ہے کہ چاروں تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرنا بعض صحابہ کرام کا معمول تھا۔ فرماتے ہیں:

"ہاں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کا نماز جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین کرنا بسند صحیح ثابت ہے" (ص۵۵)

جب متعدد ضعیف حدیثوں سے بھی نماز جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین کرنا ثابت ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح رفع یدین کرنا ثابت ہے تو اب پھر مولانا نماز جنازہ میں رفع یدین کے انکاری کیوں ہیں؟ جبکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اتباعِ سنت میں بہت سرگرم تھے، ان دونوں جلیل القدر صحابیوں کا جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین کرنا اپنی طرف سے قطعاً نہیں ہوگا، انھوں نے آنحضور کا عمل دیکھا ہوگا، اور اس پر ان کا عمل رہا ہوگا۔

یہ ضعیف حدیثوں کے سلسلہ میں مولانا کے موقف کے واضح نہ ہونے کی ایک مثال ہوئی۔

دوسری مثال لیجئے:

مولانا فرماتے ہیں:

"نماز جنازہ کے ساتھ کوئی کلمہ یا کوئی دعا یا قرآن مجید بآواز بلند پڑھتے ہوئے

نہیں چلنا چاہئے، کیوں کہ حدیث صحیح سے اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے ،،
اور حضرت ابن عمر سے جو اس مضمون کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نماز جنازہ کے پیچھے چلتے تھے اور ہم لوگ جنازہ کے ساتھ جانے اور
واپس آنے میں آپ سے کچھ نہیں سنتے تھے مگر لا الٰہ الا اللہ سو یہ روایت
ضعیف ہے۔ ص۴۵

مولانا کے اس کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صرف وہی حدیث قابلِ عمل
سمجھتے ہیں جو صحیح ہو، ضعیف حدیث قابلِ عمل نہیں ہے۔

مگر زیارتِ قبور کے جمعہ کے روز مسنون ہونے کے بیان میں مولانا نے اس حدیث
سے استدلال کیا ہے۔

،، محمد بن نعمان سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو شخص
جمعہ کو اپنے ماں باپ دونوں کی قبر کی یا ان میں سے ایک کے قبر کی زیارت
کرے تو اس شخص کی مغفرت کی جاتی ہے ،،

جب کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے کی صراحت مولانا نے حاشیہ میں
خود کردی ہے، فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل اور مرفوع دونوں طرح روایت کی گئی ہے مگر
دونوں کی سندیں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔

مولانا مبارکپوری کی یہ تضاد بیانی ہمیں بہت الجھن میں ڈالتی ہے کہ آخر مولانا کا
ضعیف حدیث کے سلسلہ میں مسلک کیا ہے۔ اور کسی حدیث کے رد و قبول کا ان کے نزدیک
معیار کیا ہے؟

مولانا نے جمعہ کے روز قبر کی زیارت کے سلسلہ کی دو حدیثیں اور ذکر کی ہیں مگر یہ
دونوں حدیثیں بھی ضعیف ہیں، اوپر والی اور ان دونوں حدیثوں کو ذکر کر کے مولانا ان تینوں
حدیثوں کے بارے میں فرماتے ہیں :

،، لیکن یہ تینوں حدیثیں ضعیف ہیں ،، ص۴۸

یعنی جمعہ کے روز قبر کی زیارت کی فضیلت میں ایک بھی مرفوع یا غیر مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے، مگر اس کے باوجود مولانا فرماتے ہیں :

" ہاں جمعہ کے روز قبروں کی زیارت کرنا بہ نسبت اور دنوں کے افضل ہے۔" ص۴۵

اگر کوئی یہ کہے کہ فضائل کے بارے میں ضعیف حدیثیں قبول کی جاتی ہیں، اس وجہ سے مولانا نے ضعیف حدیثوں کی بنیاد پر جمعہ کے روز قبر پر حاضر ہونے کو افضل بتلایا ہے، تو عرض کروں گا کہ بلاشبہ عام محدثین اور علماء و فقہاء کا یہی مذہب ہے کہ فضائل کے بارے میں ضعیف حدیثیں قبول کی جاتی ہیں مگر غیر مقلدین کا یہ مذہب نہیں ہے، غیر مقلدین تو فضائل کے بارے میں بھی ضعیف حدیث کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور اس وجہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے رسائل تبلیغی نصاب" پر ان کا اعتراض ہے کہ تبلیغی نصاب میں ضعیف حدیثیں ہیں، غیر مقلدین کو تبلیغی نصاب میں ضعیف حدیثیں خوب نظر آتی ہیں مگر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فقیہ العصر محدث وقت کی کتاب الجنائز میں ان کو ضعیف حدیثیں نظر نہیں آتی ہیں۔ "کیا یہی انصاف کا تقاضا ہے؟"

بہرحال مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا یہ رسالہ پڑھنے والے کو الجھن میں ڈالتا ہے، ان الجھنوں کے ساتھ اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانا اہل علم کے لئے مشکل ہے، ہاں جاہل لوگ جو ان باریکیوں تک نہیں پہونچ سکتے اس سے کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اوپر آپ نے دیکھا کہ مولانا نے ضعیف احادیث کی بنیاد پر جمعہ کے روز قبر کی زیارت وحاضری کو افضل بتلایا ہے، لیکن اس بارے میں کہ قرآن کی تلاوت اور نماز وغیرہ کا ثواب مردہ کو پہونچتا ہے یا نہیں، اس کا انکار کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس کا ثبوت کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں ہوا، حالانکہ اس بارے میں ایک نہیں کئی حدیثیں ہیں، مولانا جو فرماتے ہیں پہلے اس کو سن لیں۔ فرماتے ہیں :

" اور عبادات بدنیہ جیسے تلاوت قرآن اور نماز اور روزہ وغیرہ کا ثواب میت کو پہونچنا کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں ہوتا، اور جو روایتیں

عبادات بدنیہ کے ثواب کے پہونچنے کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں وہ
ضعیف ہیں "

جب کہ مولانا کے بیان میں یہ مذکور ہے کہ اس بارے میں کہ میت کو عبادت بدنیہ یعنی تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب پہونچتا ہے پانچ بلکہ اس سے زیادہ حدیثیں ہیں، مولانا پانچوں حدیثوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں : (۱)

" اس کے علاوہ بعض اور روایات بھی آئی ہیں اور وہ بھی ضعیف ہیں " ص۹۵

یہ تضاد نہیں تو کیا ہے کہ مولانا کہیں تو ضعیف حدیث کو قبول کرتے ہیں اور کہیں ایک مضمون کی کئی کئی حدیثوں کو رد کر دیتے ہیں اور اس کی بنیاد بقول مولانا یہ ہوتی ہے کہ وہ مضمون کسی صحیح صریح حدیث سے ثابت نہیں ہوتا ، اگر کسی حدیث کو قبول کرنے کا معیار یہی ہے کہ وہ صحیح اور صریح ہو تو پھر انھوں نے اسی کتاب میں بہت سی ضعیف حدیثوں کو کیوں قبول کیا ہے !

گزشتہ مثالوں میں آپ نے دیکھا کہ مولانا اسی کتاب میں ضعیف حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، مزید ایک مثال ملاحظہ فرمائیں ، مولانا فرماتے ہیں کہ میت کو وہ لوگ غسل دیں جو میت کے قریبی ہوں ، اور ان کو غسل دینے کا طریقہ نہ معلوم ہو تو دوسرے لوگ غسل دیں جو دیندار اور پرہیزگار ہوں . اور اس بارے میں مولانا نے جو حدیث نقل کی ہے وہ بقول خود ان کے ضعیف ہے ۔ فرماتے ہیں ، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے ۔

---

(۱) یہاں پر یہ واضح کر دوں کہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کے انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عبادات بدنیہ مثلاً نماز روزہ اور قرآن کی تلاوت کا ثواب مردہ کو نہیں پہنچتا ، اگر مولانا کا یہی مذہب ہے تو ان کا یہ مذہب جمہور علماء و محدثین کے خلاف ہے، خود مولانا شرح فقہ اکبر سے نقل کرتے ہیں :

" عبادات بدنیہ جیسے روزہ اور نماز اور قرأت قرآن اور ذکر کے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے ، امام ابوحنیفہ اور امام احمد جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ پہنچتا ہے ۔" (ص۹۶)

عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کا مذہب جمہور سلف سے الگ ہوتا ہے جیسا کہ تراویح، طلاق اور جمعہ کی اذان کے بارے میں ان حضرات نے جمہور سلف سے الگ اپنا مذہب بنایا ہے ۔

بہر حال مولانا کا ضعیف حدیث کے قبول کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں موقف بالکل واضح نہیں ہے، تو بھلا اس کتاب سے اہل علم کیسے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

(۲) اب آئیے دوسری بات کی طرف، ایک طرف تو غیر مقلدین کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کا قول و فعل اور فہم ناقابل حجت ہے، اور دوسری طرف یہ ان سے استدلال بھی کرتے نظر آتے ہیں خود مولانا مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جگہ جگہ اقوال صحابہ و افعال صحابہ سے دلیل و حجت پکڑی ہے۔ مثلاً قبر کی زیارت کے تذکرہ میں وہ فرماتے ہیں:

"حضرت فاطمہ ہر جمعہ کو حضرت حمزہ کے قبر کی زیارت کرتی تھیں" ص۵۸

یعنی جمعہ کے روز قبر کی زیارت کے جائز ہونے کی ایک دلیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل بھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے عمل دین و شریعت میں حجت اور دلیل ہیں۔

میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے داخل کرنے کے جواز پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل سے سند لائے ہیں۔ ص۶۹

مردہ کو قبر میں رکھنے کے بعد کپڑے کو کھولنا چاہئے یا نہیں، اس بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ منقول نہیں ہے، مگر مولانا کا فرمان یہ ہے کہ:

"جب میت کو لحد میں رکھیں تو ان دونوں گرہوں کو کھول دیں"

اور مولانا اس بارے میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کا جب ایک لڑکا مر گیا تو انھوں نے اپنے غلام سے کہا کہ اس کو لے جا کر دفن کر دو اور اس کے سر اور پیر کی گرہ کو کھول دینا، ص۳۵

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا قول و فعل بھی حجت اور دلیل ہے، (۱)

---

(۱) تعجب ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیسے کیا، اسلئے کہ یہ تو بقول نواب صاحب حیدرآبادی معاذ اللہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جو فاسق تھے اور جن کا ذکر بھلائی سے نہیں کرنا چاہئے شاید زمزم کے قارئین کو معلوم ہوگا کہ غیر مقلدوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت فاسق تھی۔ استغفر اللہ

نورالدین نوراللہ الاعظمی

شوہر اپنی متوفی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اس بارے میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے متعدد صحابہ کے واقعات سے استدلال کیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا قول و فعل حجت ہے اور ان سے شرعی مسائل کو ثابت کیا جا سکتا ہے، مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قریب المرگ سے کہے (یعنی جس کی موت کا وقت قریب آچکا ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا فلاں شخص سے میرا سلام کہدینا تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ بعض صحابہ نے ایسا کیا ہے (ص۱۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے عمل سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

جب غیر مقلدین کا یہی مذہب ہے تو پھر تعجب ہے کہ ان کے اکابر یہ نعرہ کیوں بلند کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کا قول و فعل حجت نہیں ہے، خود مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا بھی یہی عقیدہ و مذہب ہے جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے، بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی اس کتاب سے الجھنیں بڑھتی ہیں۔

(۳) اب آئیے تیسرے مسئلہ کی طرف، یعنی اس کتاب میں مولانا بہت سی جگہ مسائل کے بیان میں غیر مقلدین کا مذہب صاف صاف نہیں بتلایا ہے کہ ان کا مذہب ان مسائل میں کیا ہے، اس سے بھی اس کتاب کو پڑھ کر الجھن بڑھتی ہے۔

مثلاً مولانا نے حنفیہ کا مسئلہ یہ تو لکھا ہے کہ میت کو غسل دینے کے لئے بیری کے پانی کو جوش دیا جائے اور اسی پانی سے مردہ کو نہلایا جائے، مگر غیر مقلدین کو کیا کرنا چاہئے مولانا نے کچھ نہیں بتلایا البتہ یہ کہ کر الجھن ضرور بڑھادی کہ:

> رہی یہ بات کہ بیر کے پتوں کو کس طریق سے استعمال کرنا چاہئے سو اس کے متعلق حدیث سے کوئی تشریح نہیں ملتی ہے، ص۲

اسی طرح مولانا نے اس مسئلہ میں اگر غسل دینے کے بعد میت کی شرم گاہ سے کوئی شی خارج ہو تو اس کا دھونا کافی ہے یا پھر سے غسل دینا چاہئے؟ فرماتے ہیں کہ اس میں دو قول ہے حسن بصری اور احناف کہتے ہیں کہ صرف دھونا کافی ہے غسل دینے کی دوبارہ ضرورت نہیں ہے، اور محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ تین بار غسل دیا جائے اگر پھر نجاست خارج ہو تو پانچ بار غسل دیا جائے اور اگر

اس کے بعد بھی نجاست خارج ہو تو سات بار غسل دیا جائے، مولانا نے یہ دو مذہب تو نقل کیا ہے، مگر اس بارے میں غیر مقلدین کا کیا مذہب ہے مولانا نے کچھ صاف نہیں بتلایا، مولانا کی اس عدم وضاحت سے الجھن بڑھتی ہے، اور آدمی اس کتاب سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پاتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:

"علماء حنفیہ و شافعیہ نے لکھا ہے کہ پہلی بار (مٹی ڈالتے وقت) منها خلقناکم اور دوسری بار وفیها نعیدکم اور تیسری بار میں ومنها نخرجکم تارة اخرىٰ پڑھنا مستحب ہے" (ص۳۶)

مولانا نے شافعیہ اور حنفیہ کا مذہب تو بتلا دیا، مگر اس بارے میں خود غیر مقلدین کا مذہب کیا ہے، مولانا اس کو چھپا لے گئے اور ظاہر نہیں کیا۔

اسی طرح مولانا نے یہ ذکر کیا ہے کہ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنے کے بارے میں بعض احادیث میں ممانعت آئی ہے اور بعض حدیثوں سے جواز کا پتہ چلتا ہے، اور اسی وجہ سے علماء کی رائے اس بارے میں الگ الگ ہے، بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے، لیکن خود غیر مقلدین کس کے قائل ہیں جواز کے یا عدم جواز کے مولانا نے اس کو چھپا لیا ہے، اور واللہ اعلم بالصواب کہکر خاموش ہوگئے ہیں۔ (ص۳۷)

میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ مسائل جن کا سابقہ عوام کو عام طور پر پڑتا ہے ان کا بیان اسی طرح گول مول کیا جائے گا، اور کیا یہی اہل علم کی شان کے مناسب بات ہے؟ اسی لئے کہتا چلا آرہا ہوں کہ مولانا کی اس کتاب کو پڑھ کر الجھن بڑھتی ہے۔

عورتوں کو قبر کی زیارت کرنی چاہیے یا نہیں، مولانا نے اس بارے میں بھی کوئی واضح بات نہیں کہی ہے، صرف اتنا کہا کہ بعض احادیث سے جواز کا پتہ چلتا ہے اور بعض سے عدم جواز کا اور اپنا مذہب واضح نہیں کیا کہ عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنا غیر مقلدین کے مذہب میں جائز ہے یا ناجائز، شریعت کے مسائل کے بیان کا اگر یہی طریقہ ہو تو پھر عوام کو صحیح مسائل سے واقفیت کیسے ہوگی۔

افسوس مولانا کی اس فقہی بصیرت کے بل بوتے پران کو فقیہ العصر بھی کہا جاتا ہے۔

اس کتاب میں باتیں تو الجھن کی ہی ہیں اس کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے الجھن پیدا ہوتی ہے۔

مثلاً بعض جگہ مولانا نے بہت سخت قسم کی ضعیف حدیثوں سے استدلال کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

"تعزیت کے وقت میت کے واسطے دعا کرنا بھی آیا ہے، ابوداؤد اور نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کسی صحابی کے گھر تعزیت میں گئی تھیں اور انھوں نے وہاں دعائے رحمت کی تھی۔" ص۸۶

حالانکہ یہ حدیث بہت سخت قسم کی ضعیف ہے، خود مولانا نے اس کو جب ص۸۱ پر نقل کیا ہے تو فرماتے ہیں کہ:

"یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ربیعہ بن سیف نامی راوی سخت ضعیف ہے۔"

اور اسی سخت قسم کی ضعیف روایت سے مولانا نے ص۸۲ پر استدلال کیا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ:

"اگر کوئی شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتداء و اتباع کرے اور قبر میں کھجور کی شاخ گاڑ دے تو اس میں کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا۔" ص۲۳

یہ انداز شک کا ہے، مولانا کو صاف صاف لکھنا چاہیئے کہ ایسا کرنا عام مسلمانوں کو اور عام مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز۔

مولانا لکھتے ہیں کہ:

"قبر کو پہچاننے اور اس کو معلوم ہونے کے لئے قبر کے سرہانے کوئی بھاری پتھر رکھدینا یا گاڑ دینا جائز و درست ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی غرض سے عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے ایک بھاری پتھر رکھدیا تھا۔" ص۲۲

اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ کسی قبر کے پاس پتھر رکھ دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے گاڑنے کا نہیں مگر مولانا اس سے پتھر کا گاڑنا بھی ثابت کر رہے ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں کہ:

فقہائے حنفیہ لکھتے ہیں کہ دفن کے بعد دعا اور قرأت قرآن کے لئے قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے۔ (ص ۴۱-۴۲)

یہ تو حنفیہ کی بات ہوئی غیر مقلدین کیا لکھتے ہیں مولانا نے اس کو ظاہر نہیں کیا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ:

تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔ (ص ۶۵)

غیر مقلدین کا کہنا یہ ہے کہ نماز جنازہ بھی اور نمازوں کی طرح ایک نماز ہے، تو اس نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا اور نمازوں کی طرح واجب ہوگا نہ کہ سنت معلوم نہیں مولانا نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو سنت کیوں قرار دیا جب کہ دوسرے غیر مقلدین علماء نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو واجب اور فرض بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلا سورہ فاتحہ کے نماز جنازہ باطل ہوگی، فتاویٰ علمائے اہلحدیث میں لکھا ہے:

اگر امام یا مقتدی نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز باطل ہوگی (ص ۱۸۵ ج ۵)

اور یہی بات مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے بدور والاہلہ نامی اپنی کتاب میں لکھی ہے (دیکھو ص ۹۲ ج ۱)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ:

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ آہستہ پڑھنا چاہئے اور یہی مذہب جمہور کا ہے (ص ۳)

اس کے برخلاف فتاویٰ ثنائیہ میں ہے کہ:

جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورت با آواز بلند پڑھنا جائز بلکہ سنت ہے (ص ۵۲ ج ۲)

اور یہی بات فتاویٰ علمائے اہل حدیث میں ہے، چنانچہ لکھا ہے۔

دلائل کے لحاظ سے بلند آواز کے ساتھ جنازہ پڑھنا افضل اور قوی ہے (ص۱۵۲ ج۵)

ایک ہی مسئلہ میں ان متضاد فتووں سے الجھن یہ پیش آتی ہے کہ جنازہ کا مسنون طریقہ وہ ہے جس کا بیان مولانا نے اپنی کتاب کتاب الجنائز میں کیا ہے یا اس کا مسنون طریقہ وہ ہے جو دوسرے علماء اہلحدیث کے فتووں میں مذکور ہے۔

قرآن کی سورتوں اور آیات پڑھ کر مردہ کو ثواب پہنچانے کے بارے میں مولانا نے کوئی واضح بات نہیں بتلائی ہے، اس کو بالکل گول مول رکھا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ انھیں اس بارے میں کوئی حدیث مرفوع صحیح نہیں ملی، جتنی احادیث ہیں سب ضعیف ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ روایتیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان کا مجموعہ بتلاتا ہے کہ ان کی کچھ اصل ہے (ص۹۲)

اب معلوم نہیں کہ ان کے نزدیک مردوں کو قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں مولانا نے کچھ صاف اپنا فیصلہ نہیں سنایا، کیا مسائل اسی طرح گول مول بیان کئے جاتے ہیں، اس طرح کی باتوں سے حیرانی بڑھتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ بیہقی نے بہ سند حسن روایت کیا ہے کہ ابو وائل نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ سات اور چھ اور پانچ اور چار تکبیریں کہتے تھے۔

اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ:

۔ ان پانچ وجہوں کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ اکثر چار ہی تکبیر پر عمل رکھنا چاہئے اور اگر کبھی پانچ بھی کہہ لے تو درست ہے۔ ص۵۵

مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ جب سند حسن سے چھ اور سات تکبیریں بھی ثابت ہیں تو کبھی صرف پانچ ہی کیوں کہنا چاہئے۔ چھ اور سات کبھی کبھار کیوں نہ کہنا چاہئے کیا کسی

بقیہ ص۵ پر

محمد ابوبکر غازی پوری

مقتدی رکوع میں امام کو پائے تو مقتدی کی وہ رکعت شمار ہوگی یا نہیں!

محترم جناب مدیر زمزم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ کی نظر سے ایک کتاب نماز محمدی گذری جو کسی ابوسالم محمد اسماعیل غیر مقلد عالم کی تصنیف ہے، انھوں نے اس کتاب میں ایک مسئلہ یہ لکھا ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے پر رکعت شمار نہ کریں۔ براہ کرم اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

ذاکر حسین مئوناتھ بھنجن

زمزم ! آپ کا خط بڑا طویل تھا، میں نے آپ کا سوال نقل کردیا ہے۔ جواب ملاحظہ فرمائیں۔

جب کسی مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو تو وہ مسئلہ اجماعی ہوتا ہے، اور اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اس کے خلاف زبان کھولنا بڑی جرأت کی بات ہے۔

آپ نے جس مسئلہ کا ذکر کیا ہے، وہ چاروں ائمہ کے درمیان متفق علیہ مسئلہ ہے۔ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل سب اسی کے قائل ہیں کہ اگر تکبیر تحریمہ کہہ کر مقتدی نے امام کو حالت رکوع میں پالیا تو مقتدی کی وہ رکعت درست ہوگی اس کا اعادہ

نہیں ہوگا، اب اگر کوئی اس اجماعی مسئلہ کے خلاف آواز بلند کرے تو اس کی طرف اہل عقل توجہ کرنا گوارہ نہیں کریں گے۔ غیر مقلدین حضرات کا عام شیوہ یہی ہے کہ وہ اجماعی مسئلہ میں زبان کھول کر اور اس کی مخالفت کر کے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتے ہیں، ان حضرات کو اتنا بھی شعور نہیں ہوتا کہ وہ یہ محسوس کریں کہ ائمہ اربعہ کا علم شریعت آج کے ہم جیسے ناخواندہ لوگوں سے بہت بڑھا ہوا تھا، اور نماز جیسی اہم عبادت کے بارے میں ان کا علم ہمارے علم سے ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا زیادہ تھا، انھیں خوب معلوم تھا کہ رکوع میں امام کو پالینے والے مقتدی کی وہ رکعت شمار ہوگی یا نہیں، اب اگر یہ ائمہ فقہ وحدیث یہ کہیں کہ ایسے مقتدی کی وہ رکعت شمار ہوگی تو ان کے مقابلہ میں اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت وہی کر سکتا ہے جو دین وشریعت میں ان کے مقام ومرتبہ سے بالکل ناواقف ہو یا پھر وہ حد درجہ خود پسندی کا شکار ہو۔

ائمہ اربعہ کا یہ اتفاقی مسئلہ ان کی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ متعدد احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی لابن قدامہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ ومن ادرك الامام فی الرکوع فقد ادرك الرکوع۔ اگر کوئی شخص امام کو حالتِ رکوع میں پائے تو اس نے رکوع کو پالیا یعنی اس کی یہ رکعت کامل ہوگی، پھر اس مسئلہ کی تائید میں سنن ابو داؤد کی یہ حدیث نقل کی ہے۔ لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ من ادرك الرکوع فقد ادرك الرکعۃ، یعنی آنحضورؐ کا ارشاد تھا کہ جس نے امام کو حالت رکوع میں پالیا اس نے اس رکعت کو پالیا۔ (المغنی ص ۵۰۴ ج ۱)

اس حدیث پاک نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا کہ امام کو جس نے حالت رکوع میں پالیا اس کی وہ رکعت مکمل ہوگئی۔

بخاری شریف میں حضرت ابوبکرہ کی روایت ہے کہ وہ مسجد میں پہونچے تو آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حالتِ رکوع میں تھے، ابوبکرہ نے جلدی کہ صف میں پہونچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا۔ اور پھر اس کا ذکر آنحضورؐ سے کیا، تو آپ نے فرمایا زادك اللہ حرصًا ولا تعد اللہ نماز کے سلسلہ میں تمہاری حرص اور بڑھائے مگر اب ایسا نہ کرنا، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

صف سے کٹ کر رکوع کرنے سے منع فرمایا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رکعت کو دھرانے کا حکم نہیں دیا، اس لئے معلوم ہوا کہ وہ رکعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں معتبر تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ بھی فرماتے کہ نماز کو دوبارہ پڑھ لو تمہاری ایک رکعت چھوٹ گئی ہے۔

یہ حدیث بھی اس مسئلہ میں نص ہے کہ حالت رکوع میں امام کو پانے والا پوری رکعت کا پانے والا ہوتا ہے۔

اب اگر اس صحیح حدیث کو بھی غیر مقلدین نہ مانیں تو ان کے ساتھ کون زبردستی کرے۔
بخاری شریف کی یہ وہ حدیث ہے کہ جمہور اہل اسلام اور ائمہ اربعہ نے اس کو اس مسئلہ میں بطور حجت ودلیل پیش کیا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوبکر حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت زید بن ثابت اور ان کے علاوہ دوسرے جلیل القدر صحابہ امام کے ساتھ اگر وہ شروع نماز میں شریک نہ ہوتے تو رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کرتے تاکہ رکعت نہ چھوٹے اور ان کی شرکت امام کے ساتھ پوری جماعت میں ہو، صحابہ کرام کا یہ عمل بتلا رہا ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوجانے پر وہ رکعت شمار کی جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ من فاتہ الرکوع فلا یعتد بالسجدۃ (مصنف عبدالرزاق) یعنی اگر کسی سے رکوع چھوٹ جائے اور امام کو حالتِ سجدہ میں پائے تو اس کا یہ سجدہ شمار نہ ہوگا یعنی محض سجدہ کے پانے سے اس کی یہ رکعت شمار نہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ رکوع میں اگر کسی نے امام کو پالیا تو اس کی وہ رکعت شمار ہوگی، اور یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ مصنف عبدالرزاق ہی میں ہے۔ عن علی وابن مسعود قالا من لم یدرك الرکعۃ الاولیٰ فلا یعتد بالسجدۃ یعنی حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس نے رکوع نہیں پایا اس کے سجدہ کا شمار نہ ہوگا۔ اور زید بن وہب کی یہ روایت بھی مصنف عبدالرزاق ہی میں ہے۔

عن زید بن وھب قال دخلت انا وابن مسعود والامام راکع فرکعنا ..... فلما فرغ الامام قمت فاصلی فقال قد ادرکتہ ، یعنی زید بن وہب فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود نماز میں شامل ہوئے تو امام رکوع میں تھا ہم نے بھی رکوع میں شرکت کی پھر جب امام نماز پوری کر چکا تو میں نے کھڑے ہو کر اس رکعت کو پورا کرنا چاہا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے منع کیا اور فرمایا کہ تمہاری وہ رکعت پوری ہو چکی ہے اسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث ہے۔ عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من ادرك ركعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرکھا قبل ان یقیم الامام صلبہ۔ حضرت ابو ہریرہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبل اس کے کہ امام رکوع سے کھڑا ہو اگر کسی نے امام کو رکوع میں پالیا تو اس نے رکعت کو پالیا۔

یہ حدیث بھی اس مسئلہ میں نص صریح ہے جس میں کسی طرح کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث مؤطا امام محمد میں ہے۔ اذا فاتتك الركعۃ فاتتك السجدۃ ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم سے رکوع فوت ہو گیا تو تمہارا سجدہ بھی فوت ہوا ، یعنی رکوع کے چھوٹنے سے پوری رکعت فوت ہو گئی ، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سے رکوع نہیں چھوٹا تو اس کی وہ رکعت پوری شمار ہوگی۔

غیر مقلدین شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی امامت فی الحدیث کے قائل ہیں اور ابن تیمیہ کی باتیں عام طور پر ان کے نزدیک ناقابل انکار ہوتی ہیں، حافظ ابن تیمیہ کا مسلک بھی اس مسئلہ میں وہی ہے جو جمہور کا ہے ، بخاری شریف میں حضرت ابو بکرہ کی روایت ہیں جو یہ ہے کہ انھوں نے جماعت میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تھا۔ جب کہ امام کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والی کی نماز نہیں ہوتی ہے تو حضرت ابو بکرہ کی وہ نماز کیسے صحیح ہوگی ؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ

ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

واما حدیث ابی بکرۃ فلیس فیہ انہ صلی متفرداً خلف الصف قبل رفع الامام راسہ من الرکوع فقد ادرک من الاصطفاف المامور بہ ما یکون بہ مدارکا للرکعۃ (صفحہ ۳۹۶/۲۳ فتاوی)

یعنی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے صف کے پیچھے امام کو رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے تنہا نماز ادا کی تھی انھوں نے صف میں شامل ہو کر امام کے ساتھ رکوع کی اتنی مقدار پالی تھی کہ جس سے مصلی پوری رکعت کا پانے والا قرار پاتا ہے۔

امام ابن تیمیہ کی یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے کہ امام کو حالتِ رکوع میں پانے والا رکعت پانے والا ہوا کرتا ہے، آگے ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ ولیس فیہ انہ امر باعادۃ الرکعۃ، یعنی اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرہ کو اس رکعت کو دوبارہ لوٹانے کا حکم فرمایا تھا، یعنی آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رکعت کو تام شمار کیا اگر وہ رکعت تام نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکعت کو دوبارہ لوٹواتے۔

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو لوگ امام بخاری ابن حزم وغیرہ کی تقلید میں یہ کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہونے والے کی رکعت شمار نہ ہوگی، دلائل وحقائق کی روشنی میں اس کا کوئی وزن نہیں ہے، حق وہی ہے جو جمہور اور ائمہ اربعہ کا مذہب ہے کہ ایسے مصلی کی وہ رکعت شمار ہوگی۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق بخاری کی شرح عون المعبود میں فرماتے ہیں:

وذھب جمھور الائمۃ من السلف والخلف الی ان مدارک الرکوع مدارک للرکعۃ من غیر اشتراط قراءۃ الفاتحۃ (صفحہ ۳۳۵/۱ ازاعلاء السنن)

یعنی جمہور ائمہ سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ فاتحہ پڑھے بغیر رکوع کو پانے والا پوری رکعت کا پانے والا شمار ہوتا ہے۔

اب آخر میں اس پر بھی غور فرمائیں کہ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے، وارکعوا

مع الراکعین، ایک جگہ حضرت مریم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے کہ وارکعی مع الراکعین، دونوں آیتوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم ہے اور یہاں مصلیوں سے کہا جارہا ہے کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو یعنی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو، قرآن پاک کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ رکوع کی حالت میں جو لوگ شریک ہونگے وہ پوری نماز باجماعت کو پانے والے ہوں گے اور ان کی ہر ہر رکعت باجماعت ہوگی۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وارکعی مع الراکعین کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

چونکہ کم از کم رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہونے والا اس رکعت کو پانے والا سمجھا جاتا ہے شاید اسی لئے نماز کو بعنوان رکوع تعبیر کیا گیا۔ کما یفہم عن کلام ابن تیمیہ فی فتاواہ (یعنی جیسا کہ فتاویٰ ابن تیمیہ میں ابن تیمیہ کے کلام سے یہی بات مفہوم ہوئی ہے۔

آپ نے اندازہ لگایا کہ جمہور کے ہاتھ میں قرآن بھی ہے، حدیث بھی ہے، صحابہ کرام کا عمل بھی ہے، ائمہ اربعہ کا اس مسئلہ میں اتفاق بھی ہے، اب اس کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ جمہور کا مسئلہ غلط ہے، اور امام بخاری اور ابن حزم جو کہتے ہیں وہی صحیح ہے تو ایسا شخص اس لائق نہیں ہے کہ اس کو منہ لگایا جائے۔

فقہی مسائل میں ائمہ فقہ ہی کی بات چلے گی، امام بخاری اور ابن حزم کی نہیں سنی جائیگی، امام بخاری بہت بڑے محدث تھے مگر وہ امام فقہ نہیں تھے، اس لئے فقہ کے مسائل میں ائمہ فقہ پر اعتماد کیا جائے گا، جمہور ائمہ فقہ کے خلاف کسی محدث کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا اور اگر کسی مسئلہ میں ائمہ اربعہ اتفاق کرلیں جیسا کہ اس مسئلہ میں ان کا اتفاق ہے، اسکی مخالفت اہل سنت کا شیوہ نہیں، اس کے خلاف ہر قول شاذ ہوگا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

محمد ابو بکر غازیپوری

خط اور اس کا جواب

کچھ سوالوں کے جوابات

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی!

درج ذیل سوالات کا جواب عنایت فرما کر کرم فرمائیں، ان سوالات سے مقصود اپنی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات پڑھا کرتے تھے۔ "مسبحات" سے مراد کیا ہے؟

(۲) صحابہ کرام کے زمانہ میں اہل کتاب سے شادی بیاہ کا رواج تھا؟

(۳) اپنی گفتگو میں ایک صاحب نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی عدم رفع یدین کے قائل تھے، لیکن انھوں نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا، اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے تو اس کا حوالہ تحریر فرمادیں۔

امید ہے کہ زمزم کی کسی قریبی اشاعت میں ان سوالات کے جوابات عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

والسلام

حسین بن علی محمد

حیدرآباد

نامہ ام! اپنے سوالات کے جوابات ترتیب وار ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ترمذی شریف وابوداؤد میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضور

اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے "مسبحات" پڑھا کرتے تھے۔

"مسبحات" قرآن کی ان سورتوں کو کہتے ہیں جن کے شروع میں "سبح للہ" یا "یسبح للہ" یا "سبح اسم ربك" آتا ہے۔

آنحضورؐ کا ارشاد تھا کہ مسبحات میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے، آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تعیین نہیں فرمائی تاکہ لوگ مسبحات والی تمام سورتیں پڑھیں، اور اس سورۃ کو خاص نہ کرلیں جس میں یہ فضیلت والی آیت ہے۔

(۲) اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمانوں کو نکاح کرنے کی اجازت شریعت نے دی ہے البتہ مسلمانوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی عورتوں کی شادی اہل کتاب مرد سے کریں۔ لیکن اس اجازت کے باوجود صحابہ کرام میں عام طور پر اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنے کا عمومی رواج نہیں تھا، نہ اسے پسند کیا جاتا تھا، بعض صحابہ کرام سے اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنا ثابت ہے۔

ابن جریج فرماتے ہیں کہ عطا سے پوچھا گیا کہ صحابہ کرام میں سے کس نے اہل کتاب میں سے شادی کی تھی۔ تو انھوں نے فرمایا حذیفہ بن یمان نے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں میرے خاندان کے ایک آدمی نے اہل کتاب کی ایک عورت سے نکاح کیا تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن وقاص کی فتوحات کا جس وقت سلسلہ جاری تھا اور صحابہ کرام مدینہ سے باہر تھے تو بعض صحابہ کرام نے کوفہ میں اہل کتاب عورتوں سے شادی کی تھی لیکن جب غزوات سے واپس ہوئے تو لوگوں نے ان عورتوں کو طلاق دے دیا تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ انھوں نے کسی یہودی عورت سے شادی کرلی ہے تو حضرت عمر نے ان کو لکھا ہے کہ وہ اس یہودیہ کو طلاق دے دیں حضرت حذیفہ نے حضرت عمر کا مشورہ قبول کیا اور اس کو طلاق دے کر

الگ کر دیا۔

اہل کتاب کی عورتوں سے شادی مباح ہونے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت ناپسند تھا کہ مسلمان اہل کتاب عورتوں سے شادی کریں، حضرت عمر کو جب معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ نے کوفہ میں کسی یہودیہ سے شادی کی ہے تو ان کو لکھا طلقها فانها جمرة ۔ اس کو طلاق دے دو یہ آگ کا شعلہ ہے۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں اہل کتاب عورتوں سے شادی کا عمومی رواج نہیں تھا، اور اگر کسی نے شادی کی بھی تو کبار صحابہ اسے ناپسند کرتے تھے۔

(حوالہ کیلئے مصنف عبدالرزاق جلد سابع دیکھو)

(۳) مؤطا امام محمد میں حضرت علی سے رفع یدین نہ کرنے والی روایت موجود ہے

قال محمد اخبرنا محمد ابن ابان بن صالح عن عاصم بن كليب الجرمي عن ابيه قال رأيت على بن ابي طالب رفع يديه في التكبيرة الاولى من الصلوٰة المكتوبة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك ۔ ص۹۲

عاصم بن کلیب جرمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ پہلی فرض نماز کی پہلی تکبیر میں رفع یدین کیا، اس کے سوا نماز میں کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کیا۔

اسی روایت کو حضرت امام محمد نے ابوبکر بن عبداللہ نہشلی سے بھی روایت کیا ہے مگر اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن عاصم بن كليب عن ابيه، وكان من اصحاب على ان على بن ابي طالب كرم الله وجهه كان يرفع يديه في التكبيرة الاولىٰ التي يفتتح بها الصلوٰة ثم لا يرفعهما في شيء من الصلوٰة ۔

یعنی عاصم اپنے والد (جو کہ حضرت علی کے اصحاب میں سے تھے) روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف اس پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے جس سے اپنی

نماز شروع کرتے اس کے سوئی نماز میں کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

درایہ میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :

واخرج الطحاوی من طریق عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا کان یرفع یدایہ فی اول تکبیرۃ من الصلوٰۃ ثم لا یعود ورجالہ ثقات۔

یعنی طحاوی نے عاصم بن کلیب کی سند سے حضرت علی کی یہ روایت ذکر کی ہے۔ عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر دوبارہ کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

مؤطا امام محمد، طحاوی، درایہ کے علاوہ حضرت علی والی یہ روایت احادیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ (اس کے لئے نصب الرایہ دیکھئے)

لطیفہ

نماز میں عدم رفع یدین کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بالکل صحیح سند سے ثابت ہے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیح سند والا یہ اثر غیر مقلدین کے مذہب کے خلاف تھا۔ اس لئے یہ حضرات بہت پریشان ہوئے کہ اب کیا کیا جائے تو ان کے مقتدائے اعظم مولوی محمد جوناگڈھی نے اپنے رسالہ دلائل محمدی میں پہلے تو یہ لکھا کہ اس اثر کی سند صحیح نہیں ہے، مگر اس اثر کی سند کا صحیح ثابت نہ کرنا بڑا مشکل تھا اس وجہ سے کہ بڑے بڑے محدثین نے اس اثر کو صحیح کہا ہے تو جوناگڈھی صاحب نے حضرت علی کے بارے میں یہ بکواس کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رفع یدین والا مسئلہ باوجود شہرت کے معلوم نہیں رہا ہوگا۔ (دیکھو جوناگڈھی کا رسالہ دلائل محمدی)

یہ ہے اجلائے صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے بارے میں غیر مقلدین کی سوچ کا انداز اور ان کی پرواز فکر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (محمد ابوبکر)

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

نماز جنازہ میں اونچی آواز سے قرأت کرنا

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی ۔ المغنی لابن قدامۃ کا شمار معتبر کتابوں میں ہے ؟

باپ ۔ جی بیٹا ۔ فقہ حنبلی کی یہ بہت معتبر اور مشہور کتاب ہے ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو امام سنت ہیں انھیں کے مسائل فقہیہ کو اس کتاب میں بہت تفصیل سے جمع کیا گیا ہے ۔ ہمارے والدنا شیخ ابن باز نے اپنے وقت میں اپنے ادارہ سے بہت اہتمام سے اس کو شائع کرایا تھا ۔

بیٹا ۔ اباجی اس کتاب میں یہ عبارت میری نگاہ سے گذری ہے

ویسر القراءۃ والدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ لانعلم بین اھل العلم فیہ خلافاً (ص ۴۸۶ / ج ۲) ذرا اس کا ترجمہ کردیں ۔

باپ ۔ بیٹا عبارت تو بہت صاف ہے ، ترجمہ یہ ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت آہستہ کی جائے گی اور دعا بھی آہستہ پڑھی جائے گی ، اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف ہو ہمیں اس کا پتہ نہیں ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں جو کچھ پڑھا جائے گا آہستہ پڑھا جائے گا

یہ اجماعی مسئلہ ہے، تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے۔

باپ۔ جی بیٹا، البتہ شیعہ اور روافض نماز جنازہ میں اونچی آواز سے پڑھتے ہیں ہم لوگ انکو اہل علم میں سے شمار نہیں کرتے ہیں۔

بیٹا۔ مگر اباجی یہ تو ہماری جماعت کے علماء بھی اہل علم کے خلاف شیعوں اور رافضیوں کے مذہب کے مطابق فتویٰ دے رہے ہیں، اب ہماری جماعت کے علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ جنازہ کی نماز بآواز بلند پڑھی جائے گی۔ فتاویٰ علمائے اہل حدیث میں لکھا ہے۔

دلائل کے لحاظ سے بلند آواز کے ساتھ جنازہ پڑھنا افضل اور قوی ہے۔ ج۵ ص۱۵۲

اور فتاویٰ ثنائیہ میں مولانا حافظ احمد پٹوی لکھتے ہیں۔

جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورہ بآواز بلند پڑھنا جائز بلکہ سنت ہے۔ ج۲ ص۵۶

باپ۔ بیٹا۔ اب اگر ہمارے علماء کا اجتہاد بدل گیا ہو تو میں نہیں کہہ سکتا، مگر ہمارے پہلے کے تمام علماء آہستہ ہی آواز سے نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔

بیٹا۔ کیا ہماری جماعت میں شیعیت اور رافضیت کے جراثیم پیدا ہو گئے ہیں اباجی؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

نماز جنازہ میں رفع یدین کرنا صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے

بیٹا۔ اباجی۔

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن حفظہ اللہ کا آج کا وعظ بڑا زوردار تھا، انھوں نے چیلنج کے انداز میں یہ بات کہی کہ ہم اہلحدیث لوگ صرف قرآن اور صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ ضعیف حدیث کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔

باپ۔ جی بیٹا، اہلحدیث لوگ صرف صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں، ضعیف حدیث پر مقلدین یعنی

حنفی مذہب کے لوگ عمل کرتے ہیں۔

بیٹا۔ اباجی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری تو جماعت اہلحدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔

باپ۔ جی بیٹا وہ بہت بڑے اہلحدیث عالم تھے، صحیح حدیث کی اشاعت میں رات دن ایک کیا کرتے تھے۔

بیٹا۔ اباجی فتاویٰ ثنائیہ میں ان کا یہ فتویٰ شائع ہوا ہے۔

جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ صفحہ ۵ / ۲۲

اباجی میں نے مولانا کا یہ فتویٰ پڑھ کر اس مسئلہ کی صحیح حدیث تلاش کرنے میں رات دن ایک کر دیا۔ اس پی ایچ ڈی کے پاس گیا اس پی ایچ ڈی کے پاس گیا۔ شیخ جمن سے توسل و استعانت کیا، شیخ سنت مدد کا وظیفہ پڑھا مگر مجھے اس مسئلہ کی صحیح حدیث نہیں ملی۔

باپ۔ بیٹا، اگر تم نے فتاویٰ ثنائیہ کے اس صفحہ کو غور سے پڑھا ہوتا تو تم کو پریشان نہ ہونا پڑتا۔ دیکھو ہمارے شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں۔

تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی یا فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں ہے۔ (صفحہ ۵ / ۲۲ فتاویٰ ثنائیہ)

بیٹا۔ تو اباجی، ہمارے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب جو ہماری جماعت کے اتنے بڑے عالم ہیں اس بات کو مستحب کیوں کہتے ہیں جو کسی صحیح مرفوع قولی یا فعلی یا تقریری حدیث سے ثابت نہیں ہے، یہ تو ہماری جماعت کے لئے بڑے ننگ و عیب کی بات ہے۔

اباجی کہیں چالو قسم کا فتویٰ تو نہیں ہے، جو جلد بازی میں دے دیا گیا ہے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

لیجئے اب ضعیف حدیث پر عمل نہ کرنے کی رٹ ختم ہونے جا رہی ہے

بیٹا۔ اباجی۔

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا - اباجی ہم جماعتِ اہلحدیث کے لوگ تو ضعیف حدیث پر عمل نہیں کرتے ؟

باپ - نہیں بیٹا، بالکل نہیں ہم لوگ صرف صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں، ضعیف حدیث پر مقلدین یعنی حنفی مذہب والے عمل کرتے ہیں -

بیٹا - اباجی، صحابہ کا عمل بھی تو ہمارے مذہب میں حجت نہیں ہے ؟

باپ - جی بیٹا، صحابہ کا عمل بھی خواہ وہ خلیفہ راشد ہی کیوں نہ ہو، ہمارے مذہب میں حجت نہیں ہے، وہ موقوفات صحابہ حجت نہیں (صحابہ پر موقوف روایتوں میں حجت نہیں ہے) تو ہمارا نعرہ ہے، صحابہ کی باتوں کو مقلدین یعنی احناف حجت سمجھتے ہیں، ہم لوگ صرف قرآن وحدیث والے ہیں -

بیٹا - اباجی، تو ہمارے شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی صاحب کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے وہ فرماتے ہیں

تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی یا فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں ہے، البتہ بعض صحابہ سے ضرور ثابت ہے، اس موقوف روایت ونیز بعض ضعیف احادیث کی رو سے تکبیراتِ جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنا جائز ہے - (ص ۵/۲ج فتاویٰ ثنائیہ)

اباجی ہمارے شیخ الحدیث صاحب تو صحابی کی موقوف روایت اور ضعیف احادیث کی رو سے جنازہ کی تکبیرات میں رفع یدین کرنے کو جائز کہہ رہے ہیں؟ جائز ہونا اور ناجائز ہونا شرعی حکم ہے، تو اب کیا ضعیف حدیث پر عمل نہ کرنے کی رٹ ہم لوگ ختم کرنے جا رہے ہیں اباجی ؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا -

نمازِ جنازہ میں رفع یدین کرنا جائز ہے یا مستحب ہے

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا

بیٹا ۔ ابا جی ہم لوگ صرف صحیح حدیث کی روشنی میں فتویٰ دیتے ہیں اور مقلدین رائے سے فتویٰ دیتے ہیں ۔

باپ ۔ جی ہاں بیٹا ، ہمارے درمیان اور مقلدین کے درمیان یہی فرق ہے ہم لوگ قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں اور مقلدین امام ابوحنیفہ کے قول پر رہتے ہیں ۔

بیٹا ۔ ابا جی ، تب تو ہمارے علماء کا ہر مسئلہ میں اتفاق ہونا ضروری ہے ، مثلاً جو چیز حلال ہو اسے سب حلال کہیں اور جو چیز حرام ہو اسے سب حرام کہیں ، مستحب عمل کو سب مستحب کہیں اور جو چیز جائز ہو اسے سب جائز ہی کہیں ؟ ہمارے علماء کے فتاویٰ الگ الگ نہ ہوں ۔

باپ ۔ جی بیٹا ۔ ہمارے تمام علماء کا مسلک ایک ہی ہے ، ہم لوگ رائے والے نہیں ہیں کہ ہمارے علماء کا قول الگ الگ ہوگا ۔

بیٹا ۔ ابا جی ، مگر ہمارا تجربہ تو اس کے خلاف ہے ۔ دیکھئے نا ، ہمارے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں کہ جنازہ میں رفع یدین کرنا جائز ہے ، اور ہمارے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مستحب ہے اور دونوں نے قرآن وحدیث سے فتویٰ دیا ہوگا ؟

باپ ۔ بیٹا ، مستحب اور جائز میں کیا فرق ہے ؟

بیٹا ۔ ابا جی ، بہت بڑا فرق ہے ، مستحب کے کرنے میں ثواب ملتا ہے ، اور جو عمل محض جائز ہو اس کے کرنے میں ثواب نہیں ہوتا اور نہ کرنے میں گناہ نہیں ہوتا ۔

باپ ۔ بیٹا یہ سب باریکیاں فقہ کے کھلواڑ ہیں ، ہم لوگوں کو اس سے مطلب نہیں ہوتا ۔

بیٹا ۔ ابا جی ہمارے علماء کو ان فقہی کھلواڑوں سے کیوں مطلب نہیں ہوتا ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - اباجی، ہمارے گھر کی عورتیں مسجد میں نماز پڑھنے جاتی ہیں اور احناف کے گھر کی عورتیں اپنے گھروں میں نماز پڑھتی ہیں۔

باپ - بیٹا، احناف کی عورتیں مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتی ہیں، ان کا یہ عمل خلافِ سنت ہے عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنا چاہئے۔ آنحضورؐ کا بخاری میں صاف ارشاد ہے۔ لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ یعنی اللہ کی باندیوں (عورتوں) کو مسجد میں آنے سے مت روکو

بیٹا - اباجی رات دن کی ہر نمازیں عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنا مسنون ہے؟

باپ - جی بیٹا - عورتوں کو پانچوں وقت کی نمازوں میں مسجد میں آنا مسنون ہے، ہم اہلحدیث لوگوں کا یہی مذہب ہے۔

بیٹا - اباجی، تو بخاری شریف میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا کیا مطلب ہے، ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد یعنی عورتوں کو مسجد میں آنے کی رات میں اجازت دو۔

بخاری کی اس حدیث سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عورتوں کو صرف رات میں آنے کی اجازت ہے وہ بھی شوہروں کی اجازت سے۔

باپ - مگر لاتمنعوا اماء اللہ والی حدیث مطلق ہے کسی وقت اور زمانہ کی قید نہیں ہے۔

بیٹا - اباجی، مگر جب صحیح حدیث میں رات کی قید موجود ہے تو اسکو نظرانداز کیسے کیا جا سکتا ہے، ہمارے علماء تو لکھتے ہیں کہ ایک حدیث دوسری حدیث کیلئے تفسیر ہوتی ہے۔

باپ - ہاں بیٹا، یہ بات تو ہمارے علماء بار بار کہتے ہیں۔

بیٹا - تو اباجی، اس مسئلہ میں ہمارے اہلحدیث لوگوں نے بخاری کی اس صحیح حدیث کو کیوں چھوڑ دیا؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا -

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۵

جنوبی افریقہ کا سفر

۱۵ر اکتوبر - آج صبح مجھے رستمبرگ RUSTAMBAR جانا تھا، یہاں میرے شاگرد مولانا اسماعیل متارا رہتے ہیں[1] تڑکے صبح ہی مولانا اسماعیل مجھے لینے آگئے تھے، رستمبرگ شہر کلٹ ڈورپ سے ایک سو چوراسی کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، پورا راستہ پہاڑیوں، وادیوں اور سبزہ زاروں سے گزر رہا تھا، قدرت کے حسین فطری مناظر دیکھ کر طبیعت میں بڑا انشاط تھا، ہم ظہر سے بہت پہلے رستمبر پہونچ گئے تھے، مولانا اسماعیل کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کا یہ گھر شیش محل نظر آیا، پورے گھر میں شیشہ لگا ہوا تھا۔

---

(۱) مولانا اسمٰعیل متارا گجرات سملک کے رہنے والے ہیں، ڈابھیل میں مجھ سے پڑھا تھا، ساؤتھ افریقہ میں بیس سال سے مقیم ہیں، اور یہاں اچھا مقام پیدا کر لیا ہے، ایک بہت شاندار مسجد کے امام ہیں جہاں وہ لوجہ اللہ امامت کرتے ہیں، ایک مدرسہ میں پڑھاتے بھی ہیں، ان کی اپنی ایک ذاتی دوکان بھی ہے، جب یہ مدرسہ میں ہوتے ہیں تو ان کی بیوی دوکان دیکھتی ہیں، معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ تعویذ کا کام بھی بڑے ڈھنگ اور سلیقہ سے کرتے ہیں، ان کی تعویذ سے ایک صاحب کو فائدہ ہوا تو اس نے خوش ہو کر بہت شاندار مکان ان کو ہدیہ کر دیا، میں نے ان سے کہا کہ امامت کا پیسہ کیوں نہیں لیتے، تو کہا کہ اللہ تعالیٰ اتنا دیتا ہے کہ امامت کا پیسہ لینے کی ضرورت نہیں ہے، بیس سال سے اپنی مسجد میں امام ہیں۔

میرے لئے جو کمرہ مخصوص تھا وہ پورا کمرہ نہایت خوبصورت شیشوں سے مزین تھا، نہادھو کر کھانا کھایا گیا اور ظہر سے عصر تک آرام کے لئے میں اپنے کمرہ میں چلا گیا، عصر سے پہلے اٹھا تھا تو گھر میں سناٹا تھا باہر سے دروازہ بند مجھے چائے کی شدید خواہش تھی، میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا کہ گھر کے ایک کونہ میں ایک کالی خادمہ نظر آئی، میں نے اس سے اشارہ سے بتلایا کہ مجھے چائے پینی ہے، اس نے میری بات سمجھ لی اور بہت عمدہ چائے بنا کر دی، میں نے اس خادمہ کو دیکھا کہ مولوی اسماعیل کے چھوٹے بچے کو اپنی پیٹھ پر باندھ کر گھر کے کام میں لگی ہے اور بچہ آرام سے اس کی پیٹھ سے بندھا سو رہا ہے، یہاں یہ عام دستور ہے کہ چھوٹے بچوں کو خادماؤں کے حوالہ کر کے ماں باپ اپنے اپنے کام پر نکل جاتے ہیں اور یہ خادمائیں جو عموماً کالی ہوتی ہیں بچوں کی پوری دیکھ بھال کرتی ہیں، عصر کے وقت مولوی اسماعیل آگئے اور میں ان کے ساتھ مسجد نماز پڑھنے گیا، مسجد کی شانداری دیکھ کر طبیعت جھوم گئی، نماز سے قبل ہی ایک صاحب میرے سامنے آکر کھڑے ہوگئے اور مسکرا کر مجھے تکتے رہے زبان سے کچھ کہتے نہیں، تھوڑی دیر میں نے ان کو دیکھا اور کہا کہ یعقوب کرمانی، بس یہ کہ کر لپٹ گئے، اور ہنس کر کہا کہ میں اندازہ رہا تھا کہ آپ مجھ کو پہچانتے ہیں کہ نہیں، میں نے کہا کہ میں تم کو تمہاری مسکراہٹ سے پہچان لیا۔ یعقوب کرمانی بھی ڈابھیل کے زمانہ کے میرے شاگرد رہیں اور جنوبی افریقہ آکر بس گئے ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ نہیں ہے اس وجہ سے ابھی تک یہاں یہ جم نہیں پائے۔

عصر کی نماز پڑھ کر میں مولوی یعقوب کرمانی اور مولوی اسماعیل تفریح کیلئے قریب ہی ایک پارک میں چلے گئے، مغرب تک کا وقت وہیں گزارا۔

مولوی اسماعیل کی مسجد میں عشاء بعد میرا آدھ گھنٹہ بیان ہوا، رات ہی میں حسب پروگرام آزاد ویل آگیا جہاں مفتی محمد سعید مثالا کے گھر آرام سے رات گذاری۔

۱۶ر اکتوبر۔ آج صبح ناشتہ مولوی مفتی سعید کے گھر ہوا، ناشتہ کے بعد ان حضرات کا اصرار ہوا کہ بچوں کے لئے کچھ خریداری کر لیجئے، میں اس کے لئے تیار نہیں تھا، مگر مولانا عبدالرحیم اور مولوی مفتی سعید اور عزیزم مولوی احمد درویش کا بہت اصرار ہوا کہ بچوں کے لئے کچھ خریداری ضرور کرنی ہے، مجھے معلوم تھا کہ ان حضرات کی بیویوں نے اپنے طور پر بہت کچھ خرید لیا ہے، اس کے باوجود یہ حضرات کچھ نہ کچھ خریدوانے پر مصر تھے، چنانچہ جہانسبرگ کے ایک شاپنگ سنٹر سے کچھ گرم کپڑے لئے گئے اپنے نواسے اور نواسیوں کے لئے کچھ خریدا اور پھر گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد آزادویل آگئے۔

آج دوپہر کا کھانا مفتی سعید صاحب کے گھر تھا، کھانے پر خاصا اہتمام تھا، مفتی سعید نے اپنے پاس پڑوس کے لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا، بہت سے رشتہ دار بھی تھے۔ حضرت مولانا بایزید مدظلہٗ بھی تشریف لائے تھے، اور اپنی پُرلطف گفتگو سے مجلس کو گرمائے ہوئے تھے، چونکہ مجھے عصر سے پہلے بلونی BLUONI جانا تھا اس وجہ سے میں جلد ہی اپنے کمرہ میں آرام کرنے چلا گیا، گھنٹہ بھر آرام کرنے کے بعد آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ بلونی کے لوگ مجھے لینے آچکے ہیں اور میرا انتظار کر رہے ہیں۔

بلونی کی دعوت مولانا ایوب کاچھوئی مفتی ہاشم بھوجا اور مولانا حسن راوت نے دی تھی، مولانا ایوب صاحب کاچھوئی بڑے فعال اور دینی و سماجی کام کرنے والے بزرگ ہیں، حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی کے خاص معتمد علیہ ہیں، بلونی میں ان کا ایک مدرسہ ہے جس میں بچے اور بچیوں کی بڑی تعداد ہے، اور اس کی کارکردگی نہایت عمدہ ہے، مولانا ایوب کاچھوئی جمعیۃ علماء جہانسبرگ کے خاص ذمہ داروں میں سے ہیں، عصر سے پہلے مولانا ایوب صاحب نے مدرسین کو ایک کمرہ میں جمع کر لیا تھا، سب علماء ہی تھے اس وجہ سے گفتگو میں کوئی تکلف نہیں تھا۔ ان سے سلفیت کے موضوع پر تقریباً آدھ گھنٹہ بات کی گئی، عصر بعد مفتی علی نور گت کے گھر گئے وہاں چائے پی گئی، یہاں بھی بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے، مغرب بعد کھانا مولوی حسن راوت کے یہاں تھا، آج میری طبیعت کچھ بھاری تھی، کھانا بس برائے نام ہی کھایا، پھر لیٹ گیا۔

طبیعت کو لیٹنے سے کچھ سکون ہوا، عشاء بعد یہاں کی جامع مسجد میں پون گھنٹہ بیان ہوا، بیان کے بعد مولوی مفتی سعید اور مولوی احمد درویش کے ہمراہ آزادویل اپنی قیام پر آ گیا اور رات سکون سے گزری۔

۱۷ر اکتوبر۔ آج صبح کا ناشتہ مولوی احمد درویش کے گھر کیا، پھر وہیں کچھ دیر آرام کیلئے زمین ہی پر لیٹ گیا، الحمدللہ بڑا آرام ملا اور ایک گھنٹہ تک سوتا رہا، پھر ہم لوگ جوہانسبرگ کے لئے نکلے، جوہانسبرگ میں مفتی سعید ہمارا کے ایک شاگرد نے اپنے گھر دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا تھا، مولوی مفتی سعید اور مولوی احمد درویش ساتھ میں تھے، کھانے سے فراغت ہوئی تو تھوڑی دیر آرام کیا اور ظہر کی نماز پڑھ کر نئے سفر کی تیاری شروع ہوئی۔

آج مجھے BLOEM FONTEN (بلوم فینٹن) جانا تھا، جہانسبرگ سے یہ شہر چار سو کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، یہاں میرے ایک بہت عزیز شاگرد مولوی محمود بسم اللہ رہتے ہیں[۱]، وہ آزادویل آکر مجھ سے مل چکے تھے اور دو ایک روز میرے ساتھ رہے بھی، انھوں نے میرے لئے ہوائی جہاز سے سفر کا انتظام کیا تھا، جہانسبرگ سے بلوم فینٹن کے لئے جہاز کا وقت تین بجے کا تھا، ہم لوگ آدھ گھنٹہ پہلے ایر پورٹ پہونچ گئے تھے۔ مولوی احمد درویش اور مفتی سعید مجھے چھوڑنے آئے تھے، جب میں اندر چلا گیا تو یہ لوگ واپس چلے گئے، جہاز وقت

---

(۱) مولوی محمود بسم اللہ ڈابھیل کے رہنے والے ہیں، ڈابھیل سے فراغت کی ہے، پھر لندن چلے گئے تھے، شادی لندن ہی میں کی تھی، لندن میں وہ زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکے تو جنوبی افریقہ آگئے۔ الحمدللہ ایک مسجد کے امام ہیں، صبح میں بیکری کی ایک دوکان پر کام بھی کرتے ہیں، بہت تیز اور ہر قسم کے آدمی ہیں، کھانے کے دسترخوان پر جب ہوں گے تو دو ایک سامان ضرور گرائیں گے، کبھی پانی کا جگ کبھی سالن کا برتن اور کبھی کوئی اور چیز، بات بہت محبت اور پیار سے کرتے ہیں، بہت سادہ مزاج اور خلوص والے نوجوان ہیں، اپنے شہر میں انھوں نے اچھا مقام پیدا کر لیا ہے، اور اب ان کا فون آیا ہے کہ انھوں نے اپنی ایک دوکان بھی کر لی ہے۔

پر اڑا اور اس نے سوا چار بجے دن میں بلوم فنٹین پہونچا دیا۔ یہ جہاز بہت چھوٹا تھا، مسافروں میں صرف میں ہی ایک مسلمان مسافر تھا، مسافروں کی خدمت کرنے والی صرف دو لڑکیاں تھیں، ان میں سے ایک سفید فام لڑکی بلا وجہ مصنوعی مسکراہٹ سے طبیعت کو مکدر کر رہی تھی۔

ایر پورٹ پر مولوی محمود بسم اللہ اپنے بعض احباب کے ساتھ مجھے لینے آ گئے تھے ہم ان کے ساتھ مولوی محمود بسم اللہ کے گھر پہونچے اور چائے پی کر آرام کیا پھر عصر کی نماز کے لئے محمود بسم اللہ کی مسجد گئے۔ یہ مسجد ایک بہت بڑے شاپنگ سینٹر کے اوپر کے حصہ میں تھی، یہ پورا شاپنگ سنٹر جو کسی کمپنی کا تھا، مسلمانوں نے ڈیڑھ ملین رین میں خرید لیا ہے، اس میں سیکڑوں دکانیں ہیں، اب مسلمان اس کو جدید انداز میں ڈھالکر مسجد کو وسیع کرنیوالے ہیں، جہاں مدرسہ بھی ہوگا اور دوکانوں کے کرایہ سے مسجد اور مدرسہ کے اخراجات پورے کئے جائیں گے۔ عصر کی نماز کے بعد مولوی بسم اللہ کے بعض ملنے والے دیندار مخلص تاجروں کی دوکانوں پر جانا ہوا، مغرب بعد ایک صاحب کے گھر آرام کیا عشار کی نماز کے بعد مسجد کے مصلیوں سے تھوڑی دیر دین کی بات ہوئی، یہاں کے لوگ اردو کم سمجھتے ہیں، میری تقریر کا ترجمہ مولوی محمود بسم اللہ نے انگریزی میں کیا، عشار بعد کھانا ہوا جس کا انتظام اس شہر کے ایک بڑے تاجر بھائی عبدالصمد نے اپنے گھر کیا تھا، بھائی عبدالصمد بڑے تاجر ہیں مگر بہت متواضع اور علمار کی قدر اور محبت اپنے دل میں رکھتے ہیں، رات مولوی محمود کے گھر عافیت سے گزری، میں نے عرض کیا کہ مولوی محمود کی طبیعت میں عجلت بہت ہے، تین بجے رات ہی میں جگا دیا اور کہا کہ غازی پور گھر پر فون کر کے وہاں کی خیریت معلوم کر لیں پھر انھوں نے لندن فون کر کے میرے بعض شاگردوں کا فون نمبر حاصل کیا اور ان سے بات کرائی ان شاگردوں کی آواز لندن سے میرے کانوں میں بیس سال کے بعد پہونچ رہی تھی، ڈابھیل اور دیوبند سے فارغ ہو کر یہ شاگرد لندن میں جا بسے ہیں اور دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۸ر اکتوبر۔ آج کا دن جمعہ کا تھا، اور مولوی بسم اللہ کی دعوت پر مفتی سعید مثالا اور مولوی احمد درویش اور مولانا عبدالرحیم صاحب بلوم فنٹین بذریعہ کار آنیوالے تھے، گیارہ بجے کے قریب شہر سے باہر ہم لوگ ان کے استقبال میں گئے، مولوی محمود نے

ان کو راستہ کی جو نشاندھی کی تھی اس میں کچھ چوک ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ان حضرات کو پریشان ہونا پڑا، موبائیل کے ذریعہ سے رابطہ ہوتا رہا بالآخر یہ لوگ پہونچ گئے، اور ہم ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔

جمعہ کی نماز سے پہلے مفتی سعید کا انگریزی میں بیان ہوا، ان کی تقریر برجستہ اور بڑی رواں دواں تھی، لوگ بڑے انہماک اور توجہ سے سن رہے تھے، جمعہ کی نماز مولوی محمود بسم اللہ نے پڑھائی جمعہ کی نماز کے بعد ایک کالے کو میرے سامنے لایا گیا جس نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا میں نے اس کا نام صدیق رکھا، میں اپنی اس سعادت پر تازندگی اللہ کا شکر ادا کروں گا کہ میرے ہاتھ پر ایک غیر مسلم مسلمان ہوا، معلوم ہوا کہ تقریبًا ہر ہی جمعہ کو ایک دو کالے اس طرح مسلمان ہوتے ہیں، کالوں پر افریقہ کے مسلمان بہت توجہ دے رہے ہیں، اس کی وجہ سے ان کے مسلمان ہونے کی تعداد ہر روز بڑھ رہی ہے۔

جمعہ بعد دوپہر کا کھانا مولوی محمود بسم اللہ کے یہاں ہوا، دسترخوان پر بہت سے لوگ تھے، کھانے کے اقسام بھی متنوع تھے، میں نے مولوی محمود بسم اللہ سے پوچھا تنہا تمہاری بیوی نے اتنا انتظام کیسے کرلیا، تو انھوں نے بتلایا کہ دو کالی عورتیں بھی ان کی مدد کر رہی تھیں، یہاں اس طرح کام کرنے والی کالی عورتیں دو تین گھنٹہ یا دن بھر کے لئے اجرت پر مل جاتی ہیں، اس سے گھر کی عورتوں کو زیادہ کھانا پکانے میں کافی سہارا ہو جاتا ہے، عصر بعد بعض حضرات کے گھر اور دکانوں پر دعا کے لئے جانا ہوا، اس میں بطورِ خاص علی بھائی نامی ایک صاحب کا ذکر ضروری ہے، معلوم ہوا کہ یہ علی بھائی میرے پہونچنے سے ایک روز قبل تک بڑے متشدد قسم کے بدعتی تھے دیوبندیوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ کسی دیوبندی عالم اور مولوی سے ان کا کوئی تعلق تھا۔ جب میں پہونچا تو معلوم نہیں اللہ نے ان کے دل میں کیا ڈالا کہ وہ میری تقریر میں شریک ہوئے میرے پیچھے نماز بھی پڑھی اور بڑے اصرار سے مجھے اپنے گھر بھی دعا کرانے کے لئے لے گئے اور دو ایک روز میرے ساتھ رہنے کے بعد ان کی کایا ہی پلٹ گئی، اور ان کی عقیدت میں ہر آن اضافہ ہوتا رہا، وہاں کے لوگوں کو بھی بڑا تعجب تھا کہ علی کی زندگی کا نقشہ یک بیک کس طرح بدل گیا۔

افریقہ میں جب تک میرا قیام رہا، علی بھائی بار بار مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرتے رہے افریقہ سے جب میں ہندوستان لوٹا تو مولوی محمود کا فون آیا کہ علی بھائی کو ایک بہت بڑی دکان مل گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح عقیدہ اور عمل پر قائم رہنے کی دائمی توفیق بخشے۔

مغرب بعد میری تقریر ہوئی جس کا انگریزی ترجمہ مولوی سعید نے کیا ترجمہ بہت رواں دواں تھا، جس سے معلوم ہوا کہ مولوی سعید کو انگریزی زبان پر پورا عبور حاصل ہے۔ بعض حاضرین نے بتلایا کہ ان کی انگریزی بہت اچھی ہے، وہ بہت فصیح زبان استعمال کرتے ہیں، تقریر کا موضوع اصلاحی تھا، جس کو لوگوں نے پسند کیا۔ مولوی محمود نے بتلایا کہ لوگ کہہ رہے تھے کہ بہت دنوں کے بعد تبلیغ والوں کے موضوع سے ہٹ کر ایک دوسری قسم کی تقریر سننے کا موقع ملا۔

عشاء بعد کھانے کے لئے حاجی صابر صاحب نے مدعو کیا تھا یہ بلوم فنٹین شہر کے بڑے تاجر ہیں۔ انھوں نے میرے بلوم فنٹین پہونچنے سے پہلے میرے بارے میں کوئی خواب دیکھا تھا، اور کسی بزرگ سے کچھ ہدایات سنی تھیں، ان کے گھر کے بچوں نے بھی کچھ اسی قسم کا خواب دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے حاجی صابر صاحب کو غائبانہ مجھ سے بڑی عقیدت ہوگئی تھی وہ میرے لئے سراپا انتظار تھے۔ جب میں بلوم فنٹین پہونچا تو یہ بڑی عقیدت سے ملے، کھانے میں حاجی صابر صاحب نے بہت سے لوگوں کو مدعو کیا تھا، کھانے میں اقسام وانواع کے گوشت تھے، یہ دعوت بڑی دلچسپ تھی۔ حاجی صابر صاحب اس پر بہت خوش تھے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ میرے گھر میں علماء کی اتنی بڑی جماعت حاضر ہوئی۔

رات انھیں حاجی صابر صاحب کے یہاں گذاری گئی، مولوی محمود بسم اللہ نے مفتی سعید وغیرہ کو ڈیڑھ بجے رات ہی میں جگا دیا کہ آپ لوگوں کو صبح جانا ہے تیاری کرلیں، اس پر بڑا لطیفہ ہوا جانا صبح کو بعد فجر ہے، اور ڈیڑھ بجے رات میں جگا کر ان کو سفر کی تیاری کے لئے کہا جا رہا تھا، جبکہ سفر کی تیاری صرف یہ تھی کہ گاڑی میں بیٹھے اور روانہ ہوگئے۔ بہرحال مفتی سعید بسم اللہ اور ان کے رفقاء مولوی احمد درویش اور مولانا عبدالرحیم فجر سے پہلے ناشتہ سے فارغ ہوکر

بقیہ ص۵ پر

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

مقالات ابوالمآثر کے بارے میں

محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ دورِ حاضر کے ان جلیل القدر علماء میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ علمی استحضار، رسوخ فی العلم، وسعتِ مطالعہ دنیا کے کتب خانوں میں پائے جانے والے مخطوطات پر گہری نظر، ذکاوت و ذہانت، ذہنی تیقظ، اور بے نظیر قوتِ حفظ کی دولت سے نوازا تھا وہ اپنے معاصر علماء میں ان خصوصیات میں بہت خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ حدیث و فقہ میں بلا مبالغہ ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا، حضرت مولانا کی ان خصوصیات کا اعتراف نہ صرف برصغیر کے علماء کو تھا بلکہ عالم اسلام میں بھی مولانا کی ان خصوصیات کا کھلے دل سے اعتراف کیا جاتا رہا اور بڑے بڑے اصحابِ فضل و کمال مولانا کے علمی تبحر و کمالات کے معترف اور مداح تھے۔

مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی ان مذکورہ خصوصیات اور امتیازات کے سوا مولانا کو اپنے معاصر علماء میں جو ایک اور چیز ممتاز کرنے والی تھی جن میں ان کا مثنیٰ ہندوستان میں تو کوئی نہیں تھا مصر میں علامہ زاہد کوثری ضرور تھے، وہ مولانا اعظمی کی دینی غیرت و حمیت اور حق کے خلاف قدم اٹھانے والوں کا بھرپور تعاقب کرنا اور ان کو ان کی حیثیت دلانے کا جذبہ تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اوائل عمر کا زمانہ تھا، مولانا طالب علمی کی زندگی سے گذر رہے تھے اس وقت ہندوستان کی فضا میں غیر مقلدیت نے بڑے زور و شور کا طوفان برپا کر رکھا تھا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ حنفی کے خلاف علماء غیر مقلدین کے قلم سے بڑی

جارحانہ اور متعصبانہ تحریریں شائع ہوا کرتی تھیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد جوناگڈھی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا یوسف جے پوری وغیرہ علماء غیر مقلدین اس فتنہ کی قیادت کر رہے تھے۔

اکابر علمائے احناف کی توجہ اور ان کا انہماک تحریک آزادی میں تھا، جس میں وہ قائدانہ رول ادا کر رہے تھے، ان کو اس فتنہ کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں تھی، تو اس فتنہ کے ابطال و استیصال کے لئے قدرت نے حضرت مولانا اعظمی کو کھڑا کر دیا، آپ ابھی طالب علمی کے دور سے فارغ ہوئے تھے عمر بھی بہت کم تھی اور مقابل میں غیر مقلدین کی جماعت کے اکابر اور فحول علماء تھے، مگر آپ نے جس شان سے ان کا مقابلہ کیا اور ان کی تحریروں کا جواب دیا اور فقہ حنفی پر غیر مقلدوں کے اعتراضات کا جائزہ لیا، اس نے مخالفوں کے دانت کھٹے کر دیئے، ان کا علمی سراپا سامنے اس طرح پیش کیا کہ ان مجتہدین کی حقیقت عیاں ہوگئی اور ان کے دعوائے اجتہاد کی دھجیاں بکھر گئیں، مولانا کی ان تحریروں سے جو بالکل نوجوانی کی تھیں اہل علم کو احساس ہوا کہ ہندوستان کے افق پر ایک ایسا نیر تاباں چمکنے والا ہے جو اپنے شاندار علمی و دینی کارناموں سے علم کی دنیا میں ایک ہلچل پیدا کر دے گا۔

زیر نظر کتاب "مقالات ابوالمآثر" حضرت مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مقلدوں کے رد میں اس وقت کی انہیں تحریروں کا مجموعہ ہے۔ جس کو نہایت عمدہ طباعت و کتابت کے ساتھ مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ مئو ناتھ بھنجن نے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کے اہتمام میں شائع کیا ہے، یہ کتاب مقالات ابوالمآثر کی پہلی جلد ہے، اس میں مولانا اعظمی کے انیس مقالات کو جمع کیا گیا ہے، یہ سارے مقالات رد غیر مقلدیت اور فقہ حنفی کے دفاع میں ہیں، شروع کتاب میں حضرت مولانا کے نواسہ ڈاکٹر مسعود سلمہ، کے قلم سے ان مقالات کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے اور ان کا پس منظر بیان کیا گیا ہے، ڈاکٹر مسعود سلمہ کا مقدمہ خود ایک بہت مفید تحریر ہے۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزیزم ڈاکٹر مسعود سلمہ کو مولانا اعظمی

کے علمی ذوق کا پرتو بنا لیا ہے، ان کو اپنے نانا کے علمی کارناموں سے اہل علم کو متعارف کرانے کا شعور اور ذوق اور سچا جذبہ ہے، وہ اس سلسلہ میں بڑی محنت اور لگن سے کام کر رہے ہیں، اس کام میں ان کو اپنے ماموں جان حضرت مولانا رشید احمد صاحب مفتاحی کی پوری سرپرستی اور توجہ حاصل ہے، ان دونوں حضرات کی توجہ سے حضرت اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی پرانی اور غیر مطبوعہ چیزیں بہت قلیل مدت میں اہل علم کے سامنے آگئی ہیں، جو اہل علم کیلئے گرانقدر علمی تحفہ ہیں۔

"مقالاتِ ابوالمآثر" جلد اول بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، رد غیر مقلدیت پر اتنی جاندار تحریریں بہت کم پڑھنے کو ملتی ہیں، غیر مقلدیت کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ یہ کتاب اپنی شگفتہ زبان اور تحریر کی وجہ سے عوام کے لئے بھی قابل استفادہ ہے۔ ہم بڑی شدت سے منتظر ہیں کہ مقالاتِ ابوالمآثر کی دوسری جلد بھی جلد منظر عام پر آئے۔

یہ کتاب اور مولانا اعظمی کی دوسری کتابیں بھی اس پتہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

مدرسہ مرقاۃ العلوم مئوناتھ بھنجن۔ یوپی۔

ص۵ کا بقیہ :-

میں منع ہے، صرف عورتوں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے شوہر کا چار مہینہ دس روز سوگ منائیں، اس کے علاوہ کسی اور کو اس کی اجازت نہیں کہ اس کے سوگ کے ایام تین دن سے زیادہ ہوں۔

شمارہ ۵

رمضان، شوال ۱۴۲۴ھ

مُدیر مسئول و مُدیر التحریر
مُحمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ــــ ۷۰ روپے
پاکستان کیلئے
پاکستانی ۱۲۰ روپے سالانہ
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ
غیر ممالک سے ۱۰ ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ
قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور ــ یوپی
پن کوڈ: ۲۳۳۰۰۱ - فون نمبر ۲۲۲۵۳۳، ۲۲۱۷۵۷ ۰۵۴۸

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

ادارتیہ

بابری مسجد کے قضیہ کے نمٹارا کے بارے میں وحیدالدین خان کا فریم ورک

عالمی سہارا مورخہ ۱۲ر جولائی کے شمارہ میں بابری مسجد کے سلسلہ میں ملک کے مشہور اسکالر اور عالمی شہرت یافتہ مفکر و دانشور وحیدالدین خاں صاحب کا ایک انٹرویو شائع ہوا ہے، جس میں خاں صاحب نے بابری مسجد قضیہ کے بارے میں بڑی مدبرانہ اور تفصیلی گفتگو کی ہے، اور خاں صاحب کی نگاہ میں اس جھگڑے کے خاتمہ کا جو بہترین حل ہے اسے بڑی قوت اور اعتماد سے پیش کیا ہے، زمزم کے قارئین اس انٹرویو کے کچھ حصہ سے محظوظ ہوں اور بصیرت حاصل کریں۔ خاں صاحب فرماتے ہیں:

"اب بابری مسجد ڈھادی گئی، اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ وہاں عارضی مندر بھی بنادیا گیا، اگر صرف ڈھادی گئی ہوتی تو دوسری بات تھی، جب وہاں عملاً ایک مندر بنادیا گیا چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا اور وہاں پر پوجا پاٹ ہو رہی ہے وہاں پر مورتی رکھی ہوئی ہے تو اس ہندوستان میں اگر فرض کیجئے کہ کسی مندر کو ڈھایا جائے تو کیا اس ملک کی اکثریت اسے برداشت کرے گی"

مزید ارشاد ہوتا ہے:

"یہ سرے سے ممکن ہی نہیں ہے کہ ہندوستان جو تقسیم ہو کر ہندوؤں کو ملا، جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے، جہاں ہندوؤں کی حکومت ہے۔ وہاں پر ان کے اپنے خیال کے مطابق مندر کو توڑا جائے"

آگے خاں صاحب مسئلہ کا حل جو تجویز کرتے ہیں جو ان کی نگاہ میں اور ان کے الفاظ میں "فریم ورک" ہے، اسے بھی پڑھ لیں، فرمایا جاتا ہے۔

"اسلام میں یہ مسئلہ بلا شبہ ہے کہ مسجد بننے کے بعد وہ جگہ مسجد کیلئے مخصوص ہوجاتی ہے، یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، جو علماء کہتے ہیں وہ صحیح کہتے ہیں کہ مسجد ایک بار جہاں بن جائے وہ مسجد کی جگہ ہوگئی، یہ ایک مسئلہ ہے، لیکن اسی کے ساتھ شریعت کا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات یعنی ضرورت حرام چیز کو حلال کردیتی ہے، یہ بھی مسئلہ ہے، اگر مسجد توڑنا حرام ہے تو یہ بھی ہے کہ بعض اوقات حرام حلال ہوجاتا ہے یہاں ہندوستان میں میرے نزدیک اسلام کا مؤخر الذکر اصول قابل عمل ہوگیا ہے کیونکہ عملاً مسلمان کے اختیار میں یہ نہیں رہا کہ وہاں پر دوبارہ ٹھیک اسی مقام پر مسجد بنائی جائے، یہ ممکن نہیں رہا، ممکن کیا ہے مسجد بناؤ کے نام پر اپنے کو مروانا، مسجد بناؤ کی سیاست جو آپ کھیلیں گے تو مسلمان تو مارے جائینگے مگر وہ مندر نہیں ٹوٹے گا، مسلمان ٹوٹتے رہیں گے اور مسجدیں بھی ادھر ادھر توڑی جائیں گی، اس لئے فریم ورک یہ ہے کہ جب ضرورت پیش آجائے تو حرام چیز بھی حلال ہوجاتی ہے، تو یہاں جو چیز قابل عمل ہے وہ ضرورت کا قانون ہے

(LOW OF NECESITY)

یہ ہے فریم ورک، صحیح فریم ورک جو قابل عمل ہے، جس کا امکان ہے کہ اس پر عمل ہوسکے۔ وہ یہ ہے، اس میں شریعت آڑے نہیں آتی، کیونکہ شریعت یہ کہہ رہی ہے کہ جب ضرورت پیدا ہوجائے تو حرام بھی حلال ہوجائے گا جیسے فرض کیجئے کہ بھوک لگی ہے، کھانا ہے نہیں اور مرنے کا ڈر ہے تو شریعت کہتی ہے کہ خنزیر کھالو، خنزیر تو حرام ہے لیکن جب کھانا نہ ہو اور موت کا ڈر ہو تو خنزیر کھا لینا چاہئے تو حرام بھی حلال ہوگیا۔ اس طریقے سے جہاں علمائے عرب نے فتویٰ دیا کہ مسجدوں کو منتقل کردیا جائے جگہ بدل کر انھیں کسی اور جگہ بنا دیا جائے وہی کام یہاں ہندوستان میں ہونا چاہئے۔

مزید ارشاد ہوتا ہے اور عدالت کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ :

" یہ کام میرے نظریہ سے عدالت کے ذریعہ ہونا چاہئے، جو ہماری سپریم کورٹ ہے وہ اسی کا حوالہ دے کورٹ اسی طرح حوالہ دے جیسے میں کہہ رہا ہوں "۔

یہ ہے خاں صاحب کا مفکرانہ مشورہ، اور بقول خاں صاحب عدالت کو تمام عدالتی قانون اور جن شہادتوں کی بنیاد پر کسی مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہے ان سے صرف نظر کر کے خاں صاحب نے جو فرمایا ہے اس کے مطابق بابری مسجد مقدمہ کا نمٹارا کر کے مسجد کو ہندوؤں کے حوالہ کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ ملک ان کا ہے، انھیں حق ہے کہ زبردستی مسجدوں کو توڑ کر مندر بنالیں، مسلمانوں کا اس ملک میں کوئی حصہ نہیں ہے حکومت سیکولر نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں ہندو حکومت ہے اس لئے ہندوؤں سے زور زبردستی اور مقابلہ آرائی نہیں کرنا چاہئے۔

آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد اور فرقہ پرست جنونی ہندوؤں کو خاں صاحب سے بہتر وکیل ملنا مشکل ہے، خاں صاحب نے چٹکیوں میں بابری مسجد کا تصفیہ حل کر دیا، اب مسلمان اس مسجد کو ہندوؤں کے حوالہ کر کے اپنی مسجد دوسری جگہ بنالیں، عدالت بھی یہی فیصلہ کرے۔

بابری مسجد کے بعد گیان باپی اور متھرا کی مسجدوں کا مسئلہ سامنے آئے گا اس وقت بھی خاں صاحب الضرورات تبیح المحظورات پر مسلمانوں سے عمل کرائیں گے اور عدالت کو متوجہ کریں گے کہ ان مساجد کو ہندوؤں کے حوالہ کر دینے کا وہ فیصلہ سنائے، ہندوؤں کو مسجد کی اذان سے تکلیف ہوتی ہے، تو خاں صاحب اس قانون سے مسجدوں کی اذان بھی بند کروائیں گے اور عدالت سے بھی کہیں گے کہ وہ شریعت کے اس مسئلہ کا حوالہ دیکر مسجدوں کی اذانوں پر پابندی لگائے، فرقہ پرست ہندوؤں کو قربانی سے بھی بہت تکلیف ہوتی ہے خاں صاحب شریعت کے اس قانون کا حوالہ دیکر قربانی بھی بند کرائیں گے، ہندوؤں کو مسلمانوں کا ہندوستان سے حج پر جانا بھی بہت کھلتا ہے، کل ہندو اس کے خلاف بھی آواز اٹھائیں گے تو خاں صاحب یہ کہکر یہ ملک ہندوؤں کا ہے، اس ملک میں حکومت ہندوؤں کی ہے اس وجہ سے مسلمانوں کو انکی بات مان کر حج کا فریضہ ساقط کر دینا چاہئے۔ اسلئے کہ الضرورات تبیح المحظورات۔

فرقہ پرست ہندوؤں کو مسلمانوں کی تہذیب و تمدن سے بھی نفرت ہے، وہ اس کے خلاف بھی حسب موقع آواز اٹھائیں گے تو خاں صاحب مسلمانوں کو مشورہ دیں گے کہ شریعت کا قانون ہے الضرورات تبیح المحظورات اس لئے اب مسلمان دھوتی پہنیں قشقہ لگالیں اور گنگا جل میں اشنان کریں۔

خاں صاحب نے بزعم خود بڑی دانشمندانہ اور مفکرانہ گفتگو کی ہے، مگر ہر عقل والا سمجھتا ہے کہ خاں صاحب فرقہ پرست ہندوؤں کی زبان اپنے منہ میں رکھ کر بات کر رہے ہیں۔ خاں صاحب وہی کہہ رہے ہیں جو ہندو کہتا ہے کہ تقسیم کے بعد یہ ملک ہندوؤں کا ہے اسلئے مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر جینا ہوگا ورنہ مسلمان ملک چھوڑ کر چلے جائیں، اس ملک میں مسلمانوں کا کوئی حق نہیں ہے۔

مفکر خاں صاحب فرماتے ہیں کہ حکومت بھی ہندوؤں کی ہے۔ ہندوستان کا قانون کہتا ہے کہ حکومت سیکولر ہے، نہ ہندو کی ہے نہ مسلمان کی نہ سکھ کی نہ عیسائی کی بلکہ یہ حکومت تمام ملک کے باشندوں کی ہے، اس ملک میں ہر شہری کا برابر کا حق ہے، لیکن خاں صاحب کی منطق الٹی ہے وہ کہتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو ہندو کہتا ہے کہ یہ حکومت ہندو کی ہے، یہ ملک ہندو کا ہے، اس لئے مسلمان کو ہندوؤں کا غلام بن کر اس ملک میں رہنا ہوگا، اور اس کو ہندوؤں کا ہر ظلم و ستم برداشت کرنا ہوگا۔

خاں صاحب نے الضرورات تبیح المحظورات کا نعرہ اس موقع پر خوب اٹھایا ہے، جو ان کی شریعت میں بصیرت و مہارت کی چیخ چیخ کر کہانی سنا رہا ہے، بہتر تھا کہ خاں صاحب اپنی حدود میں رہ کر بات کرتے انھیں صرف مفکر اور اسکالر بن کر گفتگو کرنی چاہئے فقیہ اور عالم شریعت بن کر وہ اپنا مذاق نہ بنوائیں۔

بہر حال آپ نے دیکھا کہ خاں صاحب کا مشورہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو بابری مسجد کے سلسلہ میں سلنڈر کر جانا چاہئے اور اپنی مسجد الگ بنا کر بابری مسجد کو ہندوؤں کے حوالہ کر دینا چاہئے۔ ظالم سے محاذ آرائی کو خاں صاحب پسند نہیں کرتے، بلکہ خاں صاحب تو مسجد مسمار

کرنے والوں کو ظالم بھی نہیں کہتے وہ تو ہندوؤں کا حق سمجھتے ہیں کہ وہ جس مسجد اور جس کلیسا کو چاہیں ڈھاکر اس کے ملبہ پر اپنا مندر تعمیر کریں، اس لئے کہ یہ ملک ہندوؤں کا ہے، حکومت بھی ہندوؤں کی ہے۔

ایک طرف خاں صاحب کا یہ مشورہ ہے اب سنئے کہ اللہ کے رسول کا اس بارے میں فرمان کیا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔

جاء رجل الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ ارأیت ان جاء رجل یرید اخذ مالی ؟ قال: فلا تعطہ مالك، قال: ارأیت ان قاتلنی قال: قاتلہ، قال: ارأیت ان قتلنی: قال: فانت شھید۔ قال: ارأیت ان قتلتہ ؟ قال: ھو فی النار۔

یعنی ایک آدمی آنحضورؐ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی آئے اور میرا مال (ظلماً) لینا چاہے تو میں کیا کروں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے اپنا مال مت دو، پھر اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ سے لڑے تو آپؐ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑو (مگر اسے اپنا مال مت دو) پھر اس نے پوچھا کہ اگر لڑائی میں وہ مجھے قتل کر دے، تو آپؐ نے فرمایا کہ تو شہید ہوگا۔ پھر اس نے کہا کہ اگر اس لڑائی میں میں اسے قتل کر دوں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جہنم میں جائے گا۔ (تمہیں کوئی عذاب نہیں ہوگا)

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو یہ سبق دیا ہے کہ ظالموں کے سامنے مسلمان کو ڈٹ جانا چاہئے اور اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ جان جانے کا بھی اندیشہ ہو تب بھی اس کا ظلم برداشت نہ کرو ورنہ ظالم شیر ہو جائیں گے اور کمزوروں کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔

اور خاں صاحب کا مشورہ ہے کہ ظالموں کے سامنے سلنڈر ہو جاؤ اور الضرورت تبیح المحظورات پر عمل کرو، خاں صاحب فرمائیں کہ ہم آنحضورؐ کے ارشاد کی تعمیل کریں یا آپ کے مشورہ پر عمل کریں؟

خاں صاحب مسلمان لیڈروں کے بارے میں اسی انٹرویو میں اپنے خیالات کا یوں

اظہار کرتے ہیں۔

"جتنے بھی ہندوستان میں مسلمان کے لیڈر بنے ہوئے ہیں سب کے سب نا اہل ہیں اور واحد ذمہ دار بابری مسجد ڈھانے کے بھی ہیں"

خاں صاحب کا یہ انداز تحریر و گفتگو بہت پُرانا ہے، وہ ہندوستان میں صرف اپنی شخصیت کو ہر اعتبار سے سب سے اونچی سمجھے ہوئے ہیں، نہ ان سے بڑا کوئی دانشور اور مفکر ہے، اور نہ ان سے زیادہ مسلمانوں کی قیادت کا کوئی حقدار ہے، نہ ان سے زیادہ ملکی و ملی مسائل کو سمجھنے والا ہے، اور نہ ان سے زیادہ کوئی با بصیرت اور وسیع المطالعہ ہے، نہ ہندوستان میں ان سے زیادہ شریعت کے مزاج کو سمجھنے والا کوئی دوسرا شخص ہے، اور نہ ان سے بڑا کوئی عالم اور فقیہ ہے، اور عالم، خاں صاحب کا یہ ہے کہ انھیں یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں حکومت کس کی ہے؟ اور الضرورات تبیح المحظورات کا مطلب کیا ہے۔

جب آدمی چند سکوں کے عوض اپنا ضمیر بیچ دے تو وہ قوم و ملت کیلئے کتنا خطرناک بن جاتا ہے اس کی مثال موجودہ ہندوستان میں وحیدالدین خاں صاحب ہیں۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاص کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے والدین کو برا بھلا کہے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی برا بھلا کہہ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، آدمی کسی دوسرے کے باپ کو برا بھلا کہے گا تو وہ اس کے باپ کو برا بھلا کہے گا، وہ کسی دوسرے کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔

ماں باپ سے گالی گلوج کرنا بہت بری حرکت اور بڑے گناہ کا کام ہے والدین ہر طرح قابل احترام ہیں۔ ان کا احترام کرنا اور ان کی ذات کو اپنی کسی بات اور کسی حرکت سے تکلیف نہ دینا واجب ہے، قرآن میں ان کی کسی بات پر اُف تک کہنے سے منع کیا گیا ہے، اور ان کے ساتھ احسان وسلوک کو ضروری قرار دیا گیا ہے، ماں باپ اگر کافر ہوں تو بھی ان کا احترام واجب ہے، اور ان کے ساتھ احسان وسلوک کرنا ان کی خدمت کرنا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرنا اولاد کے ذمہ ضروری ہے۔

صحابہ کرام کے زمانہ میں اس کا تصور بھی نہیں تھا کہ اولاد اپنے ماں باپ کو برا بھلا کہے، ان سے گالی گلوج کرے، یہی وجہ ہے کہ جب آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے کہا کہ بڑے گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے والدین کو برا بھلا کہے تو صحابہ کرام کو اس پر تعجب ہوا کہ کیا آدمی اپنے ماں باپ کو برا بھلا بھی کہہ سکتا ہے، آنحضور کو بھی معلوم تھا کہ ایسا ناممکن ہے تو آپ نے بتلایا کہ اگر وہ اپنے ماں باپ کو برا بھلا کہنے کا سبب بنتا ہے تو گویا

خود اس نے اپنے والدین کو بُرا بھلا کہا ، اور آپؐ نے فرمایا کہ دوسروں کے ماں باپ کو تو آدمی گالی دے سکتا ہے تو دوسرا پلیٹ کر اس کے ماں باپ کو گالی دے گا ، اس وجہ سے انسان کے ذمہ ضروری ہے کہ کسی کے ماں باپ کو بُرا بھلا نہ کہے تاکہ دوسرا اس کے ماں باپ کو بُرا بھلا کہے ، گالی تو دوسرا دے گا مگر چونکہ یہ آدمی خود اس کا سبب بنا ہے تو گویا خود اس نے اپنے والدین سے گالی گلوج کیا۔

(۲) مسلم شریف ہی کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا، صحابہ میں سے کسی نے عرض کیا کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اس کا جوتا اچھا ہو (تو کیا یہ بھی کبر میں داخل ہے) تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے ، (خوبصورت لباس وغیرہ کا استعمال کرنا یہ کبر نہیں ہے) کبر یہ ہے کہ آدمی محض اپنی بڑائی دکھانے کے لیے حق بات کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔

کبر یعنی بڑا بننے کو اللہ پسند نہیں کرتا ، کبر شیطان کا کام تھا، قرآن میں ہے استکبر وکان من الکافرین ، شیطان بڑا بنا اور کافروں میں سے ہوگیا بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے ، جس کی ذات ہر طرح سے مستغنی ہے ، انسان کیا بڑا بنے جو قدم قدم پہ دوسروں کا محتاج ہے ، بادشاہ فقیر گدا سب محتاج ہیں اور سب عاجز اور ناتواں ہیں ، تو ایسا شخص بڑا بن کر صرف شیطانی حرکت کا مرتکب ہوتا ہے ، اور وہ کبریائی کی صفت میں خدا کا ہمسر ہونا چاہتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد کہ متکبر انسان جنت میں نہیں جائے گا یہ اشکال ہوا کہ آدمی کی فطرت ہے کہ وہ اچھا پہنے اچھا کھائے پیئے تو کیا اس کا تعلق بھی تکبر سے ہے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اشکال کو یہ کہہ کر دفع کر دیا کہ زیب وزینت اختیار کرنے کا نام تکبر نہیں ہے ، اسلئے کہ اللہ خود صاحب جمال ہے ، وہ خوب صورتی کو پسند کرتا ہے ، پھر آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے تکبر کی حقیقت یہ بتلائی کہ انسان حق کو حق جان کر بھی قبول نہ کرے کہ اس میں اس کی ہیٹی ہوگی ، اس کی بات رد ہوگی دوسروں کی بات کو ماننا ہوگا بس وہ اس ضد میں اپنی ناحق

بات پر اڑا ہوا ہے اور حق بات کو اس کا نفس قبول نہیں کرتا۔

دوسری بات جو کبر کی علامت ہے آپ نے یہ فرمائی وہ یہ کہ انسان دوسروں کو حقیر اور بے وقعت سمجھے، متکبرین عام طور پر دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں، کم درجہ اور غریب اور مفلس لوگوں پر ان کی نگاہ حقارت کی پڑتی ہے، وہ ان کو کسی طرح کی عزت دینے کو تیار نہیں ہوتے۔

اللہ کو یہ گوارہ نہیں ہے کہ جس انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اس پر کوئی شخص حقارت کی نگاہ ڈالے، اس لئے ایسے شخص کیلئے اللہ نے یہ سزا مقرر کی کہ وہ جہنم میں جائے اور جنت کی پُرفضا جگہ سے دور رہے۔

(۳) مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اور کفر و شرک کے درمیان حد فاصل نماز کا ترک کرنا ہے۔

نماز دین کی اہم ترین بلکہ سب سے اہم عبادت ہے۔ حدیث پاک میں اسے دین کا ستون بتلایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قصداً نماز چھوڑنے والا کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس حدیث پاک میں بھی اسی مضمون کا اعادہ ہے کہ کفر و شرک اور آدمی کے درمیان نماز حد فاصل ہے، یعنی اگر آدمی نمازی ہے تو وہ کفر و شرک سے بچا ہوا ہے اور اگر نماز نہیں پڑھتا تو وہ کافروں کی جماعت کا آدمی ہے۔

(۴) مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ انھوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول جنت سے سب سے قریب کرنے والا عمل کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا الصّلوٰۃ علیٰ مواقیتہا یعنی نماز کو وقت پر ادا کرنا، تو انھوں نے پوچھا پھر، تو آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ نیکی و احسان کرنا۔ انھوں نے پوچھا اور ان کے علاوہ اور کون سا عمل، تو آپ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

دین میں نماز کی اہمیت گزشتہ حدیث سے معلوم ہو چکی ہے، نماز کو وقت کی پابندی سے ادا کرنا بھی ضروری ہے، وقت پر نماز کی پابندی کا عمل انسان کو جنت سے قریب کرتا ہے

جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا ، جیسے تیسے نماز کا وقت اور بلا وقت کی پابندی سے ادا کرنا، عہد نبوت میں منافقوں کا کام تھا ۔ نماز کی برکت اسی وقت پوری حاصل ہوگی جب نماز کو اس کے پورے حق کی ادائیگی کے ساتھ ادا کیا جائے ۔

دوسری چیز اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے ، جہاد فی سبیل اللہ بہت بڑا عمل ہے ۔ یہ جہاد قیامت تک کیلئے ہے ، کبھی اللہ کے راستہ میں جہاد تلوار اور ہتھیار سے ہوتا ہے اور کبھی زبان وقلم سے ۔ بہرحال جیسا موقع ہو اور وقت کا جو تقاضا ہو اسی اعتبار سے اس فریضہ کی ادائیگی بھی مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے ، اور یہ وہ عمل ہے کہ انسان اس کی وجہ سے جنت سے قریب ہوتا ہے ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ کو دو قطرے بہت پیارے ہیں ایک خون کا قطرہ جو مجاہد کے بدن سے ٹپکتا ہے اور ایک آنسو کا قطرہ جو انسان کی آنکھ سے اللہ کی ڈر کی وجہ سے ٹپکتا ہے ۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مسلمانوں پر اسلحہ اٹھایا وہ مسلمان جماعت سے نہیں ہے ، اور جس نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا اس کا تعلق بھی مسلمان جماعت سے نہیں ۔

مسلمانوں کے درمیان اللہ نے اخوت وبھائی چارگی کا رشتہ قائم کیا ہے ، ان کے درمیان آپس میں معاملہ الفت ومحبت اور بھائی چارگی کا ہونا چاہئے ۔ ہتھیار دشمن کے خلاف اٹھائے جاتے ہیں ۔ ایک بھائی دوسرے بھائی پر ہتھیار نہیں اٹھاتا ، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کے بارے میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی وعید یہ ہے کہ اس کا تعلق مسلمان جماعت سے نہیں ہے ، یعنی خدا کے یہاں اس کے ساتھ معاملہ کافروں جیسا کیا جائے گا ۔

دھوکا دینا بھی بہت بری خصلت ہے ، کسی بھی انسان کو دھوکا دینا یہ مومن کا کام نہیں ہے ، مومن کی صفت ایمانداری کی ہے ، اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دھوکا دینے والا کا تعلق بھی ہماری جماعت یعنی مسلمانوں سے نہیں ہے ———— آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں ہم اگر جائزہ لیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ہم دین وشریعت سے کتنا دور ہو چکے ہیں ، اگر ہم نے اپنی زندگی سنوارنے کی کوشش نہیں کی تو نہ معلوم ہمارا انجام کیا ہوگا ۔

محمد ۱ جمل مقتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

امام ابوحنیفہؒ اور مسئلہ قیاس

استحسان کے سبھی فقہاء قائل ہیں

استحسان کی حقیقت واضح ہوجانے کے بعد اب میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ احناف جس معنیٰ کے اعتبار سے استحسان کے قائل ہیں اس کے تقریباً سبھی فقہاء قائل ہیں اگرچہ الفاظ وعبارات کا اختلاف ہے مگر معنیٰ کے اعتبار سے سب متفق ہیں صرف اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں۔

علامہ محمد خضری بک فرماتے ہیں :

ولکن کبار الاصولیین من الحنفیۃ بینوا لھم حقیقۃ الاستحسان انہ بعد معرفۃ حقیقتہ لا یکون الخلاف بین الفریقین الا راجعًا الی اللفظ (اصول فقہ ص۴۰۲)

احناف کے بڑے علماء اصول نے استحسان کی حقیقت کو واضح کیا ہے اس حقیقت کو جان لینے کے بعد اب فریقین کے درمیان صرف اختلاف لفظی رہ جاتا ہے۔

اور امام ابواسحٰق شیرازی شافعیؒ فرماتے ہیں :

ان کان ای الاستحسان الحکم باقوی الدلیلین فھذا امما لا ینکرہ احد (کتاب اللمع صفحہ)

یعنی استحسان دو دلیلوں میں قوی دلیل پر اگر عمل کرنے کا نام ہے تو اس کا کوئی منکر نہیں ہے۔

اور ابن قدامہ حنبلی صاحب روضۃ الناظر فرماتے ہیں :

"قاضی یعقوب عبکری نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول امام احمدؒ کا مذہب ہے اور استحسان یہ ہے کہ ایک حکم کو چھوڑ کر اس سے اقویٰ اختیار کیا جائے اور یہ وہ بات ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اگرچہ لوگوں نے اس کا نام رکھنے میں اختلاف کیا ہے (کہ استحسان کے اس معنیٰ کو کسی دوسری عبارت میں ادا کیا ہے) لیکن اگر معنیٰ ایک ہی ہوں تو اصطلاحات کے اختلاف سے کوئی فائدہ نہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ چیز مستحسن ہے دوسرا کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز مرغوب ہے کوئی کہتا ہے کہ میرے نزدیک اولیٰ ہے کوئی کہتا ہے کہ میرے نزدیک اس حکم کو اختیار کرنے میں یہ مصلحت ہے تو آپ ہی فرمائیں کہ یہ صرف الفاظ کا اختلاف ہے یا اس کے معنیٰ میں بھی کوئی اختلاف رونما ہوتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر محض الفاظ کی آڑ لیکر ایک حقیقت ثابتہ کا انکار کرنا اہل علم کے شیوہ سے بعید ہے اور اگر کسی کو اس لفظ استحسان ہی سے چڑ ہے تو میں بتلانا چاہوں گا کہ اس کا استعمال دوسرے ائمہ نے بھی کیا ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں:

وکثیراً ما کان یستعمل ابن مسعودؓ ھٰذا العبارۃ و مالک ابن انسؒ فی کتابہ ذکر لفظ الاستحسان فی مواضع وقال الشافعی رحمہ اللّٰہ استحسن فی المتعۃ ثلٰثین درھماً فعرفنا انہ لا طعن فی ھٰذہ العبارۃ۔

یعنی اس لفظ کا استعمال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کثرت سے کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے بھی اپنی کتاب میں متعدد جگہ استحسان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ متعہ میں میرے نزدیک تیس درہم مستحسن ہے پس معلوم ہوا کہ اس لفظ کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ اسی طرح کے موقعوں پر جہاں حنفیہ استحسان کا لفظ استعمال کرتے ہیں استحباب کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور آپ ہی بتلائیے کہ استحسان اور استحباب (اچھا سمجھتا ہوں اور پسندیدہ سمجھتا ہوں) میں کیا فرق ہے بات تو ایک ہی ہے چاہے آپ "استحب" یا

"استحسن"

امام سرخسی فرماتے ہیں :

وقد قال الشافعی فی نظائر هٰذا ۔ استحب ذالك ، وای فرق بین من یقول استحسن کذا و بین من یقول استحبه ۔ (ایضاً ۲/۲۷)	یعنی اس طرح کے موقعوں پر امام شافعیؒ نے استحب ذالک کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس میں کیا فرق ہے کہ استحسن کوئی کہے یا استحب ۔

بلکہ حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہاں بھی قرآن وحدیث کے ساتھ احناف کے تعلق اور شغف زائد کا پتہ چلتا ہے کہ وہ الفاظ و اصطلاحات کی وضع میں بھی قرآن وحدیث ہی سے روشنی حاصل کرتے ہیں ۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے ۔

ما رأه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن	جس کو مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ اللہ کے یہاں بھی حسن ہے ۔

اور قرآن میں ارشاد ہے :

الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه	یعنی مسلمان جب کوئی بات سنتے ہیں تو حسن کو اختیار کرتے ہیں ۔

غرض ایک طرف تو قرآن وحدیث کے ظاہری کلمات کے ساتھ اس لفظ کو مناسبت ہے، دوسری طرف اس لفظ سے جو مراد ہے اس کو یہی لفظ زیادہ وضاحت سے بیان کرتا ہے ۔

امام سرخسی فرماتے ہیں :

بل الاستحسان افصح اللغتین واقرب الیٰ موافقة عبارة الشارع فی هذا المراد ۔ (اصول سرخسی)	بلکہ استحسان کا لفظ استحباب سے فصیح ہے اور شارع کی مراد سے زیادہ موافقت سے حاصل ہے ۔

اسی استحسان کو موالک و حنابلہ نے استصلاح کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کو جائز قرار دیا ہے ۔ چنانچہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں ۔

الرابع الاصول المختلف فیہا الاستصلاح وھو اتباع المصلحۃ المرسلۃ ھی جلب منفعۃ اودفع مضرۃ (روضۃ الناظر ص۱۳۷ ج۱)

یعنی چوتھی اصل جس میں اختلاف ہے وہ استصلاح ہے یعنی مصلحت مرسلہ کی اتباع کرنا اور مصلحت مرسلہ نام ہے جلب منفعت یا دفع مضرت کا۔

اور پھر اس کی تین قسم کرکے بتلایا ہے کہ ایک قسم وہ ہے جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے اور اس کا نام قیاس رکھا جاتا ہے۔ (ایضا ص۴۱۲)

غرض ان حضرات نے جس کا استصلاح نام رکھا ہے اس کی ایک قسم وہ ہے جو قیاس کی تعریف میں آجاتی ہے۔ حنفیہ کے یہاں اسی کا نام استحسان ہے۔

بہرحال اب تک کی تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ استحسان کے قائل کسی نہ کسی درجہ میں سبھی ہیں اگرچہ انھوں نے استحسان کے لفظ کے بجائے کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا ہے۔

اور بقول ابن تیمیہ:

واذا کان المعنی المقصود فی الموضعین واحدًا فتجویزہ بعبارۃ دون عبارۃ کتجویزہ بلغۃ دون لغۃ (القیاس فی الشرع الاسلامی ص۴۸)

یعنی جب دونوں جگہ معنی مقصود ایک ہی ہو تو اسکو کسی ایک عبارت میں خاص کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی لفظ کو کسی ایک زبان میں ادا کیا جائے۔

اب آخر میں چلتے چلتے ایک شبہ کا اور جواب دے دوں کہ شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ قیاس کی یہ دو قسم قیاس جلی اور خفی کہاں سے آگئی تو میری گذارش ہے کہ پہلے آپ ابن قیم سے نمٹ کر یہ معلوم کرلیں کہ انھوں نے ربوٰ کی دو قسم کہاں سے کی ہے ربوٰ جلی، ربوٰ خفی۔

فرماتے ہیں:

الربٰو نوعان جلی وخفی، فالجلی لمافیہ من الضرر العظیم والخفی حرام لانہ ذریعۃ الی الجلی (القیاس فی الشرع الاسلامی ص۲۰)

ربوٰ کی دو قسم ہے ایک جلی، اور دوسری خفی جلی وہ ہے جس میں ضرر عظیم ہو اور خفی وہ ہے جو جلی کی طرف لیجانے والی ہو۔

نیز یہی سوال امام شافعیؒ سے بھی کرلیں اس لئے کہ ان کے نزدیک بھی قیاس کی دو قسم ہے، قیاس خفی اور قیاس جلی۔

چنانچہ شافعیہ کے مشہور امام ابو اسحٰق ابراہیم شیرازی فرماتے ہیں :

وھذا الضرب من القیاس (ای قیاس العلۃ) ینقسم قسمین جلی وخفی۔ (کتاب اللمع صہ ۶۵)	قیاس کی یہ قسم (یعنی قیاس علت) اس کی دو قسم ہے۔ جلی اور خفی۔

پھر اسی پر کیا منحصر مصالح مرسلہ اور استصحاب حال وغیرہ پر بھی یہی اعتراض پڑسکتا ہے کہ آخر ان کے اقسام کے متعدد الگ الگ نام کہاں سے آگئے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اب وضع اصطلاحات پر بھی اعتراض ہوگا اور " ولامشاحۃ فی الاصطلاح " کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے گا۔

صہ ۴۹ کا بقیہ :۔

ومختلف اقوال کو دیکھ کر (منکرین حدیث کے سوا) کسی نے حدیث کا انکار نہیں کیا اور ماہرین کے فیصلہ پر اعتماد کیا اور ایک صحیح تر قول کو تسلیم کر لیا، اسی طرح کا اختلاف فقہ اور فقہاء کا ہوتا ہے، ان کے اختلافات کی بنیاد کہیں تو قیاس ورائے کے الگ الگ ہونے پر ہوتی ہے، اور کبھی ان کے اختلاف کی وجہ متعارض اور مختلف احادیث کا ہونا ہی ہوتا ہے، تو جس طرح متعارض ومختلف احادیث کے مابین ماہرین محدثین کا فیصلہ قبول کیا جائے گا اسی طرح متعارض اقوال فقہیہ میں سے اس قول کو ترجیح دی جائے گی جس کے بارے میں فقہ کے ماہرین فیصلہ کردیں گے کہ یہ قول صحیح تر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور میں نے عرض کیا کہ فقہائے احناف رحمہم اللہ نے فقہ حنفی کے بارے میں یہ کام بڑی خوبی سے انجام دے دیا ہے، اس وجہ سے مسائل فقہیہ پر عمل کرنے میں قطعًا کوئی دشواری اور پریشانی نہیں ہے، جو قول مفتی بہ ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔

محمد ابوبکر غازی پوری

اکابر امت کی کتابوں کے خلاف سلفیوں کی خطرناک سازش

دارالسلام ریاض (سعودیہ عربیہ) سلفیوں کا ایک اشاعتی ادارہ ہے اس سے بہت سی کتابیں شائع ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں، دینی کتابوں کی اشاعت ایک اچھا قدم ہے، جہاں سے بھی یہ کتابیں شائع ہوں، ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ مسلمان ملکوں میں بہت سے بڑے بڑے دینی کتابوں کے اشاعتی مراکز ہیں، جہاں حدیث و فقہ تفسیر اور سیر و تاریخ کی کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں، ان اشاعتی اداروں اور مراکز کا اگرچہ عمومی مقصد تجارت ہوتا ہے، مگر اس میں اہل علم کیلئے یہ بات باعث خوشی ہوتی ہے کہ بہت سی نادر کتابیں ان کے ہاتھوں میں آتی رہتی ہیں۔ جن کتابوں کا پہلے ہم نے نام ہی سنا تھا اب وہ کتابیں طبع ہو کر مارکٹ میں آگئی ہیں اور اہل علم ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

بہت سی نادر کتابیں تحقیق و تعلیق کے بعد شائع ہوئی ہیں جن سے ان کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔

کچھ اداروں سے مطول کتابوں کے اختصارات بھی شائع ہوئے ہیں جن کو اہل علم نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، اختصار میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ کتاب کی اصل روح باقی رہے، اور مصنف کا جو اصل مقصد ہے وہ فوت نہ ہو، اگر مصنف کا مقصود فوت ہوتا ہے تو وہ اختصار علمی خیانت شمار ہوتا ہے، اور اہل علم کی نگاہ میں ایسے لوگ خائن و مجرم قرار پاتے ہیں۔

اگر اصل کتاب کوئی ادارہ شائع کرتا ہے تو اس کی دینی و اخلاقی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مصنف کی کتاب میں کسی طرح کا حذف و اضافہ نہ کرے، اگر ادارہ کے ذمہ داروں کو مصنف کی کسی بات سے اختلاف ہوتا ہے تو ان کا کام صرف یہ ہے کہ حاشیہ میں اپنا اختلاف ظاہر کرے اور اختلافی نوٹ چڑھائے۔

سعودیہ کے ادارۃ البحوث والشؤن الدینیہ والافتاء کے سابق ذمہ دار و رئیس شیخ ابن باز نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری کی مشہور شرح فتح الباری شائع کی، حافظ ابن حجر کی بہت سی باتیں شیخ ابن باز کے عقیدہ اور فکر سے ٹکراتی تھیں تو شیخ ابن باز نے حاشیہ میں اپنا اختلافی نوٹ شائع کیا مگر مصنف کی اصل کتاب میں کوئی حذف و اضافہ نہیں کیا، کسی بھی ذمہ دار اہل علم کی یہی اخلاقی و شرعی و دینی ذمہ داری ہے۔

افسوس دارالسلام ریاض کا ادارہ اپنی اس اخلاقی و شرعی و دینی ذمہ داری کو بری طرح پامال کر رہا ہے، وہ ایسے اخلاقی جرم کا مرتکب ہو رہا ہے جس کی معافی اہل علم کے نزدیک نہیں ہے، اس ادارہ سے جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں ان میں اصل کتابوں میں کتر بیونت کا بری طرح ارتکاب کیا جا رہا ہے، مصنف کی عبارت کو حذف کیا جا رہا ہے، مصنف کی عبارت اگر ان سلفیوں کے مزاج اور عقیدہ کے خلاف ہے تو اسکو کتاب سے غائب کر دیا جاتا ہے۔

اس ادارہ سے اختصار اور تہذیب کے خوشنما عنوان سے اکابر کی کتابوں کے ساتھ جو کھلواڑ ہو رہا ہے، وہ ایسا برا کھیل ہے جس کی داد ممکن ہے کہ سلفی جماعت کی طرف سے اسکو ملے مگر انصاف پسند اہل علم کے حلقوں میں اس کا یہ کھیل نہایت بدترین جرم ہے، جس پر ہر پڑھے لکھے کو کھل کر احتجاج کرنا چاہئے۔

میرے سامنے اس وقت ادارہ کی دو کتابیں ہیں، ان دونوں کتابوں میں ادارہ کے ذمہ داروں نے یہ گھناؤنی حرکت کی ہے۔

اصل کتاب میں مصنف کی عبارتوں کے حذف کے سلسلہ میں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی کتاب التاج المکلل بطور مثال پیش کرتا ہوں۔

التاج المکلل کا ایک تو وہ نسخہ ہے جو نواب بھوپالی کی حیات ہی میں شائع ہوا تھا۔ نواب بھوپالی زبردست عالم اور مصنف تھے، مسلک غیر مقلدیت کو ان کی کتابوں سے بڑی تقویت ملی، جماعت غیر مقلدین میں اتنا زبردست اور کثیر التصانیف کوئی دوسرا عالم نہیں گزرا۔

اب اسی کتاب کا نیا اڈیشن دارالسلام ریاض سے شائع ہوا ہے، اس کتاب میں بہت سی جگہوں پر مصنف کی عبارت کو حذف کر دیا گیا ہے، اور ان عبارتوں کو حذف کر کے مصنف جو کہنا چاہتا ہے اس کے مقصود کے خلاف کو ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مجھے اس کی مثال پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ ناشر نے خود مقدمہ میں اس کا برملا بڑے فخر سے اظہار کیا ہے وہ کہتا ہے۔

ثم اثناء العمل ربما اضطررنا الی بعض التصرف فیما دون العشر عدداً، وذالك تمسکا بالتوحید ودفاعاً عن عقیدتنا عقیدۃ اهل السنة والجماعة، بدون اخلال بالمقصود ومن غیر قدح فی الامانة التالیفیة حیث حذفنا واحیاناً علقنا علی بعض الاخبار التی تخالف السلفیة خلافاً بیناً۔

ہم نے اس کتاب کی خدمت کے درمیان بحالت مجبوری کچھ تصرف بھی کیا ہے، دس کے قریب جگہوں پر ہم نے تصرف کیا ہے، یہ تصرف ہم نے اسلئے کیا ہے کہ ہماری توحید باقی رہے، اور ہم اہلسنت والجماعت کے عقیدہ کا دفاع کا کام انجام دیں۔ ہمارے اس تصرف اور عبارت کے حذف سے مصنف کے مقصود میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا ہے، اور نہ ہم نے کسی علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے، ہم نے مصنف کی اصل عبارت کو اسلئے حذف کر دیا ہے کہ وہ عبارتیں سلفیت کے واضح طور پر کے خلاف تھیں۔

اہل علم ناشر کی اس جرأت بیجا اور مجرمانہ خیانت کے برملا اعتراف پر ضرور حیرت زدہ ہوں گے اور اس کی بے شرمی کی داد دیتے ہوں گے کہ ایک طرف وہ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ہم نے دسیوں جگہ پر تصرف کیا ہے، عبارتوں کو حذف بھی کیا ہے، ان عبارتوں کا مطلب کچھ اور تھا اور ہم نے حذف

کر کے مطلب کچھ اور کر دیا ہے، سلفیت سے متصادم عبارتوں میں تصرف کر کے سلفیت کے مطابق کر دیا ہے، اور پھر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے کسی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور مصنف کے مقصود کو باقی رکھا ہے، مصنف نے تو ان عبارتوں کو اسلئے ذکر کیا تھا کہ وہ مزعومہ سلفیت پر ضرب کاری لگائے، مصنف کی غیر مقلدیت اور آج کی سلفیت میں زمین و آسمان کا فرق تھا لیکن ناشر نے اپنے ان تصرفات سے اس کتاب کی عرفی حیثیت کو ایسا مجروح کر دیا ہے کہ اب اس پوری کتاب کا انتساب نواب صدیق حسن خاں صاحب کی طرف مشکل ہے۔

سلفیت کے نام پر اس طرح کی مجرمانہ کاروائی بھی جائز ہو گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب آئیے دوسری بات کی طرف یعنی اکابر و اسلاف کی کتابوں کی تہذیب و اختصار کے نام پر ریاض کا یہ سلفی ادارہ کیا کچھ گل کھلا رہا ہے۔

حافظ ابن کثیر کی تفسیر اہل علم میں بہت متعارف تفسیر ہے، اس کا شمار بہترین تفسیر میں کیا جاتا ہے، اور پڑھنے لکھنے والوں کیلئے یہ تفسیر ماخذ کا درجہ رکھتی ہے، یہ تفسیر نہ بہت مختصر ہے اور نہ بہت مطول اوسط درجہ کی تفاسیر میں اس کو شمار کیا جا سکتا ہے، اس کے مصنف اسماعیل بن عمر بن کثیر کا علمی پایہ بہت بلند ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جامع العلوم بنایا تھا، تفسیر وسیر کے علاوہ علم حدیث میں بھی ان کا مقام بہت بلند تھا، اس تفسیر میں مصنف کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی بات پایہ اعتبار سے گری نہ ہو، آیات قرآنیہ سے جو فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں مصنف ان کا بھی تذکرہ کرتے ہیں، یہ تفسیر تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف و مشہور ہے اس کا بہترین اختصار شیخ صابونی سابق استاذ جامعہ ام القریٰ جو علمی دنیا کی بہت معروف و مشہور اور قابل اعتماد شخصیت ہیں شائع کر چکے ہیں، جو عام طور پر عرب ملکوں کے کتب خانوں میں پایا جاتا ہے، ضرورت نہیں تھی کہ اس اختصار کے بعد تفسیر ابن کثیر کا کوئی اور اختصار شائع کیا جاتا، لیکن مکتبہ دارالسلام ریاض سے اس کا ایک اور اختصار در اختصار شائع ہوا ہے، اس کا نام المصباح المنیر فی تہذیب تفسیر ابن کثیر ہے۔

میں گزشتہ ستمبر اور اکتوبر میں ۲۲ روز برطانیہ کے دعوتی سفر پر تھا، برطانیہ کا ایک شہر نیٹن ہے، پورے شہر میں بس ایک مسجد ہے میں اس مسجد کے امام مولوی قاری زبیر سلمہ، کے کمرہ میں تھا کہ الماری پر موجود میری ایک چمکتی جلد والی کتاب پر نگاہ گئی تو میں نے اسکو اٹھا لیا یہ یہی المصباح المنیر نامی کتاب تھی، اس کے ٹائیٹل پر لکھا تھا اعداد جماعة من العلماء باشراف الشیخ صفی الرحمٰن المبارکفوری یعنی اس کتاب کی تیاری میں علماء کی ایک پوری جماعت لگی تھی مولوی صفی الرحمٰن مبارکپوری کی نگرانی میں یہ کتاب تیار ہوئی ہے۔

مولوی صفی الرحمٰن مبارکپوری کا نام آتے ہی میرے ذہن میں کھٹکا پیدا ہوا کہ تفسیر ابن کثیر کی تہذیب کے نام پر جو کارنامہ انجام دیا گیا ہے اس میں علمی خیانتوں کا ارتکاب ضرور کیا گیا ہوگا میں صفی الرحمٰن مبارکپوری اور ان کی اسلاف دشمنی سے خوب واقف ہوں۔ پہلے یہ مدینہ یونیورسٹی میں تھے، پھر مجمع الملک فہد میں بھی ملازم ہوگئے، دونوں جگہوں پر ان کے جو کارنامے اور حرکتیں تھیں میرے علم میں وہ سب کچھ تھیں، جب ان کو مدینہ یونیورسٹی اور مجمع الملک فہد سے نکالا گیا تو یہ صاحب ہندوستان آگئے، جماعت اہلحدیث نے انکو اپنی جماعت کی امارت سونپ دی مگر سعودیہ کا عیش و آرام ہندوستان میں نصیب نہیں ہو سکتا تھا پھر یہ بھاگے ہوئے ریاض پہونچے اور اب مکتبہ دارالسلام میں یہ ملازم ہیں ان کا ایک کام اس ادارہ سے شائع ہونے والی کتابوں کی نگرانی کرنا بھی ہے۔

بہرحال اس کتاب پر میں نے جب ان کا نام دیکھا تو میرے ذہن میں کھٹکا پیدا ہوا کہ تفسیر ابن کثیر کی تہذیب کے خوشنما عنوان سے جو کتاب شائع ہوئی ہے اس میں علمی امانت و دیانت کو سرعام نیلام ضرور کیا گیا ہوگا، اور اس تفسیر کے مضامین کو تہذیب کے نام پر اپنی مزعومہ سلفیت کے مطابق ڈھال دیا گیا ہوگا، ابھی ذہن میں یہ کھٹکا ہی تھا کہ میں نے ورق الٹا اور اس کتاب پر صفی الرحمٰن صاحب کے مقدمہ کو پڑھنے لگا، اور میں جرأت و ہمت اور دیدہ دلیری کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا، جب میں نے ان کی یہ عبارت پڑھی فرماتے ہیں:

ثم كلفني الاخ عبدالمالك مجاهد بالمراجعة واعادة النظر

فنقمت بذلك واصلحت وغیرت وبدلت وزادت ونقصت حین

رأیت الحاجۃ الی ذلک ۔

یعنی مکتبہ دارالسلام کے ذمہ دار عبدالمالک مجاہد نے مجھے مکلف کیا کہ میں اس

کتاب پر نظر ثانی کروں تو میں نے اس کام کو انجام دیا، میں نے اس میں اصلاح کی

بہت سی جگہ ادل بدل کر دیا بہت سی جگہ اپنی طرف سے بڑھادیا اور بہت سی جگہ اپنی

طرف سے گھٹا دیا اور یہ سب میں نے وہاں کیا جہاں میں نے اس کی ضرورت سمجھی ۔

اللہ اکبر، اس امانت ودیانت کے ساتھ تفسیر ابن کثیر کا یہ خلاصہ دارالسلام ریاض سے

شائع ہوا ہے ، اس دیدہ دلیری کی داد دیجئے کہ اس مجرمانہ کاروائی اور علمی خیانت کے ارتکاب

کو کتنے فخر اور واشگاف الفاظ میں بیان کیا جارہا ہے ، گویا یہ کوئی ایسا کارنامہ ہے جو مولوی

صفی الرحمٰن مبارکپوری کو سیدھا جنت میں لے جائے گا ۔

اس کتاب میں جو مجرمانہ کاروائی کی گئی ہے، اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو ۔ اصل تفسیر

ابن کثیر میں قرآن کی سورہ اعراف کی آیت ، واذا قری القرآن فاستمعوا لہ

وانصتوا لعلکم ترحمون ۔ کی تفسیر بڑے سائز کے تقریباً ڈیڑھ صفحے اور تینتالیس

سطروں میں کی گئی ہے ، اور حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں بطور خاص اس پر زور دیا

ہے کہ اس آیت کا تعلق نماز سے ہے اس میں جہری نماز میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے کچھ بھی پڑھنے

سے روکا گیا ہے اور اس کی تائید میں انھوں نے متعدد صحیح حدیثوں اور آثار صحابہ کو پیش کیا ہے

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

لما ذکر تعالیٰ ان القرآن	یعنی جب اللہ نے اوپر کی آیت میں یہ بیان
بصائر للناس وھدی ورحمۃ امر	کیا کہ قرآن لوگوں کیلئے بصائر اور ہدایت
تعالیٰ بالانصات عند تلاوتہ	اور رحمۃ ہے، تو اس آیت میں قرآن کی عظمت
اعظاما لہ واحتراما لا کما کان	واحترام کے بیان کیلئے یہ حکم دیا کہ جب قرآن
یتعمدہ کفار قریش المشرکون	پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو

في قولهم (لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه) ولكن يتأكد ذلك في الصلوٰة المكتوبة واذا جهر الامام بالقرأة كما رواه مسلم في صحيحه من حديث ابي موسىٰ الاشعري رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا وكذا رواه اهل السنن من حديث ابي هريرة ايضا وصححه مسلم بن الحجاج ايضا ولم يخرجه في كتابه۔

تاکہ تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو، اس طرح پر عمل نہ ہونا چاہئے جو کفار قریش اور مشرکین کا تھا کہ وہ پڑھے جانے کے وقت کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن مت سنو اور شور شرابا مچاؤ۔
لیکن کان لگانے اور خاموش رہنے کا حکم بطور تاکید فرض نماز میں ہے، امام جہری نماز پڑھا رہا ہو، جیسا کہ امام مسلم نے مسلم شریف میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کو اسلئے مقرر کیا جاتا ہے کہ تم اس کی اقتدا کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھنا شروع کرے تو تم خاموش رہو اسی طرح اصحاب سنن نے حضرت ابوہریرہ سے بھی روایت کیا ہے، حضرت ابوہریرہ کی حدیث کو امام مسلم نے بھی اپنی کتاب میں صحیح کہا ہے، البتہ انھوں نے حضرت ابوہریرہ والی حدیث کی تخریج اپنی کتاب میں نہیں کی ہے۔

پھر اس کے بعد متعدد حدیثوں اور آثار صحابہ سے ابن کثیر نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس آیت کا تعلق نماز سے ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔

صلى ابن مسعود فسمع اناسا يقرأون مع الامام فلما انصرف قال اما آن لكم ان تفهموا اما آن لكم ان تعقلوا واذا قرئ القرآن

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ امام کے پیچھے کچھ پڑھ رہے ہیں تو نماز سے فارغ ہو کر انھوں نے لوگوں پر خفا ہوتے ہوئے کہا کہ کیا وقت نہیں آیا ہے کہ

فاستمعوا لہ وانصتوا کما	تم سمجھو، کیا وقت نہیں آیا کہ تم عقل استعمال کرو
امرکم اللہ ۔	جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنو اور خاموش رہو
	جیسا کہ تم کو اللہ نے حکم دیا ہے ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ لوگوں نے آنحضورؐ کے پیچھے قرآن پڑھا تو آپ نے ناگواری کا اظہار کیا تو اس کے بعد لوگوں نے جہری نمازوں میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرآن پڑھنا چھوڑ دیا ۔

پھر امام زہری کا یہ اثر بھی ذکر کیا ہے، جس میں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے کچھ نہیں پڑھا جائے گا، امام کی قرأت ہی مقتدی کو کافی ہوگی اگرچہ لوگ امام کی آواز نہ سنیں۔ اسلئے کہ اللہ کا یہ قرآن ہے، کہ جب قرآن پڑھا جائے تو امام کی قرأت پر کان لگاؤ اور خاموش رہو، پھر اس کے بعد ائمہ کا مذہب اس بارے میں ذکر کیا ہے، اور وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ من کان لہ الامام فقرأتہ قرأۃ لہ ، یعنی امام اگر ہو تو امام ہی کی قرأت مقتدی کی قرأت ہوتی ہے ۔

ان کے علاوہ متعدد حدیثوں سے مزید ثابت کیا ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے ۔ اہل علم اصل کتاب میں دیکھ لیں ۔

لیکن دار السلام ریاض سے ابن کثیر کی تہذیب جو المصباح المنیر سے شائع کی گئی ہے ۔ اس میں اس آیت کی تفسیر میں اس آیت کی کل تفسیر یہ ہے ۔

لما ذکر تعالیٰ ان القرآن	یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیات میں ذکر
بصائر للناس وھدی ورحمۃ امر تعالیٰ	کیا کہ قرآن لوگوں کے لئے بصائر اور ہدایت
بالانصات عند تلاوتہ اعظاماله	اور رحمت ہے تو اللہ نے اس کی تلاوت کے
واحتراما لا کما یتعمدہ کفار قریش	وقت خاموش رہنے کا قرآن کے احترام میں حکم
المشرکون فی قولھم لا تسمعوا لھذا	فرمایا ایسا نہ ہو جیسا کہ کفار قریش کہا کرتے
القرآن والغوا فیہ ، قال ابن جریر	تھے قرآن مت سنو اور شور و شرا بامچاؤ ،

قال ابن مسعود کنا یسلم بعضنا	ابن جریر فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ
علی بعض فی الصلوٰۃ فجاء القرآن	عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں ایک دوسرے کو
واذا قرئ القرآن الآیۃ	سلام کیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی ۔

حافظ ابن کثیر کی ۲۴ سطروں کی تفسیر کا یہ مجرمانہ خلاصہ ان چند سطروں میں کیا گیا ہے اور جو ابن کثیر کہنا چاہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق نماز سے ہے اور مقتدی کو جہری نمازوں میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور جس کو انھوں نے متعدد حدیثوں اور آثار صحابہ اور تابعین سے ثابت کیا ہے سب کو حذف کر دیا گیا ہے ۔

اور مذکورہ عبارت میں ابن کثیر نے ولکن سے جو استدراک کیا ہے ولکن یتاکد ذلک فی الصلوٰۃ المکتوبۃ اذا جہر الامام بالقراۃ ، اس کو حذف کر کے حافظ ابن کثیر کے کلام کو بالکل توڑ مروڑ دیا گیا ہے ، اہل علم جانتے ہیں کہ معطوف اور معطوف علیہ میں اصل معطوف ہوتا ہے اور مستدرک اور مستدرک منہ اصل زور مستدرک پر دینا ہوتا ہے ۔ حافظ ابن کثیر کی اس شروع کی عبارت میں جو مستدرک اور معطوف تھا دار السلام والوں نے اس کو بالکل اڑا دیا ہے ، اور اس طرح حافظ ابن کثیر کے کلام کے اصل مقصود کو ضایع کر دیا ہے ۔

علم کے نام پر یہ بے علمی اور خدمت قرآن کے نام پر یہ بے ایمانی اور خیانت کی مثال علم کی دنیا میں ناپید ہے ۔

اس سے اندازہ لگالیں کہ دار السلام ریاض سے شایع ہونے والی کتابوں کا کتنا اعتبار اور کتنی قیمت ہے ، اور یہ بھی اندازہ لگائیں کہ موجودہ سلفیت دین و ایمان اور علم کیلئے کتنا بڑا فتنہ بنی ہوئی ہے ______ سادہ مزاج عوام اور کم پڑھے لکھے لوگوں کو معلوم نہیں کہ کس کس طرح اور کس کس انداز سے سلفیت کے نام پر گمراہ کیا جا رہا ہے ۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

والی المشتکی ، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

محمد اجمل مفتاحی

نورالدین نوراللہ الاعظمی

مولانا محمد جوناگڈھی کے رسالہ
اہل حدیث اور احناف کے درمیان اختلاف کیوں
پر ایک سرسری تبصرہ

تبرائی غیر مقلدوں میں سے ایک بہت ہی معروف ومشہور نام مولانا محمد جوناگڈھی کا ہے یہ تبرائی صاحب پوری زندگی احناف اور فقہ احناف اور اس کے ضمن میں حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ پر تبرا بکتے رہے، اور اسی عمل خیر میں مشغول رہتے ہوئے وہ اپنے ہم مسلکوں وہم مذہبوں کے ٹھکانا پر بعد از مرگ پہونچ گئے۔

جب آدمی تبرابازی کا عادی ہوجاتا ہے تو اس کی قلم وزبان سے بہت مشکل سے کوئی اللہ والا بچ پاتا ہے۔ ان صاحب کی بھی زبان وقلم کا نشانہ صرف احناف ہی نہیں رہے بلکہ تمام مذاہب کے مقلدین بنے اور ائمہ فقہ وحدیث پر انھوں نے بلا تکلف کافر ومشرک ہونے کا فتویٰ صادر کیا، بلکہ ان تبرائی صاحب کی تبرا بازیوں سے خود جماعت غیر مقلدین کے مقتدا اشخاص محفوظ نہ رہ سکے، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی جماعت غیر مقلدین کی بہت مشہور شخصیت کا نام ہے، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صائم الدھر تھے، مولانا محمد جوناگڈھی تبرائی ان کے بارے میں یوں گہر فشاں ہوتے ہیں۔

" یہ مولوی صاحب (یعنی حافظ عبداللہ روپڑی صائم الدھر صاحب) جھوٹے ہیں، بدعقیدہ ہیں ایسے اہل دین سے بلکہ خود دین سے بھی مس نہیں لہذا ایسے جہلاء کا ہم عقیدہ ہونا اپنا ایمان برباد کرنا ہے، یہ عقیدہ مشرکانہ عقیدہ ہے

اس کا یہ قول صریح شرک ہے، اس کا وعظ ہرگز نہ سنو اگر بس ہو تو وعظ کہنے بھی نہ دو، نہ اس کے پیچھے جمعہ جماعت پڑھو بیشک اس سے توبہ کرانے کیلئے تا وقتیکہ یہ توبہ نہ کرے شرعاً بے تعلق رہنا ہی افضل و بہتر ہے ایسا نہ کرنے والے شرعاً سخت گنہ گار ہیں۔"

(مظالم روپڑی از مولانا ثناء اللہ امرتسری ص۴۰)

اور یہی تبرائی جوناگڈھی صاحب جماعت غیر مقلدین کے دوسرے بڑے عالم مولانا عبدالوہاب ملتانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پھر تو ایسے چور اور ڈاکو ہیں کہ مسلمانوں کی زکوتیں بھی ڈکار جائیں ان کے فطرے اور قربانی کی کھالیں بھی یہ نوچ کھائیں، یہ دینے کا تو نام ہی نہیں جانتے ہاں لینے کے لئے ان کی زنبیل ہر وقت کھلی رہتی ہے۔" (ظل محمدی ص۱۱)

نیز فرماتے ہیں (یہ فرمان بھی مولانا عبدالوہاب اور ان کی جماعت ہی کے بارے میں)

"برادران، موجودہ اماموں کا سارا زور اس مسئلے پر صرف طلب زر اخذ مال اور کشید گی زکوٰۃ کے لئے ہے جسے وہ ہضم کر جاتے ہیں اور صاف کہدیتے ہیں کہ امام سے حساب لینے والا کون؟ (ایضاً ص۱۳)

یہ مثل گدھوں کے ہیں (ص۱۲ ایضاً)

ان نمونوں سے آپ اندازہ لگائیں کہ یہ تبرائی مولانا کس قدر بدزبان و بدلگام تھے جن کی تبرا بازیوں سے غیر مقلدین کی جماعت کے مؤقر افراد بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

یہی وہ تبرا باز غیر مقلد عالم ہیں جنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں لکھا ہے:

"پس آؤ سنو بہت سے صاف موٹے موٹے مسائل ایسے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے ان میں غلطی اور ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے کہ فی الواقع ان مسائل کے دلائل سے حضرت فاروق بے خبر تھے۔" (طریق محمدی ص۱۴)

" ان موٹے موٹے مسائل میں جو روزمرہ کے ہیں دلائل شرعیہ آپ سے مخفی رہے "

(ص۴۲ ایضا)

اور یہی وہ تبرا باز غیر مقلد ہیں جنھوں نے امام الانبیاء آقائے دو جہاں سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بکواس بکی ہے ۔

" شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے بغیر وحی الٰہی کے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں " (طریق محمدی ص۳)

یہ تبرا باز غیر مقلد صاحب خود کو بہت بڑا علامہ سمجھتے تھے ، مگر ان کی جہالت اور خیانت کے نمونے جگہ جگہ ان کی تحریروں میں ملتے ہیں ، دیکھئے وہ قرآن کی اس آیت ربنا انا اطعنا سادتنا وکبرائنا فاضلونا السبیل کا ترجمہ کرتے ہیں ۔

اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور بڑوں کے پیچھے لگ گئے ان کی مانتے رہے اور راہ سے بھٹک گئے ۔ (طریق محمدی ص۴۴)

اس ترجمہ میں حضرت کی خیانت یہ ہے کہ حضرت نے بڑوں کے پیچھے لگ گئے ، کا جملہ اپنی طرف سے بڑھا دیا ، اور ان کی جہالت یہ ہے کہ انھوں نے اضلونا السبیل کا ترجمہ کیا کہ ہم راہ حق سے بھٹک گئے ، حالانکہ عربی کا ایک ادنی درجہ کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ اس کا ترجمہ صحیح یہ ہوگا ۔

" اور انھوں نے ہمیں راہ سے بھٹکا دیا "

" فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ، بالبینت والزبر "

کی تفسیر میں اپنی قابلیت کا اظہار ان بترائی صاحب نے یوں کیا ہے ۔

" آیت کے الفاظ میں ایک تو فاسئلوا کا لفظ ہے دوسرا لا تعلمون کا اس کے بعد والے جملے یعنی بالبینت والزبر کا تعلق دونوں سے ہو سکتا ہے یعنی سوال کرو دلیل سے اگر تم آپ دلیل نہیں جانتے " (ص۴۰ ایضا)

یہ تفسیر کوئی پلے درجے کا جاہل ہی کر سکتا ہے ، ہماری گذارش ہے کہ آپ چودہواں

پارہ کے نصف کے قریب اس آیت کو دیکھیں اور کسی تفسیر کو اٹھالیں، اور انصاف سے فرمائیں کہ کیا کسی مفسر نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے، علامہ ابوبکر الجزائری اپنی تفسیر ایسر التفاسیر میں لکھتے ہیں:

" بالبینات والزبر، ای ارسلنا اولئک الرسل من البشر بالبینات والحجج والدلائل الدالۃ علی وجوب عبادتنا وترک عبادۃ ما سوانا " (ص ۵۳۶/ ج ۲)

یعنی ہم نے رسولوں کو دلائل اور بینات کے ساتھ بھیجا تھا تمام معتبر اہل تفسیر کے نزدیک بالبینٰت والزبر کا تعلق ارسلنا سے ہے نہ کہ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون سے، کس قدر بے وقوفی اور جہالت کی بات ہے کہ یہ کہا جائے کہ "تم دلائل سے پوچھو اگر تم دلائل نہیں جانتے ہو" یہ قرآن کی تفسیر یا صریح تحریف، اس جہالت اور اس خیانت کے بل بوتے پر یہ تبرائی مولوی صاحب اکابر اہل علم کے منہ آتے ہیں اور مقلدین کو مشرک بناتے ہیں، اور فقہ حنفی کے خلاف مغلظات اگلتے ہیں۔

ہمیں حال ہی میں ان تبرائی صاحب کا ایک رسالہ پڑھنے کو ملا، اہلحدیث اکیڈمی مئوناتھ بھنجن نے اسے شائع کیا ہے۔ نام ہے اس کا۔

" اہلحدیث اور اہل احناف کے درمیان اختلاف کیوں؟ "

اور اس کیوں کا جواب اس رسالہ میں یہ دیا گیا ہے کہ احناف قرآن و حدیث کو چھوڑ کر فقہ پر عمل کرتے ہیں اور اہلحدیث صرف قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں اس وجہ سے ان دونوں کے درمیان یہ اختلاف ہے۔ اسی بات کو بنیاد بنا کر اس تبرائی صاحب نے فقہائے احناف فقہ حنفی اور ائمہ احناف کے خلاف خوب دل کی بھڑاس نکالی ہے اور خوب تبرا بکا ہے بلکہ احناف سے گذر کر تمام ائمہ کے مقلدین اور ان کے فقہوں کے خلاف انھوں نے اپنے بغض و کینہ کا کھلم کھلا اظہار کیا ہے، ایک جگہ عنوان قائم کیا ہے۔

چاروں مذہب برحق نہیں ہیں (ص ۱۳)

ایک جگہ عنوان قائم کیا ہے۔

فقہاء کے تمام مسائل حدیث کے مطابق نہیں ہیں۔ (ص۶)

ایک جگہ عنوان قائم کیا ہے کہ

تقلید شخصی میں امام کو گویا نبی ماننا ہے۔ (ص۸)

ایک جگہ عنوان قائم کیا ہے۔

تقلید چار سو سال بعد نکلی۔

پھر یہ تبرائی صاحب لکھتے ہیں

۔ چار سو سال تو مسلمانوں پر امن کے ساتھ گذرے یہ من وسلویٰ کھاتے رہے لیکن اس کے بعد انھیں بھی بنی اسرائیل کی طرح دور کی سوجھی ڈاڑھ کا چٹخارہ یاد آیا اور لہسن پیاز طلب کرنا شروع کر دیا۔ (ص۲۹)

فقہ شافعی کے مقلدین کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

۔ اللہ اکبر یہ فیصلہ امام صاحب (شافعی) کے اور پھر بھی شافعیہ کا اس فقہ پر اڑے رہنا جو سراسر حدیث کے خلاف بہت سے مسائل بیان کرتی ہے کیا یہ تقلید ہے؟ ص۵۲-۵۱

ایک جگہ عنوان قائم کیا ہے۔

تقلید کا شرک ہونا ص۳۵

یہ تبرائی صاحب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک جگہ اس طرح اپنا مسخرہ پن ظاہر کرتے ہیں۔

ہم ظہر کی نماز چار فرض پڑھتے ہیں مگر اس لئے نہیں کہ ہم نے قرآن سے اس کا ثبوت پایا ہے، حدیث میں یوں ہے بلکہ صرف اس لئے کہ ہمارے امام امام اعظم مجتہد زماں واقف اسرار نہاں شہنشاہ ملک فقہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ رضوان اللہ ورحمۃ اللہ نے ہمیں یہ بتلایا اور یہ فرمایا (ص۳۱)

غرض اس طرح کی بکواس لایعنیات فقہ اور فقہاء کے خلاف بغض وکینہ سے یہ پورا رسالہ بھرا ہے،

اور زبان و بیان کی پوری شیرینی کے ساتھ تمام مقلدین کو مشرک اور مخالف قرآن و حدیث ظاہر کر کے صرف اپنے کو سچا پکا اور موحد مسلمان اور قرآن و حدیث پر عمل کرنے والا ظاہر کیا گیا ہے، یعنی اس تبرائی مولوی محمد جوناگڈھی کی خارجیت اس رسالہ میں پورے طور پر ظاہر ہے۔

اس پورے رسالہ کا جائزہ لینا تو صرف ضیاع وقت ہے، اس لئے ایک سرسری نگاہ اس کی چند باتوں پر محض اس کے مکر و فریب اور اس کی خیانت و جہالت کو ظاہر کرنے کے لئے ہم ڈالتے ہیں، بالکل آغاز کلام ہی میں یہ تبرائی صاحب لکھتے ہیں :

" مذہب حنفی کے پیروکاروں نے دنیا میں شہرت کر رکھی ہے کہ فقہ حنفی کا ایک مسئلہ بھی خلاف حدیث نہیں ہے "

تبرائی مولوی صاحب نے آغاز کلام ہی میں بالکل سفید جھوٹ گڑھا ہے، اگر وہ سچے ہوتے تو ظاہر کرتے کہ کس حنفی نے کب یہ دعویٰ کیا ہے، وہ اپنے زمانہ یا اس سے پہلے کے کسی حنفی عالم کا یہ قول کسی کتاب سے نقل کرتے مگر مولوی صاحب نے یہ کچھ نہیں کیا اور اس جھوٹ کو انھوں نے فقہ اور فقہاء کے خلاف اپنے قلم کی جولانی دکھلانے کے لئے بطور الزام احناف کے بغض میں گڑھا، ایسے جھوٹوں پر ہزار بار خدا کی لعنت، آپ اندازہ لگائیں کہ جو شخص اپنی بات کی ابتدا ہی ایسے صریح جھوٹ سے کرے اس کی آئندہ کی باتیں کتنے جھوٹ سے پُر ہوں گی۔

کیا کوئی ذی ہوش کسی بھی فقہ پر عمل کرنے والا اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے، جب کہ سب کو معلوم ہے کہ فقہ کے مسائل میں کتاب و سنت سے براہ راست اخذ شدہ مسائل کے علاوہ بہت سے مسائل اجتہادی استنباطی اور قیاسی بھی ہیں، اور قیاسی مسائل میں کسی مجتہد کو یہ مجال جرأت نہیں ہے کہ وہ اس کو عین حق و صواب کہے، اس لئے کوئی فقیہ یا عالم کسی بھی فقہ کا ماننے والا قطعیت اور یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے کہ اس کے فقہ کا ایک مسئلہ بھی خلاف حدیث نہیں (۱)

---

(۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر

پھر آگے یہ تبرائی صاحب لکھتے ہیں :

اس لئے میں اس کتاب میں اس بات کو غلط ثابت کرنے، اس دعویٰ کی
حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے اور یہ بتانے کے لئے کہ فقہ کے سیکڑوں

---

(۱) محشی نے تبرائی جوناگڈھی کے اس جھوٹ کو سچ دکھلانے کے لئے اس وقت کے دو علماء
مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری اور مولانا انوار خورشید صاحب مصنف حدیث اور اہلحدیث کی دو
الگ الگ عبارتیں پیش کی ہیں، اس محشی غیر مقلد کو اتنی بات سمجھ میں نہیں آئی کہ پچاس سال پہلے
جو دعویٰ کیا گیا ہے اس کی سچائی تو اسی زمانہ یا اس سے پہلے کے زمانہ کی شہادتوں سے ثابت ہوسکتی ہے
اگر آج مفتی سعید یا خورشید انور نے کوئی بات کہی ہے تو وہ پچاس سال پہلے والے دعویٰ کیلئے
شہادت کیسے ہوسکتی ہے اور اس سے مولانا تبرائی جوناگڈھی کا سچا ہونا کیسے ثابت ہوجائےگا
اس قابلیت پر آپ غیر مقلدوں کو اجتہاد کا شوق ہوتا ہے اور تقلید شرک نظر آتی ہے۔
مفتی سعید صاحب پالنپوری کی بات جہاں سے آپ نے نقل کی ہے حدیث اور اہلحدیث
کا وہ نسخہ میرے سامنے نہیں ہے، مگر مولانا انوار خورشید صاحب کا جو کلام آپ نے نقل کیا ہے
اس سے آپ کی سمجھداری اور عقل اور اجتہادی صلاحیت کا پتہ لگتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :

"مولانا انوار خورشید لکھتے ہیں احناف کثر اللہ سوادھم استنباط مسائل
میں حتی الوسع قرآن و حدیث کو سامنے رکھتے ہیں اور کسی بھی مسئلہ کے صراحتاً
قرآن وسنت میں ہوتے ہوئے قیاس واجتہاد نہیں کرتے"۔

ذرا ناظرین محشی کی قابلیت ملاحظہ فرمائیں۔ تبرائی غیر مقلد جوناگڈھی نے
بات کیا کہی ہے، اور مولانا انوار خورشید کی بات کیا ہے، دونوں میں کیا جوڑ ہے مگر
اس محشی قابل کو مولانا انوار خورشید کی بات مولانا جوناگڈھی کے جھوٹ کی دلیل نظر
آرہی ہے۔ ایسی قابلیت غیر مقلدوں میں ترک تقلید ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

مسائل احادیثِ صحیحہ کے صریح خلاف ہیں۔ یہ مضمون بطور نمونہ لکھتا ہوں۔

اولاً تو یہ بالکل جھوٹ ہے کہ کسی حنفی نے آپ کے زمانہ میں یا اس سے پہلے یہ دعویٰ کیا تھا جس کا الزام آپ احناف کو دے رہے ہیں یہ سراسر آپ کا جھوٹ اور کذب ہے یہ آپ کی اپنی بات ہے جس کو بنیاد بنا کر آپ احناف کے خلاف اور تمام فقہ اور ان کے مقلدین کے خلاف اپنے دل کا بخار نکالنا چاہتے ہیں۔ غیر مقلدین کے شکم میں فقہ اور فقہاء کے خلاف جمع شدہ جب تک کہ ساری ہوا خارج نہیں ہوجاتی ہے اس کا قرا قران کو بےچین کئے رہتا ہے، معدہ کی ہوا خارج ہوجانے کے بعد ہی ان کو تھوڑی دیر کے لئے سکون ہوتا ہے۔

تبرائی غیر مقلد نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ثابت کرے گا کہ فقہ کے سیکڑوں مسائل احادیثِ صحیحہ کے صریح خلاف ہیں مگر چونکہ وہ پہلے ہی قدم پر جھوٹ کا شکار ہوگیا تھا اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے رحمت نہیں اس وجہ سے اس کی توفیق ایسی سلب ہوئی کہ وہ اپنے اس پورے رسالہ میں فقہ کا ایک مسئلہ بھی کسی حدیث کے خلاف ثابت نہیں کر سکا۔ بلکہ اس پر تبرائی ذہنیت ایسی سوار رہی کہ وہ بھول ہی گیا کہ وہ یہ رسالہ کس لئے لکھ رہا ہے، اسلئے اِدھر اُدھر کی کوا ہیں تو کرتا رہا مگر جو اس رسالہ کا اصل مقصد تھا یعنی فقہ کے سیکڑوں مسائل کو احادیثِ صحیحہ کے خلاف ثابت کرنے کے دعویٰ کو دلائل اور مثالوں سے مستحکم کرنا وہ اس کی نظر سے اللہ والوں سے بغض کے طفیل ایسا اوجھل ہوا کہ پورے رسالہ میں اس موضوع پر اس کی خامہ فرسائی طاقِ نسیان ہوگئی، البتہ ایک جگہ پر اس نے رفع یدین کے مسئلہ کو ذکر کیا ہے کہ حنفیہ کا مذہب اس بارے میں حدیث کے خلاف ہے، مگر یہ اس تبرائی کی انتہائی جہالت ہے، اگر اس کی نظر ترمذی شریف، طحاوی شریف، مؤطا امام محمد، مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ اور احادیث کی دوسری کتابوں پر ہوتی تو وہ ایسی بیہودہ بکواس ہرگز نہ کرتا، رفع یدین اور عدم رفع یدین کے بارے میں ایک نہیں متعدد صحیح حدیثیں ہیں، اور عدم رفع یدین ہی تابعین اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کا مذہب رہا ہے۔

اور اگر یہ تبرائی صاحب امام بخاری کا رسالہ جزء رفع یدین ہی کو دیکھ لیتے تو ان کو

پتہ چلا کہ خود غیر مقلدوں کا جو مذہب ہے وہ کتنی صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ میں ناظرین کی عبرت کے لئے وقت حاضر کے سب سے بڑے غیر مقلد سلفی عالم محمد ناصر الدین البانی کی کتاب صفۃ الصلوٰۃ سامنے رکھتا ہوں اور بتلاتا ہوں کہ رفع یدین کے مسئلہ میں غیر مقلدین نے خود کتنی صحیح حدیثوں کو چھوڑا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ غیر مقلدین نماز میں تین یا چار جگہ رفع یدین کرتے ہیں یعنی ابتداء نماز میں، رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور بعض لوگ دو رکعت کے بعد تیسری کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی کرتے ہیں لیکن شیخ البانی فرماتے ہیں:

وکان یرفع یدیہ اذا سجد (ص۱۰۱)

یعنی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے اور حاشیہ میں لکھتے ہیں، نسائی اور دارقطنی نے اس کو دو صحیح سند سے نقل کیا ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں۔ وقد روی ھذا الرفع عن عشرۃ من الصحابۃ۔ یعنی سجدہ کے وقت رفع یدین دس صحابی سے مروی ہے۔

غیر مقلدین اس جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور اس بارے میں بقول شیخ البانی صحیح احادیث کے تارک ہیں۔

نیز شیخ البانی فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔

۔ وکان یرفع مع ھذا التکبیر (ص۱۱۱)

یعنی آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سجدہ سے سر اٹھانے والی تکبیر کے موقع پر بھی رفع یدین کرتے تھے۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ احمد وابوداؤد بسند صحیح۔ یعنی حضرت امام احمد اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کو صحیح سند سے ذکر کیا ہے، غیر مقلدین نے اس حدیث کو بھی چھوڑ رکھا ہے۔

شیخ البانی فرماتے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دوسرے سجدہ میں جاتے

ہوئے بھی رفع یدین کرتے تھے ۔ وکان یرفع مع ھذا التکبیر ص۱۱۹ اور حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ محدث ابو عوانہ اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کو صحیح سندوں سے نقل کیا ہے ۔ ابو عوانہ وابوداؤد بسندین صحیحین ۔

شیخ البانی فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ جب پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ سے فارغ ہوکر کھڑے ہوتے اس تکبیر کے وقت بھی رفع یدین کرتے ۔ ثم یرفع راسہ مکبرا ..... وکان یرفع یدیہ ، یعنی آنحضورؐ پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ سے فارغ ہوکر تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے ، اور حاشیہ میں لکھتے ہیں ۔ ابو عوانہ وابوداؤد بسندین صحیحین (ص۱۲۰) یعنی اس جگہ رفع یدین والی حدیث محدث ابو عوانہ اور امام ابوداؤد نے صحیح سند سے نقل کیا ہے ۔

غیر مقلدین ان تمام جگہوں پر رفع یدین نہیں کرتے اور صحیح احادیث کے تارک ہیں اور ان کی بے شرمی اور بے حیائی یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں جیسا کہ ان تیرائی صاحب نے بھی اپنے اس رسالہ میں جگہ جگہ کہا ہے کہ ہر حدیث رسول عمل کے قابل ہے ۔ ایک جگہ یہ لکھتے ہیں کہ ، اگر ایک حدیث صحیح چھوٹی تو یاد رکھو خدا کے یہاں کوئی جواب نہ ہوسکے گا ۔ (ص۱۴) اب دیکھنا ہے کہ غیر مقلدین رفع یدین کے سلسلہ کی جو متعدد حدیثوں کو چھوڑے بیٹھے ہیں ان پر ان کا عمل اب بھی ہوتا ہے یا نہیں ، یا صرف یہ قوالی ہی گاتے رہیں گے کہ اہل حدیث ہر صحیح حدیث پر سر جھکا دیتے ہیں ۔

اس شخص نے بار بار اپنے رسالہ میں یہ دکھلانے کے لئے زور لگایا ہے کہ فقہ کے سیکڑوں مسائل قرآن وحدیث کے خلاف ہیں ، اگرچہ اس نے اس رسالہ میں جیسا کہ عرض کیا گیا ایک مسئلہ سے بھی اپنے اس دعویٰ کو ثابت نہیں کرنے کی توفیق پائی مگر میں اس کا فریب ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ غیر مقلدین عوام کی ناواقفی سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں ۔

تمام اہلسنت والجماعت کے نزدیک دلائل شرعیہ چار ہیں ، قرآن ، سنت ، اجماع اور قیاس ، یہ غیر مقلدین جو اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں ان کا دعویٰ اور اصول یہ ہے

کہ دلائل شرعیہ صرف دو ہیں، قرآن وحدیث۔ اس لئے وہ ان مسائل کو جو اجماع اور قیاس سے ثابت ہوں شرعی مسائل نہیں سمجھتے، جب کہ تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک اجماع اور قیاس سے بھی جو مسائل ثابت ہوں وہ شرعی مسائل ہی سمجھے جاتے ہیں، اب یہ غیر مقلدین اپنے مذہب اور عقیدہ کو دوسروں پر مڑھنا چاہتے ہیں، اور زبردستی دکھلاتے ہیں کہ تم اپنے مسائل کو قرآن وحدیث سے ثابت کرو، جب احناف اور تمام اہلسنت والجماعت کے نزدیک دلائل شرعیہ چار ہیں تو ان سے یہ مطالبہ کرنا کہ تم صرف دو ہی دلیلوں سے اپنے مسائل ثابت کرو، یہ پاگل پن اور جنون نہیں تو اور کیا ہے۔ البتہ غیر مقلدین کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے فقہی مسائل کو صرف قرآن وحدیث سے ثابت کریں، اس لئے کہ ان کے نزدیک دلائل شرعیہ صرف قرآن وحدیث ہیں، اور ان غیر مقلدین کے جو بڑے بھائی منکرین حدیث ہیں وہ ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں، منکرین حدیث کے نزدیک دلیل شرعی صرف قرآن ہے، منکرین حدیث جب غیر مقلدین سے صرف قرآن سے دلیل مانگتے ہیں تو ان کی ہوا اکھڑنے لگتی ہے۔

"یہ تبرائی کہتا ہے فقہ کے سیکڑوں مسائل حدیث شریف کے خلاف ہیں" ص۴۲

میں اس تبرائی سے کہتا ہوں کہ حنفی فقہ کے صرف دس مسئلے ذکر کرے اور اس کے سامنے حدیث رکھ کر بتلائے کہ دیکھو یہ دس مسئلے ایسے ہیں جن کی حنفیہ کے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور یہ مسئلے ان احادیث کے خلاف ہیں، اور ہمارے پاس ان مسائل میں یہ اور یہ احادیث ہیں، یہ تبرائی تو دنیا سے جا چکا اب میں پوری دنیائے غیر مقلدیت کو یہی چیلنج کرتا ہوں کہ وہ میرے اس چیلنج کو قبول کرے، اور وہ ذرا اپنا رُخ زیبا اچھی طرح سے دکھلائے۔

اور اگر اس کا یہ دعویٰ ہے کہ غیر مقلدین کے سارے مسائل قرآن وسنت سے ماخوذ ہوتے ہیں تو وہ بتلائے کہ غیر مقلدوں کا یہ مسئلہ کہ عورت نماز میں اپنا ہاتھ پستان کے نیچے باندھے گی کس قرآن کی آیت یا حدیث سے ثابت ہے، اور نواب صاحب بھوپالی کا یہ کہنا کہ عام مسلمان عورتوں کو پردہ کا حکم نہیں ہے، کتاب اللہ کی کس آیت اور رسول اللہ کی کس حدیث سے ثابت ہے، اور غیر مقلدوں کا یہ مسئلہ کہ کافر کا ذبیحہ جائز ہے کتاب

وسنت سے اس کی بھی دلیل پیش کرے۔ اور غیر مقلدوں کا یہ مسئلہ کہ ہاتھ سے منی نکالنا جائز بلکہ بسا اوقات واجب ہے کس آیت اور کس حدیث سے ثابت ہے، اور غیر مقلدوں کا یہ مسئلہ کہ اگر قرآن کپڑے میں لپٹا ہوا ہو تو اس کا تکیہ بنانا جائز ہے قرآن کی کس آیت اور رسول اللہ کے کس فرمان کی روشنی میں ہے، سردست ان پانچ مسئلوں کی دلیل غیر مقلدین پیش کریں، یہ پانچوں مسائل ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

یہ تبرائی لکھتا ہے کہ

"تقلید شخصی میں امام کو گویا نبی جانتا ہے"۔ صـ۳

یہ غیر مقلدوں کے نزدیک ہوگا، کوئی مقلد اپنے امام کو نبی نہیں بلکہ نبی کا متبع اور ان کا امتی جانتا ہے، آپ پر شیطان سوار ہے۔ اور اس کے بعد پھر جو کچھ آپ نے لکھا ہے یہ شیطان ہی آپ کی زبان سے بلوا رہا ہے کسی مقلد کو کبھی اس کا تصور بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے امام کا درجہ نبی سے بڑھائے۔

یہ شخص لکھتا ہے کہ چاروں مذاہب والے پورے حق پر نہیں ہیں ہاں اہلحدیث پورے حق پر ہیں۔ صـ۱۴

جو اجماع اور قیاس اور خلفائے راشدین کی سنت کا منکر ہو وہ کیسے کہ وہ پورے حق پر ہے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ منہ اور مسور کی دال!

یہ تبرائی صاحب چاروں مذاہب پر حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آپ ایک صحیح حدیث ایک حنفی کے پاس رکھیں اس کا صاف جواب ہوگا کہ میرا مذہب اس کے مطابق نہیں ہے میرے مذہب میں تو یوں ہے اور اس کی دلیل فلاں دوسری حدیث ہے . . . . یہی حالت آپ شافعیہ کی پائیں گے اور اسی حالت پر آپ حنبلیوں کو دیکھیں گے اور یہی نقشہ آپ مالکیوں کا پائیں گے لیکن بحمد للہ جماعت محمدیہ اہل حدیث کے سامنے آپ نے کوئی صحیح حدیث پیش کی اس نے سر جھکا دیا اور کہہ دیا کہ فرمان رسول اللہ

سر آنکھوں پر "۔ ص۱۶

اگر اس تبرائی غیر مقلد کے اس دعویٰ میں ذرہ برابر بھی سچائی ہے اور اس کی یہ صرف قوالی نہیں ہے تو صرف رفع یدین ہی کے سلسلہ میں ان تمام احادیث پر عمل کر کے دکھلائے جو صحیح ہیں، اور جن کی صحت کا ثبوت وقت حاضر کے غیر مقلدین کے سربراہ شیخ البانی نے فراہم کیا ہے۔ بس ابھی ابھی یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ غیر مقلدین جھوٹ بولنے کے کتنے بڑے ماہر ہیں۔

یہ تبرائی صاحب عجیب عجیب بکواسیں کرتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں:

"جماعت اہلحدیث تو کہتی ہے کہ ائمہ کے درایت اور روایت ماننے کے اعتبار سے دو چیزیں ہیں روایت کا ماننا ضروری اور درایت کا صحیح ہونا ضروری نہیں اسلئے اس کا ماننا بھی ضروری نہیں ہے"۔ ص۲۱

اگر ساری روایات صحیح ہیں جن کا ماننا ضروری ہے تو پھر ہزاروں ہزار روایتیں ضعیف اور موضوع کہاں سے آگئیں، آپ ہی جیسا ایک پاگل کیا یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمام روایتوں کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے ان کا ماننا بھی ضروری نہیں اور تمام درایتوں کا صحیح نہ ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے ان کا نہ ماننا بھی ضروری نہیں، اور جب ان درایتوں کا نہ ماننا ضروری نہیں تو ان کا انکار کرنا بھی بلا دلیل جائز نہیں اور جب ان کا انکار کرنا جائز نہیں تو ان پر عمل کرنے سے روکنا بھی بلا دلیل جائز نہیں، اس لئے غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ درایت پر عمل نہ کرنا ضروری ہے قطعاً باطل ہے۔ اس قسم کی گورکھ دھندوں والی باتوں سے غیر مقلدین اپنے کو اہل حق ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

یہ شعر فلعنة ربنا اعداد رمل
علی من رد قول ابی حنیفة

فتاویٰ شامی سے غیر مقلد نقل کرتا ہے، اس تبرائی جوناگڈھی نے بس اس کو نقل کر کے یہ گہر افشانی کی ہے۔

یعنی ریت کے ذروں برابر لعنتیں نازل ہوں اس پر جو امام ابو حنیفہ کے کسی قول کو رد کرے۔

برامان کر منہ پھلا لینے کی تو کوئی سند نہیں یہ شعر تقلید کی جان ہے مقلد کا

ایمان ہے ،، صـ۲۲

بیشک یہ شعر تقلید کی جان بھی ہے اور مقلد کا ایمان بھی ہے البتہ یہ کرم آپ کے سر پہ شیطان ہے اس وجہ سے آپ نے صرف اس شعر کو نقل کر کے اس کا ترجمہ کر دیا ہے اور عوام کو بھڑکانے کا شیطانی کارنامہ انجام دیا ہے۔ ورنہ علامہ شامی ہی نے اسی جگہ اس شعر کا مطلب بھی بیان کر دیا ہے جس کو آپ نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے، علامہ شامی اس شعر کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ ای علی من رد ما قاله من الاحکام الشرعیة محتقرا بها ۔ (صـ۱۲ ج۱) یعنی امام ابو حنیفہ نے جو احکام شرعیہ بیان فرماتے ہیں ان کو حقیر سمجھ کر رد کر دے (جیسے آپ جیسے تبرائی غیر مقلدین) تو اس شخص پر بے شمار لعنتیں ہیں، آپ ذرا فرمائیں کہ احکام شرعیہ خواہ امام ابو حنیفہ بیان فرمائیں خواہ کوئی اور امام ان کو حقیر سمجھنے والے اور ان کا رد کرنے والے کا کیا حکم ہے اور اس پر اللہ کی لعنت نہیں تو کیا گلاب اور یاسمین کے پھول نچھاور کئے جائیں گے۔ کیا غیر مقلدین کے علماء بھی عدم تقلید کی نحوست کے طفیل اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ احکام شرعیہ کو حقیر سمجھ کر ٹھکرانے والا کافر ہو جاتا ہے، تو کافروں پر لعنت نہیں ہوگی تو کیا اس پر رحمت کی موسلا دھار بارش ہوگی۔

جس کے ہاتھ میں قلم ہے اور جو غیر مقلد احناف کے خلاف لکھتا ہے عوام کو بھڑکانے کے لئے اس شعر کو اسی طرح نقل کرتا ہے اور ترجمہ پر ہی اکتفار کرتا ہے اور شامی نے جو اس کا مطلب بیان ہے اس کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے، یہ دھوکہ اور فریب دہی نہیں تو اور کیا ہے، کیا ایمان اور دیانت اسی کا نام ہے۔

اور ان غیر مقلدین کی مزید دیانت اور امانت داری یہ ہے کہ اس شعر کو نقل تو ضرور کریں مگر بتلائیں گے نہیں کہ یہ شعر کس کا ہے، اس لئے اگر یہ بتلا دیں تو پھر احناف کے خلاف اس شعر کی بنیاد پر ان کی ساری تبرا بازیوں کی ہوا نکل جائے گی۔ لیکن میں اپنے ناظرین کو بتلاؤں گا کہ یہ

شعر کس کا ہے ۔ یہ شعر فی الاصل ایک طویل قصیدہ کا ہے اور اس قصیدہ کو کہنے والے امام بخاری کے استاذ الاساتذہ حضرت عبداللہ بن مبارک ہیں، جن کے بارے میں امام بخاری جزء رفع یدین میں لکھتے ہیں ۔ کان ابن مبارک هو اکبر اهل زمانه علماً (جزء رفع یدین مترجم ص۲۹-۳۰) یعنی ابن مبارک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے صاحب علم تھے، یہ ابن مبارک وہ ہیں کہ امام بخاری نے دو ہاتھ سے مصافحہ پر ان کے فعل سے بخاری میں استدلال کیا ہے ۔ یہ عبداللہ بن مبارک وہ ہیں جن کی احادیث سے بخاری بھری پڑی ہے، انھیں عبداللہ بن مبارک کا وہ شعر ہے جس کو بنیاد بنا کر غیر مقلدین احناف کے خلاف عوام کو ورغلاتے ہیں، اگر غیر مقلدین میں جرأت و ہمت ہے تو عبداللہ بن مبارک کے خلاف زبان کھولیں، اور پھر وہ انشاء اللہ بخاری و مسلم کا نام لینا بھی بھول جائیں گے ۔ کیا یہ حیرتناک بات نہیں ہے کہ جس کا یہ شعر ہے اس کا غیر مقلدین نام بھی نہیں لیتے اور شامی کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالا کرتے ہیں کہ انھوں نے اس شعر کو اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے ۔

اس شعر سے ناظرین اندازہ لگائیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر محدث کے یہاں امام اعظم اور ان کی فقہ کا مقام کیا تھا، یہ حضرت عبداللہ بن مبارک وہ ہیں جو امام ابوحنیفہ کے خاص شاگرد تھے، تہذیب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، الانساب للسمعانی تاریخ بغداد، صفۃ الصفوۃ البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے، وقد اخذ الفقہ عن ابی حنیفۃ یعنی عبداللہ بن مبارک نے فقہ کی تعلیم امام ابوحنیفہ سے حاصل کی تھی، اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر یہودی حسد کرتے تھے نیز ان کا حسد صحابہ کرام پر بھی تھا کہ اللہ نے ان پر اسلام کی نعمت کیوں اتاری قرآن کا ارشاد ہے کہ ام یحسدون الناس علی ما آتاهم الله من فضله یعنی ان یہودیوں کو حسد ہوتا ہے مسلمانوں پر کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے نوازا ہے، گویا کینہ فطرت انسان کی خصلت ہی ہوتی ہے کہ اہل خیر اور اہل کمال سے جلتے ہیں اور حسد کرتے ہیں، حضرت امام اعظم کے زمانہ میں بھی کچھ لوگ ان کے حاسدین تھے اور وہ امام کے فضل و کمال سے جلے بھنے رہتے تھے اور اللہ نے ان کو اور ان کی فقہ کو جو قبولیت عامہ عطا کی تھی یہ قبولیت ان سے دیکھی نہیں جاتی تھی تو

وہ حضرت امام اور ان کی فقہ کے خلاف موجودہ زمانہ کے بدزبان و بدلگام اور تبرائی غیر مقلدوں کی طرح بکواسیں کیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے انہیں حاسدین و کم ظرف لوگوں کو سامنے رکھ کر طویل قصیدہ کہا جس کا ایک شعر اوپر منقول ہوا، اور اس طرح اپنے جلیل القدر استاذ کا کچھ حق شاگردی ادا کیا۔ اب غیر مقلدوں کو اس شعر کے بارے میں جو کچھ کہنا ہے وہ حضرت عبداللہ بن مبارک کو مخاطب بنا کر کہیں۔ ذرا ہم بھی دیکھیں گے کہ غیر مقلدین کتنے پانی میں ہیں، یا پھر وہ ثابت کریں کہ یہ شعر عبداللہ بن مبارک کا نہیں ہے تو ثبوت ہمارے ذمہ ہوگا اور ہم حوالہ کے ساتھ بتلادینگے کہ یہ شعر کس کا ہے۔

ہر تبرائی غیر مقلد کی طرح اس تبرائی غیر مقلد نے بھی اس رسالہ میں یہی شور مچا رکھا ہے کہ تقلید چار سو سال کے بعد نکلی (ص۲۹) اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو پھر غیر مقلدوں کے نواب صاحب بھوپالی کو آخر یہ بات کیوں نہیں سمجھ میں آئی اور انھوں نے یہ کیسے لکھ دیا کہ اھل مصر کانوا مالکیۃ فلما قدم الشافعی مصر تحولوا الی الشافعیۃ (الجنۃ ص۵۴) یعنی مصر کے لوگ مالکی مذہب پر تھے جب امام شافعی مصر تشریف لائے تو لوگوں نے شافعیت اختیار کرلی، کیا امام شافعی چوتھی صدی کے بعد کے تھے؟ اور غیر مقلدین کے یہی نواب صاحب بھوپالی ریاض المرتاض میں لکھتے ہیں۔ کہ ۲۲۸ھ میں خلیفہ واثق باللہ سد سکندری کا حال دریافت کرنے کے لئے کچھ لوگ بھیجے تو انھوں نے وہاں کے لوگوں کو حنفی المذہب پایا، نواب صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

محافظان سد دراں جا بودند ہمہ دین اسلام داشتند مذہب حنفی و زبان عربی و فارسی می گفتند (ریاض المرتاض ص۲۱۶) ۲۲۸ ہجری میں حنفی مذہب سد سکندری تک پہونچ چکا تھا اور وہاں کے تمام مسلمان مذہب حنفی پر عامل تھے، اور تبرائی کنویں کے مینڈکوں کو تقلید کا وجود چوتھی صدی کے بعد نظر آرہا ہے، ان جاہلوں کی بات کوئی مانے یا نواب صاحب جیسے غیر مقلدین کے مجدد اور مشہور عالم کی؟

یہ تبرائی عنوان قائم کرتا ہے کہ

۔ چاروں مذہب حق پر نہیں ہیں، ص۱۳

اور قرآن کی آیت وقل الحق من ربکم لکھ کر اس کا ترجمہ کرتا ہے۔ یہی وہ حق ہے جو خدا کی طرف سے ہے، کلام ربانی کے ساتھ کھلواڑ غیر مقلدین کا شیوہ ہے، اہل علم فرمائیں کہ کیا اس آیت کا یہی ترجمہ ہے۔ پھر اس جاہلانہ ترجمہ کرنے کے بعد لکھتا ہے، ہے کوئی جو اس امر کا انکاری ہو کہ حق ایک ہے؟ اور پھر لکھتا ہے کہ جب حق ایک ہے تو چاروں مذہب حق کیسے ہو سکتے ہیں۔

اس جاہل کو کوئی کیسے سمجھائے کہ تمام رسل برحق تھے اور سب کی شریعت الگ الگ تھی، اور سب کی شریعت برحق تھی، تو اگر رسولوں کی شریعت الگ الگ ہو کر سب برحق ہو سکتی ہے تو چاروں ائمہ کی فقہ بھی الگ الگ ہو کر کیوں نہیں برحق ہو سکتی۔

تمام فقہا صحابہ کرام برحق تھے مگر ان کا اجتہاد الگ الگ تھا، اور سب حق تھا، تو چاروں ائمہ کے مذاہب حق کیوں نہیں ہو سکتے۔ چاروں آسمانی کتابیں جو اللہ نے نازل فرمائی تھیں سب برحق تھیں اگرچہ ان کے احکامات الگ الگ تھے، تو جب چاروں آسمانی کتابیں الگ الگ ہو کر کے بھی سب برحق ہو سکتی ہیں تو پھر یہ چاروں مذاہب الگ الگ ہو کر کے برحق کیوں نہیں ہو سکتے، قرآن آنحضور کے زمانہ میں سات الگ الگ لہجوں میں پڑھا جاتا تھا اور ساتوں لہجے الگ الگ ہونے کے باوجود برحق تھے، تو جب سات لہجے الگ الگ ہونے کے باوجود ہر ایک برحق ہو سکتا ہے تو چاروں مذاہب برحق کیوں نہیں ہو سکتے۔ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی قریظہ کو صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیجی اور ان کو تاکید کی کہ وہ عصر کی نماز وہاں جا کے پڑھیں، راستہ میں عصر کا وقت ہوگیا، صحابہ کرام میں اختلاف ہوا، کچھ کی رائے تھی کہ عصر کا وقت ہوگیا ہے اس لئے نماز کو مؤخر کرنا مناسب نہیں ہے، اور انھوں نے آنحضور کا مقصد یہ سمجھا کہ راستہ میں کسی اور کام کے لئے تاخیر کرنا مناسب نہیں ہے، جب کہ دوسروں کی رائے یہ تھی کہ جب آنحضور نے یہ فرمایا کہ نماز بنی قریظہ میں پڑھنا تو راستہ میں نماز ادا کرنا جائز نہیں، دونوں جماعتوں نے اپنی اپنی رائے پر عمل کیا، ایک نے راستہ میں ہی نماز وقت پر ادا کی اور دوسری جماعت نے بنی قریظہ پہنچ کر ادا کی۔ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب

یہ قضیہ پیش ہوا تو آپ نے دونوں کے عمل کو درست قرار دیا۔ اگر ان جاہلوں کے نزدیک حق ایک ہی ہے تو پھر آنحضور نے دونوں جماعت کے الگ الگ عمل کو کیوں حق قرار دیا؟ اگر ایک حق کو دو جگہ بانٹا جا سکتا ہے تو اس کو چار جگہ کیوں نہیں بانٹا جا سکتا، چار آدمی جنگل میں جا رہے تھے رات ہو گئی بادل چھا گیا، اندھیرا گھپ قبلہ کدھر ہے پتہ نہیں لگ رہا، نماز پڑھنا ہے چاروں نے تحری کیا، یعنی اپنے اپنے طور پر قبلہ کا اندازہ لگا کر نماز پڑھی، صبح پتہ چلا کہ کسی نے پچھم رخ نماز پڑھی تھی کسی نے پورب رخ اور کسی نے دکھن رخ اور کسی نے اتر رخ، غیر مقلدین کیا فتویٰ دیں گے سب کی نماز کو حق کہیں گے یا صرف ایک قبلہ رخ والے کی اور بقیہ کی نماز کو باطل کہیں گے۔ اگر ان کا فتویٰ یہی ہے کہ سب کی نماز درست اور حق ہے تو جب الگ الگ جہتوں کی طرف نماز پڑھ کر کے بھی سب کی نماز برحق ہو سکتی ہے تو پھر یہ چاروں مذاہب الگ الگ ہو کر بھی حق کیوں نہیں ہو سکتے۔

یہ جاہل غیر مقلدین ڈینگ ماریں گے کہ وہ بہت بڑے قابل ہیں اور ان کی جہالت کا حال یہ ہے کہ ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ شریعت میں حق اور ناحق کا معنی کیا ہے، شریعت میں حق کا معنی صرف مطابق مواقع کے لئے نہیں ہوا کرتا بلکہ موافق لاحکام الشرع جو کام بھی ہو وہ بھی حق ہوتا ہے خواہ وہ مطابق للواقع ہو یا نہ ہو، اس وجہ سے وہ ساری باتیں اور وہ سارے احکام حق ہوں گے جو شریعت کے قانون کے تحت ہوں خواہ ان کا وقوع واقع کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ غیر مقلدین اس حقیقت سے جاہل ہیں اس وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ جب چاروں مذاہب کے مسائل الگ الگ ہیں تو سب حق کیسے ہوں گے۔ شریعت کا حکم ہے کہ قبلہ جب معلوم نہ ہو تو تحری کر کے نماز پڑھی جائے، اب نمازی کا کام صرف اس صورت میں یہ ہے کہ تحری کرکے تحری کرنے کے بعد وہ جو نماز پڑھے گا خواہ قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے یا دوسرے رخ کو نماز پڑھے اس کی نماز صحیح اور حق ہو گی اور اس پر اس کو نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

آسمان میں بدلی ہے دو آدمیوں نے چاند دیکھا اور واقعۃً چاند تھا بھی مگر چونکہ یہ دونوں شاہد شریعت کے معیار پر نہیں تھے اس وجہ سے قاضی ان کی شہادت کو قبول نہیں کرے گا اور

چاند کی رویت کا فیصلہ نہیں ہوگا اس کے بعد دو دوسرے شاہد آئے جن کی شہادت شرعاً قبول کی جاسکتی تھی اب یہ قاضی چاند کی رویت کا فیصلہ کر دے گا، اس کا پہلا فیصلہ بھی حق اور یہ دوسرا فیصلہ بھی حق، اس لئے کہ اس نے دونوں جگہ وہ کیا جو شریعت کا حکم تھا اس لئے کہ اس کے دونوں متضاد فیصلے حق ہیں۔

بالکل اسی طرح مجتہدین کا معاملہ ہے ان کا کام صرف یہ ہے کہ کتاب وسنت میں غور کریں اور جو کتاب وسنت کے صریح الکلام نہ ہوں ان کا حکم ادلہ ثلاثہ شرعیہ (کتاب وسنت اور اجماع) سے معلوم کریں اب ان کا جو بھی فیصلہ ہوگا خواہ ایک جیسا ہو یا الگ الگ وہ سب حق ہوگا، اور مجتہدین کو اللہ کے یہاں سے اجر ملے گا، اور ان کے مستخرج احکام احکام شرعیہ کہلائیں گے اور ان پر عمل کرنا شریعت پر عمل کرنا ہوگا، اس وجہ سے تمام مجتہدین برحق ہیں، اور تمام فقہیں برحق ہیں، اور ہر مذہب برحق ہے، البتہ یہ ضروری ہے اجتہاد کرنے والا صاحب صلاحیت ہو اور اس میں اجتہاد کی شرطیں پائی جاتی ہوں، غیر مقلدین کی طرح جاہل ہو کر بھی اجتہاد کرنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اس کا صحیح فیصلہ بھی غلط اور غیر شرعی ہوگا۔ جس طرح بلا تحری نماز پڑھنے والا اگرچہ قبلہ رخ نماز پڑھے اس کی صحیح سمت کی نماز بھی غلط اور غیر شرعی ہوگی، اس لئے کہ اس نے خلاف حکم شرع نماز پڑھی۔

اس رسالہ کے کچھ حصہ پر ہمارے اس سرسری تبصرہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس کی قدر وقیمت کیا ہے، جس کو بڑے شوق سے اہل حدیث اکیڈمی مئو ناتھ بھنجن نے شائع کیا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد ابوبکر غازی پوری

ایک ہی مسئلہ میں فقہاء احناف کے مختلف اقوال ہوں تو کس پر عمل ہوگا

خط اور اس کا جواب

مکرمی ومحترمی حضرت مدیر زمزم دام مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

چند ہفتہ قبل بمبئی کا سفر ہوا تھا، وہاں جگہ جگہ زمزم کا چرچا تھا چند گھنٹے غیر مقلدین کی ایک مسجد میں رہنے کا اتفاق ہوا، زمزم کا نیا شمارہ (نمبر ۳ جلد ۳) وہاں کچھ لوگوں کے ہاتھ میں تھا، پڑھ رہے تھے اور آپس ہی میں خوب الجھ رہے تھے، ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ زمزم نے غیر مقلدین کے ذہنوں کو بھی جھنجھوڑنا شروع کر دیا ہے۔

مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ احناف کی فقہ میں ایک ہی مسئلہ میں تین تین قول ملتا ہے، مثلاً، امام صاحب کا قول کچھ ہوتا ہے، امام ابو یوسف کا قول کچھ ہوتا ہے اور امام محمد کا قول کچھ ہوتا ہے، اب کوئی کس پر عمل کرے؟ براہ کرم اس بارے میں کچھ تحریر فرمائیں۔

والسلام — خادم

نصیر الدین اعظمی۔ پونہ

زمزم! اس طرح کے سوالات غیر مقلدین فقہ حنفی سے بدظن وبدگمان کرنے کیلئے کرتے ہیں۔ فقہ حنفی میں جہاں ایک ہی مسئلہ میں دو تین قول ملتے ہیں وہیں کسی ایک قول کے بارے میں لکھا ہوتا ہے کہ اس پر فتویٰ ہے جس کو فقہ کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ یہ قول مفتی بہ ہے، پس اختلاف کی شکل میں اسی قول پر عمل کیا جائے گا جو مفتی بہ ہوگا۔

مرض ایک ہوتا ہے اور ڈاکٹروں کا نسخہ الگ الگ ہوتا ہے، یہ دیکھ کر ایک ہی مرض میں ڈاکٹروں کی الگ الگ رائے ہے کوئی علاج کرانے سے بھاگتا نہیں ہے، جس ڈاکٹر کے نسخہ پر زیادہ اعتماد ہوتا ہے مریض اس کے مطابق علاج کراتا ہے۔

جو مسائل اجتہادی ہوں گے ان میں فکر ونظر کا اختلاف ہوگا۔ سب کی رائے ایک نہیں ہو سکتی ہے، البتہ ماہرین شریعت اور اصحاب علم غور وفکر کے بعد کسی ایک کو ترجیح دیں گے تو ہم جیسے لوگوں کو ان کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے اسی قول کو اختیار کرنا ہوگا۔

فقہ حنفی میں اس بات کا بطور خصوص التزام کیا گیا ہے کہ مفتی بہ اقوال اور غیر مفتی بہ اقوال کی صراحت کر دی گئی ہے، اس وجہ سے فقہ حنفی پر عمل کرنے میں کسی قسم کی ذہنی الجھن پیش نہیں آتی ہے۔

یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہو گیا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ غیر مقلدین جب اس طرح کے سوالات کرتے ہیں تو ان کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے، وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ دیکھو خود احناف فقہاء میں ایک ہی مسئلہ میں کتنا اختلاف ہے، اور فقہ کی کتابیں اس طرح کے اختلاف سے بھری ہیں تو اب ایسی فقہ کا کیا اعتبار، کیوں نہ براہ راست کتاب وسنت سے مسئلے معلوم کر لئے جائیں یعنی غیر مقلدین اس قسم کے سوالات قائم کر کے عوام میں فقہ اور فقہاء سے بدگمانی پیدا کرتے ہیں۔

لیکن ان مسکینوں کو پتہ نہیں ہے کہ فقہ میں جتنا اختلاف ہے اس سے کہیں زیادہ اختلاف حدیث میں ہے، اگر آدمی ماہرین کا فیصلہ نہ قبول کرے صرف اختلاف دیکھ کر گھبرا جائے تو ہزاروں حدیثوں کو چھوڑنا پڑے گا، فقہاء کا اختلاف تو نظری چیزوں میں ہوتا ہے یعنی ایسی جگہوں پر جہاں غور وفکر اور عقل ورائے کی ضرورت پڑتی ہے، اور فکر ورائے والی چیزوں میں اختلاف کا پیدا ہونا فطری بات ہے مگر محدثین جو احادیث نقل کرتے ہیں اور جن سے احادیث نقل کرتے ہیں ان کا تعلق صرف نقل روایت سے ہوتا ہے، رائے اور عقل کا دخل نہیں ہوتا، اس کے باوجود محدثین کے اقوال اور ان کی احادیث میں اتنا اختلاف ہوتا ہے کہ احادیث اور ان سے متعلقہ فنون کی کتابیں مثلاً اسماء الرجال اور اصول حدیث

وغیرہ کی کتابیں اختلافات کا جنگل نظر آتی ہیں، مگر غیر مقلدین کو فقہاء کا اختلاف تو قابلِ اعتراض نظر آتا ہے لیکن محدثین کے اختلافات کا جنگل ان کو نظر نہیں آتا، مثلاً اسی بات کو لیجئے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف انتقال کے وقت کتنے سال کی تھی؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ کی عمر ساٹھ سال کی تھی، (توفاہ اللہ علی رأس ستین سنۃ) اور حضرت انس رضی ہی کی دوسری حدیث میں ہے کہ آپ کی عمر ترسٹھ سال کی تھی۔ (توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن ثلاث وستین سنۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی عمر شریف باسٹھ سال کچھ مہینہ کی تھی۔ (وتوفی وھو ابن ثنتین وستین سنۃ وأشھر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ساٹھ سال کی تھی (وتوفی وھو ابن ستین سنۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پینسٹھ سال کی تھی۔ توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن خمس و ستین سنۃ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت اس طرح کی ہے اور انھیں سے ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی عمر شریف ترسٹھ سال کی تھی۔ قبض وھو ابن ثلاث وستین سنۃ (۱)

غرض آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے بارے میں کوئی ایک قطعی بات نہیں ہے کہ آپ کی عمر وفات کے وقت کتنے سال کی تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، ساٹھ سال، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے باسٹھ سال، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے باسٹھ سال کچھ مہینے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے ترسٹھ سال اور بعض روایات سے

---

(۱) تفصیل کیلئے حافظ ابن عبدالبر کی کتاب التمہید جلد ثالث ملاحظہ فرمائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پینسٹھ سال کی تھی ۔

کہا جاتا ہے ، اور صحیح کہا جاتا ہے کہ محدثین نے احادیث کے بارے میں بڑی چھانٹ پھٹک کی ہے ، اور اس بڑی چھانٹ پھٹک کا نتیجہ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ محدثین یہ بھی نہیں طے کر پا رہے ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف وفات کے وقت کتنی تھی ۔

کیا اب ان اختلافات سے گھبرا کر احادیث کی کتابوں سے بدگمانی قائم کر لی جائے ، اور محدثین کے بارے میں سوء ظنی کو کام میں لایا جائے ، اور احادیث کا انکار کر دیا جائے ؟ براہ کرم غیر مقلدین فرمائیں تو سہی کہ آخر کیا کیا جائے ۔

ایسی شکل میں عقل سلیم کا فیصلہ ہوگا کہ دیکھو ماہرین کا کیا فیصلہ ہے وہ کیا کہتے ہیں اب فن حدیث کے ماہروں کا جو فیصلہ ہوگا اس کو قبول کیا جائے گا ، یہاں ایرے غیرے نتھو خیرے کی بات نہیں چلے گی ۔ تو اب سنئے کہ علم حدیث کے ماہروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے ، وہ فیصلہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر وفات کے وقت ترسٹھ سال کی تھی ۔ حافظ ابن عبد البر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کرتے ہیں ۔

عن عائشۃ : قالت توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن ثلاث و ستین یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آپ کی وفات کے وقت ترسٹھ سال کی تھی ۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں ۔ ھذا اصح شیٔ جاء فی ھذا الباب یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر کے بارے میں یہ سب سے صحیح بات ہے ۔[1]

جس طرح سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے بارے میں مختلف احادیث کے پیش نظر مختلف باتیں سامنے آئیں اور متعدد اقوال پیدا ہوئے مگر ان متعدد و متعارض

بقیہ ص۵۰ پر

(۱) التمہید ص ۲۵/۳۷

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

اللہ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ دیوبندیوں کا ہے اور یہ عقیدہ باطل ہے

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی۔ آج کل بازار میں ایک زبردست کتاب آئی ہے، جس نے لوگوں میں بڑی ہلچل مچادی ہے، تبلیغیوں کا اس کتاب نے ناک میں دم کر رکھا ہے، دیوبندی جماعت منہ کے بل گرتی چلی جارہی ہے۔

باپ۔ بیٹا۔ دیوبندیوں اور تبلیغیوں کے خلاف بریلوی علماء بازادگرم کئے رہتے ہیں، یہ کتاب بھی کسی بریلوی عالم کی تصنیف ہوگی۔

بیٹا۔ نہیں اباجی۔ یہ کتاب کسی بریلوی عالم کی نہیں ہے، یہ ہماری جماعت کے ایک بہت بڑے علامہ کی ہے، اس کتاب میں تبلیغیوں اور دیوبندیوں کے باطل عقائد و افکار کا بہت تفصیل سے اور حوالے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو لندن میں انٹرنیٹ کے ذریعہ بھی ساری دنیا کے مسلمانوں کو پڑھوایا جارہا ہے۔

باپ۔ اس کتاب کے مصنف کا نام کیا ہے۔

بیٹا۔ اباجی۔ نام ان کا بڑا لمبا چوڑا ہے، علامہ اور پی ایچ ڈی وغیرہ کے حذف کے بعد ان کا نام ہے ابوالوفا محمد طارق عادل خاں، یہ رہنے والے پاکستان کے ہیں

لندن میں کھدائی کا کام کرتے ہیں۔

باپ ۔ بیٹا، یہ کس چیز کی کھدائی کرتے ہیں۔

بیٹا ۔ یہ تبلیغی جماعت کی کھدائی کرتے ہیں، دیوبندی جماعت کی کھدائی کرتے ہیں، اس کتاب میں ان کا فن کھدائی پورے عروج پر ہے، ہماری جماعت میں ان کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔

باپ ۔ بیٹا، اس کتاب کی کوئی ایک بات سناؤ ہمارے اس لئیے چوڑے نام والے عالم فاضل صاحب نے ضرور اس کتاب میں اپنی تحقیقات عالیہ کا شاہکار پیش کیا ہوگا۔

بیٹا ۔ ابا جی ان کی ایک مزیدار تحقیق سنیئے، چونکہ اللہ کو حاضر و ناظر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بذاتہ ہر جگہ موجود ہے، جو ایک غلط عقیدہ ہے اسلئے ۔

٭ جو لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے حاضر و ناظر کا نام استعمال کرتے ہیں اس کی بنیاد دراصل اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کے عقیدہ پر ہے جو کہ مسلک دیوبند کے فاسد عقائد میں سے ایک ہے، اس عقیدہ کی تائید تبلیغی نصاب میں موجود زکریا صاحب کے بیان کردہ ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ ص۵۹

(تبلیغی جماعت کے افکار و عقائد)

باپ ۔ بیٹا، مگر اللہ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ تو تمام اہلسنت والجماعت کا ہے ۔ اس کا انکار کرنا تو بڑی ضلالت کی بات ہے۔

بیٹا ۔ ابا جی ۔ ہر جگہ حاضر و ناظر اہلسنت کا خدا ہوتا ہے، ہمارے سلفی فرقہ کا خدا ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہے، بلکہ وہ صرف عرش پر ہے، عرش ہی اس کی جگہ ہے، عرش کے علاوہ وہ اور کہیں نہیں ہے۔

باپ ۔ بیٹا مگر قرآن میں تو صاف صاف هو اللّٰه فى السّمٰوات والارض بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تمام آسمان اور زمین میں ہر جگہ موجود ہے۔ اور قرآن ہی میں ہے وَلِلّٰهِ المشارق والمغارب فاينما تولوا فثم

وجہ اللہ ۔ اس سے بھی تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی ہمارے سلفی علماء نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ قرآن میں جو کچھ بھی ہو ہمیں اس سے مطلب نہیں ہے ہم کو صرف اس سے مطلب ہے کہ خدا بس عرش پر ہے اور کہیں نہیں ہے، خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا تبلیغیوں اور دیوبندیوں کا عقیدہ ہے ۔ دیوبندیوں کا خدا ہر جگہ ہے، ہمارا خدا ہر جگہ نہیں ہے ۔

اباجی یہ تو ہمارے سلفی علماء کی شاندار تحقیق ہے، البانی والی، ابن باز والی تحقیق، آپ کا اس تحقیق پر اور خالص سلفی عقیدہ پر سر دھننے کا جی نہیں چاہتا ۔

باپ ۔ نہیں بیٹا

بیٹا ۔ کیوں اباجی

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا وہ حصہ جو آپ کے جسد مبارک سے لگا ہوا ہے وہ عرش و فرش ہر چیز سے افضل ہے ۔ غلط ہے

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی، وہ بڑے مولانا ابوالوفا محمد طارق عادل خاں کا نام تو آپ نے سنا ہوگا ۔

باپ ۔ جی بیٹا، ہماری جماعتِ سلفیہ کے بڑے دھاکڑ قسم کے علامہ ہیں، انکی کتاب تبلیغی جماعت کے عقائد و نظریات والی انٹرنیٹ پر آگئی ہے ۔ اس نے دھوم مچا رکھی ہے، لندن کے در و دیوار عادل خاں زندہ باد کا نعرہ لگا رہے ہیں، اس کتاب نے دیوبندیوں اور تبلیغیوں کی مٹی پلید کر دی ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی ۔ یہ بتلائیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک جس جگہ سے لگا ہوا ہے اس جگہ کی کوئی فضیلت ہے کہ نہیں ؟

باپ ۔ بیٹا وہ جگہ تو عرش و فرش ہر جگہ سے افضل ہوگی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ تو یہی ہے۔

بیٹا ۔ اباجی، یہ تو اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ ہم لوگوں کا یعنی سلفی جماعت کا کیا عقیدہ ہے ؟

باپ ۔ اگر ہم اپنے کو اہلسنت والجماعت میں سے شمار کرتے ہیں تو ہمارا بھی یہی عقیدہ ہونا چاہئے۔

بیٹا ۔ اباجی، ہمارے ابوالوفا محمد طارق عادل خاں تو فرماتے ہیں کہ :

"یہ بہت بڑا دعویٰ اور عظیم جرأت ہے جو زکریا صاحب نے کی ہے .....
پس قبر کی جگہ کا کعبہ و عرش کرسی سے افضل ہونا کھلی مبالغہ آرائی ہے، اور بالبداہت غلط ہے "

باپ ۔ بیٹا ۔ اگر یہ غلط ہے تو پھر صحیح کیا ہے ؟ کیا یہ کسی مسلمان میں جرأت ہے کہ وہ یہ کہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک سے لگی جگہ سے افضل عرش اور کرسی ہے ؟

بیٹا ۔ اباجی ہمارے علامہ صاحب تو یہی سمجھانا چاہتے ہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک اتنا مبارک نہیں ہے کہ اس سے لگی ہوئی جگہ عرش اور کرسی سے افضل ہو جائے، عرش اور کرسی کا مقام اس جگہ سے بہت افضل ہے، اسلئے کہ عرش پہ خدا بیٹھا ہے، تو خدا کے بیٹھنے کی جگہ سے کوئی جگہ افضل کیسے ہو سکتی ہے۔ دیکھئے وہ خود فرماتے ہیں :

" یہ بات اس عقیدے کی بھی غماز ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی نہیں ہے اگر وہ عرش پہ ہوتا تو اس کے عرش سے افضل کوئی چیز نہیں ہوتی " صفحہ

باپ ۔ بیٹا یہ شخص تو ہماری جماعت کا دشمن معلوم ہوتا ہے، ہماری جماعت میں کسی ابن سبا نے جنم لیا ہے، جو سلفیت کے نام پہ ہماری جماعت کی جڑ کھود رہا ہے، عالم اسلام کو ہمارا دشمن بنا رہا ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی یہی تو اصلی سلفیت ہے، ابن بازوالی اور البانی والی، اب تو ہماری جماعت سلفیہ کے شباب کا زمانہ آیا ہے، معلوم نہیں ہمارے اکابر کہاں سوئے تھے، اسی سلفیت سے دیوبندیوں کی کمر توڑی جائے گی۔ ان کا خانہ ویران کیا جائے گا ۔

باپ - بیٹا مگر میری طبیعت کو اس سلفیت سے ابکائی آتی ہے، اس سلفیت کو دل قبول نہیں کرتا -

بیٹا - اباجی اس دھلی دھلائی سلفیت کے لئے آپ کے دل کا دروازہ کیوں نہیں کھلتا، آپ تو پکے سلفی ہیں -

باپ - اس سلفیت کیلئے میرے دل کا دروازہ نہیں کھل رہا ہے -

بیٹا - کیوں اباجی ؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا -

یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے کچھ بندے اللہ کے مقرب اور مستجابُ الدعوات ہوتے ہیں۔ باطل ہے-

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - اباجی آج صوفی کھٹا کھٹ اور فضیلۃ الشیخ دیوان شاہ حفظہ اللہ میں بڑے زور کا معرکہ گرم ہوا تھا - دونوں نے اپنی آستین چڑھالی تھیں، قریب تھا کہ میاں جی کا میدان کشتی کا اکھاڑہ بن جائے مگر صوفی شکنجبین کے بیچ میں پڑجانے سے معاملہ رفع دفع ہوا -

باپ - صوفی کھٹا کھٹ اور دیوان شاہ یہ دونوں تو اپنی جماعت ہی کے ہیں ان دونوں کے بیچ کس بات پر تکرار اور جھگڑا ہوا -

بیٹا - اباجی، صوفی کھٹا کھٹ کہہ رہے تھے کہ اللہ کے بندوں میں سے کوئی نہ تو اللہ کا مقرب ہوسکتا ہے اور نہ مستجاب الدعوات، اس قسم کا جو عقیدہ رکھے وہ سلفی جماعت سے خارج ہے، اور دیوان شاہ حفظہ اللہ کہہ رہے تھے کہ یہ بات کسی پاگل اور دیوانہ کی ہے۔ اللہ کے بندوں میں مستجاب الدعوات بھی ہوتے ہیں اور مقربین کی بھی جماعت

ہوتی ہے، اسی بات کو لے کر دونوں میں تکرار ہوئی۔

باپ ۔ بیٹا، مگر صوفی کھٹا کھٹ نے ایسی بات کہی کیوں، یہ تو سراسر قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ بعض پراگندہ حال بندے اللہ کے ایسے مقرب ہوتے ہیں کہ اگر خدا پر وہ قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھتے ہوئے ان کی قسم کو پوری کرتا ہے اور ان کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ قرآن میں مقربین کا ذکر بھی ہے۔ سورہ واقعہ کے شروع ہی میں والسابقون السابقون اولٰئک المقربون موجود ہے۔ مقربین بندوں کا انکار تو کھلا ہوا قرآن کا انکار ہے۔

بیٹا ۔ اباجی قرآن و حدیث کی باتیں سب پرانی ہیں، اب ہماری جماعت سلفیہ کے عقائد البانی اور شیخ ابن باز کے اقوال و فتاویٰ کی روشنی میں تیار ہوتے ہیں، اب یہی اصلی سلفیت ہے، دیوبندی جماعت اسی سلفیت سے مار کھائے گی۔ قرآن و حدیث والی سلفیت سے تو دیوبندی جماعت مضبوط ہوجاتی ہے۔

باپ ۔ بیٹا، صوفی کھٹا کھٹ کے اس عقیدہ کی بنیاد کیا ہے، آخر ان کے ہاتھ میں کوئی دلیل بھی ہے ؟

بیٹا ۔ بھی اباجی وہی انٹرنیٹ والا لندنی صحیفہ ابوالوفا محمد طارق عادل خاں والا، انھوں نے اپنے اس صحیفہ میں شیخ زکریا کی فضائل رمضان رسالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

" مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعوات لوگوں کی ایک جماعت تھی، جب کوئی حاکم ان پر مسلط ہوتا بددعا کرتے تو وہ ہلاک ہوجاتا "

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے عادل خاں فرماتے ہیں :

" یہ نظریہ اسی باطل فکر پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے کچھ کو اپنا مقرب بنایا ہے جس کے باعث ان لوگوں کی دعا رد نہیں ہوتی "

بیٹا، اباجی عادل خاں کی اس کھڑکدار سلفیت پر آپ کچھ تو فرمائیں۔

باپ ۔ کچھ فرمایا نہیں جاتا۔

بیٹا ۔ کیوں اباجی ۔

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری قسط ۶

جنوبی افریقہ کا سفر

۱۹ اکتوبر ۔ آج بلوم فنٹین سے جوہانسبرگ کیلئے میری واپسی تھی اور جوہانسبرگ سے
آج ہی مجھے بذریعہ پلین دربن کا سفر کرنا تھا، دس بجے میں بلوم فنٹین ایرپورٹ پہنچ گیا، مجھے
چھوڑنے کیلئے عزیزم مولوی محمد بسم اللہ کے علاوہ علی بھائی، حاجی صابر صاحب، محمد اسحق صاحب
اور بعض دوسرے احباب تھے۔ بڑی محبت سے گلے مل کر ان حضرات نے مجھے رخصت کیا۔ امریکہ
پر گیارہ ستمبر کے حملہ کا اثر ہوائی اڈوں پر بہت نظر آتا ہے، میرے پاس مونچھ بنانے کی
ایک چھوٹی سی قینچی تھی اس کو بھی میرے ساتھ ایرپورٹ کے عملہ نے جانے نہیں دیا، ہاتھ کی
چھڑی کو بھی خوب گھما پھرا کر دیکھا، بہرحال جہاز اپنے وقت پر روانہ ہوا، اور میں تھوڑی ہی
دیر میں جوہانسبرگ ہوائی اڈہ پر تھا، ہوائی اڈہ پر مفتی سعید اور مولوی احمد درویش پہلے ہی
سے موجود تھے جو دربن کا ٹکٹ لے کر آئے تھے۔ میرے ساتھ مولانا بایزید صاحب کو بھی سفر
کرنا تھا وہ بھی اپنے بیٹے مولوی خالد سلمہ، کے ساتھ موجود تھے۔ دربن کیلئے جہاز کو ساڑھے
بارہ بجے چھوٹنا تھا۔ ضروری کاروائی کے بعد میں اور مولانا بایزید صاحب ایرپورٹ کے اندر
چلے گئے اور بقیہ حضرات اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، مولانا بایزید صاحب کے ساتھ سفر بڑا
دلچسپ ہوتا ہے، ہنستے ہنساتے رہتے ہیں، فارسی اور اردو کے اشعار خوب یاد ہیں جھوم جھوم
کے ایک خاص انداز سے پڑھتے ہیں، پان کا سامان ساتھ رہتا ہے، اس کا مزہ لیتے ہوئے سفر
کرتے ہیں، جہاز میں جو ناشتہ ملتا ہے اس کے ساتھ پورا انصاف کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں

کہ ان کا رفیق سفر آرام سے رہے اور وہ اس کا کام خود کریں، اس عمر میں بھی ان کے بدن میں کافی پھرتی اور تیزی ہے، جہاز میں میری سٹ ان سے کچھ فاصلہ پر تھی اور وہ وقفہ وقفہ سے میرے پاس پانی بھیجتے رہتے تھے، ایک گھنٹہ میں ہم دربن ایرپورٹ پہنچ گئے جہاں میرے عزیز شاگرد مولوی عبدالصمد ڈیسائی[1] اور مولوی مفتی عبدالجلیل[2] ہم کو لینے کے لئے ایرپورٹ پر موجود تھے۔

---

(۱) مولوی عبدالصمد زمانۂ ڈابھیل کے میرے شاگرد ہیں، یہ میرے ان شاگردوں میں سے ہیں جن کو مجھ سے بہت تعلق تھا، الحمدللہ انھوں نے بڑی محنت اور شوق سے اپنی تعلیم مکمل کی۔ افتا کا کورس بھی کیا، اور اس وقت دربن کے مشاہیر اور کبار علماء میں ان کا شمار ہے دربن شہر سے کچھ فاصلہ پر PETERMARITZBURG نامی ایک جگہ ہے مولوی عبدالصمد اسی جگہ رہتے ہیں، یہاں کی مسجد کے امام اور خطیب ہیں اور کئی ایک مدرسہ بھی چلاتے ہیں۔ ان کے گھر سے قریب ہی اسلامیہ مسلم اسکول کے نام سے ایک اسکول ہے جو پانچ سال قبل ہی قائم ہوا ہے، اس کے بانی و مہتمم مولوی عبدالصمد ڈیسائی ہیں، حبشیوں میں ان کی تعلیم کے لئے بھی یہ دو مدرسہ چلاتے ہیں، بچوں کا الگ اور بچیوں کا الگ، میں نے محسوس کیا کہ دربن اور اس کے اطراف میں مفتی عبدالصمد ڈیسائی کا بہت اثر ہے اور ان کے قدرداں حضرات کی بہت بڑی تعداد ہے۔

(۲) مفتی عبدالجلیل صاحب دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہیں، حضرت مولانا طاہر صاحب کلکتہ جو حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ ان کے داماد ہیں، بہت دنوں سے ساؤتھ افریقہ میں رہ رہے ہیں، اور یہاں انھوں نے اپنا ایک مقام بنالیا ہے۔ خود ایک مدرسہ چلاتے ہیں اور ایک مدرسہ میں پڑھاتے بھی ہیں۔ حضرت مولانا بایزید کے ساتھ حضرت مولانا طاہر صاحب کے واسطے سے گھر جیسا تعلق ہے۔

آج مفتی عبدالجلیل کے مدرسہ میں سال کا اختتامی جلسہ تھا، اس میں ہم لوگوں کو شریک ہونا تھا۔ اس وجہ سے ہم سب مفتی عبدالجلیل کے گھر پہونچے اور وہاں ظہر کی نماز ادا کی پھر کھانا کھایا گیا، اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ہم مفتی عبدالجلیل کے ہمراہ ان کے مدرسہ پہونچے جہاں مجھے عصر بعد تقریر کرنی تھی، شہر سے بہت دور ایک سنسان سے علاقہ میں یہ چھوٹے بچے اور بچیوں کا مدرسہ ہے، مگر جب پہونچے تو پچاسوں گاڑیاں کھڑی نظر آئیں، اور اچھا خاصا مجمع تھا، میں نے بیس منٹ تقریر کی جس کا انگریزی میں ایک صاحب نے ترجمہ کیا، تقریر کا موضوع اصلاحی تھا، تقریر سے فارغ ہوکر میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب جو پاکستان سے منتقل ہوکر ساؤتھ افریقہ میں آبسے ہیں ملنے آئے اور بڑے تپاک اور محبت سے ملے، پھر فرمایا کہ یہ معلوم کرکے آپ غازی پور کے ہیں میں آپ سے ملنے کا مشتاق تھا، پھر بتلایا کہ وہ بھی اصلاً غازی پور کے ہیں، ان کا خاندان پاکستان ہجرت کرکے چلا گیا تھا، غازی پور شہر کے مشہور آنکھ کے ڈاکٹر ڈاکٹر عبدالرحیم انصاری کے رشتہ داروں میں تھے۔ یہ صاحب بڑی دیر تک میرے پاس بیٹھے رہے اور غازی پور کی یاد تازہ کرتے رہے، افسوس میں ان کا نام بھول گیا، جلسہ مغرب سے قبل ختم ہوچکا تھا اور یہیں تمام حاضرین کے لئے کھانے کا نظم تھا۔ مغرب بعد فوراً کھانا کھایا گیا اور مولانا بایزید کو تو مفتی عبدالجلیل کے گھر رہنا تھا، اس لئے وہ یہیں رک گئے اور میں عزیزم مولوی عبدالصمد کے ہمراہ ان کی گاڑی پر ان کے شہر کیلئے روانہ ہوا۔ چونکہ ہم کھانے سے فارغ تھے اس لئے مولوی عبدالصمد نے کہا کہ ڈربن شہر کی کچھ سیر ہوجائے تو اچھا ہے۔

جنوبی افریقہ کا ڈربن شہر اپنی ستھرائی اور شاندار سڑکوں اور سبزہ پوش پہاڑیوں اور ساحل سمندر واقع ہونے کی وجہ سے بہت خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔ ساحل سمندر پر جاؤ تو ممبئی کی چوپاٹی کا نقشہ پیش کرتا ہے، ہم لوگ جب ساحل سمندر پر پہونچے تو ہلکی ہلکی پھوار پڑرہی تھی، انتہائی خوش کن موسم تھا، سمندر حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا اور اپنی چیخ و پکار سے فضا کی سنسناہٹ کو دور کررہا تھا، بہت سے بڑے بڑے جہاز جو باہر سے سامان سے لدے آئے تھے، مختلف جگہوں پر کھڑے تھے۔ ایک جگہ سمندر کے اندر دور تک پل بنا ہوا تھا اس پر ہم لوگ چلتے رہے، دیکھا کہ بہت

سے لوگ جگہ جگہ مچھلی کے شکار کا سامان لئے ہوئے مچھلی کا شکار کر رہے ہیں، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک ہم نے اس شہر اور سمندر کی سیر کی پھر مولوی عبدالصمد کے شہر بزبرگ آگئے، یہ شہر دربن سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ہے، مولوی عبدالصمد اپنے گھر کے ایک حصہ میں جہاں بیت الخلاء وغیرہ کا الگ سے نظم تھا میرا کمرہ مخصوص کیا تھا اس سے بڑا آرام تھا، الحمدللہ رات آرام سے گذری۔

آج کا پورا دن سیر و تفریح کیلئے تھا، ناشتہ کے بعد ہم جنگل کی سیر کو نکل گئے، جنگل میلوں میں پھیلا ہوا تھا، راستہ بھی ناہموار تھا، مگر مولوی عبدالصمد بہت سنبھل کر گاڑی چلارہے تھے، جنگل میں کوئی خاص جانور نظر نہیں آیا، ایک جگہ صرف جنگلی ہاتھیوں کا ایک جھنڈ نظر آیا، جنگل کے ہاتھی کو اتنے قریب سے دیکھنے کا یہ پہلا اتفاق تھا، ڈیڑھ دو گھنٹہ کی تفریح کے بعد دربن شہر کے اس حصہ میں گئے جہاں ایک پہاڑی سے پورا دربن شہر نظر آتا ہے، یہاں کا منظر بہت صورت، ایک پہاڑی سے آبشار بڑی ہولناک آواز کے ساتھ بہہ رہا تھا، معلوم ہوا کہ یہاں خودکشی کا کوئی نہ کوئی حادثہ آئے دن پیش آتا رہتا ہے۔ مایوس آدمی زندگی سے تنگ ہوکر بڑی آسانی سے یہاں جان دے دیتا ہے۔

دوپہر سے پہلے ہم لوگ گھر واپس آگئے، اور کھانا کھا کر کچھ آرام کر کے مولوی عبدالصمد کے فارم پر گئے، ساتھ میں ان کے بہنوئی یعقوب بھی تھے، جو بہت ہنس مکھ اور دلچسپ آدمی ہیں، مولوی عبدالصمد کے والد نے یہ فارم کسی انگریز سے خریدا تھا۔ بہت بڑے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے، سامنے ایک جھیل ہے جس میں مچھلی کا شکار خوب ہوتا ہے، اتنا بڑا فارم جھیل کے کچھ حصہ کے ساتھ مولوی عبدالصمد کے والد نے صرف تین لاکھ رین میں خریدا تھا جب کہ اس کی قیمت ہندوستان کے کسی معمولی شہر میں بھی کروڑوں سے کم میں نہ ہوگی، یہاں مولوی عبدالصمد کے گھر کے سبھی افراد آگئے تھے، ایک جشن کا ماحول پیدا ہوگیا، بڑی اچھی تفریح رہی، مغرب کی نماز یہیں پڑھی گئی اور پھر گھر واپس آگئے، رات آرام سے گذری۔

۲۱ / اکتوبر۔ آج کیپ ٹاؤن جانا تھا، جہاں مدرسہ النعامیہ کیپ ٹاؤن میں مجھے مسلم شریعت

ختم کرائی تھی، مدرسہ انعامیہ[1] میں مفتی عبدالصمد پڑھاتے بھی ہیں، ہم لوگ ناشتہ کے بعد کمپرڈائن پہونچ گئے جہاں مولانا محمود مدنی اور طلبہ ہمارے منتظر تھے، یہاں مسلم شریف ختم کرائی اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ فقہی مسائل پر تقریر کی، جس کو حاضرین اور طلبہ نے بہت دلچسپی سے سنا میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے، یا آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے یا نماز میں رفع یدین ہی سنت ہے تو حضرت امام مالک کا مذہب اس کے خلاف کیوں ہے، وہ ان تمام مسائل میں احناف کے ساتھ ہیں، جب کہ معلوم ہے کہ اہل مدینہ کے عمل کی امام مالک کے یہاں بڑی اہمیت تھی، اس سے پتہ چلا کہ مدینہ منورہ میں اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والوں کا عمل قرأت خلف الامام اور آمین بالجہر اور رفع یدین کا نہیں تھا ورنہ امام مالک اس کے خلاف مذہب اختیار نہ کرتے، میری اس بات سے طلبہ بہت مطمئن ہوئے، یہاں سے فراغت ہوئی تو دوپہر کا کھانا مولانا محمود مدنی کے گھر کھا کر عصر تک آرام کیا گیا، عصر بعد مولوی عبدالصمد ڈیسائی کے گھر آگئے، رات کا کھانا مولوی احمد موٹا کے والد کے گھر ہوا، یہ بھی میرے شاگرد ہیں اور مولوی عبدالصمد کے پڑھنے کے ساتھیوں میں سے ہیں۔

---

(۱) مدرسہ انعامیہ کے مہتمم مولانا محمود مدنی ہیں، مولانا محمود مدنی کے والد کا تعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے تھا، اس وجہ سے مولانا محمود کو بھی خاندان مدنی سے بہت تعلق ہے، مدرسہ انعامیہ ۱۹۹۲ء میں قائم ہوا، اس نے مولانا محمود مدنی کے اہتمام میں بڑی تیزی سے ترقی کی، اس وقت اس میں دورہ تک کی تعلیم ہوتی ہے، بیس اساتذہ کام کرتے ہیں ایک سو تیس عربی کے طلبہ ہیں۔

مولانا محمود جو اس مدرسہ کے بانی و مہتمم ہیں نوجوان فاضل ہیں، پاکستان کے دارالعلوم فیصل آباد کے فارغ ہیں، اور بہت سرگرم اور فعال آدمی ہیں۔

مولانا محمود مدنی کو تھوڑی دیر میں مجھ سے بہت مناسبت ہو گئی تھی، اور پھر ڈربن میں جب تک رہا، ان کی کرم فرمائیوں سے محظوظ ہوتا رہا۔

آج عشاء بعد مولوی عبدالصمد ڈیسائی کی مسجد میں میری تقریر تھی۔ شعبان کی پندرہویں شب تھی، مسجد میں بہت سے لوگ جمع تھے، اردو جاننے والے میرے سامنے تھے اور مسجد کے پچھلے حصہ میں وہ لوگ تھے جو اردو نہیں سمجھ پاتے ان کے لئے ترجمہ کا انتظام تھا۔ ایک گھنٹہ سے زیادہ تقریر ہوئی، موضوع خالص اصلاحی تھا، لوگوں نے بڑی توجہ سے سنا اور الحمدللہ تقریر کا کافی اچھا اثر رہا۔ تقریر کے بعد دیر تک مصافحہ کا سلسلہ چلا پھر مولوی عبدالصمد کے گھر بہت سے لوگ جمع ہوئے جہاں رات دیر تک مختلف قسم کی علمی و اصلاحی گفتگو ہوتی رہی اور ساتھ ہی آئس کریم اور فروٹ کا دور بھی چلتا رہا۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے یہ مجلس ختم ہوئی اور ہم لوگ آرام کرنے کیلئے اپنے اپنے بستر پر چلے گئے۔

۲۲ر اکتوبر۔ آج صبح کا ناشتہ مولانا محمود مدنی کے یہاں کرنا تھا، ناشتہ میں مولوی عبدالصمد بھی تھے، ناشتہ کے بعد یہ اپنے گھر چلے گئے اور میں مولانا محمود مدنی کے ہمراہ ریسنگ آگیا یہاں مجھے مفتی عبدالجلیل کے مدرسہ میں تقریر کرنی تھی، ایک گھنٹہ کے قریب بیان ہوا، یہاں بھی موضوع اصلاحی تھا۔ تقریر کے بعد دوپہر کا کھانا مولانا عبدالجلیل کے مدرسہ کے استاد کے گھر ہوا، یہاں مولانا بایزید بھی موجود تھے۔ ان کی وجہ سے طبیعت میں بڑا انشراح تھا، بہت سے علماء بھی شریکِ طعام تھے، بڑی علمی و پربہار مجلس رہی، کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرکے ہم لوگ اسٹنگر کیلئے نکلے یہاں ایک عربی مدرسہ ہے جس کے طلبہ و اساتذہ سے مجھے عصر بعد خطاب کرنا تھا، اس جلسہ میں تقریباً سبھی اردو جاننے والے تھے، اور زیادہ تر علماء تھے، ان کے سامنے سلفیت کے فتنہ کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ عشاء بعد اسی شہر کی جامع مسجد میں آدھ گھنٹہ میرا بیان ہوا، چونکہ مجمع میں عوام زیادہ تھے اس وجہ سے بیان کا موضوع اصلاحی تھا، بیان سے فراغت کے بعد مولانا محمود مجھے لیکر مولانا عبدالصمد ڈیسائی کے شہر ان کے گھر چھوڑ گئے، مجھے گاڑی ہی میں نیند آگئی تھی جب مولوی عبدالصمد کے مکان پر پہنچ گئے تو ان کے جگانے سے میری آنکھ کھلی، اور مجھے ایک گھنٹہ کا سفر محسوس بھی نہیں ہوا۔

۲۳ر اکتوبر۔ پیٹرمرتز برگ میں ایک بزرگ حاجی یوسف محمد بھائی ہیں، یہ حضرت

مفتی محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ کے خاص لوگوں میں سے ہیں اور اس شہر کے بڑے تاجر ہیں،
مولوی عبدالصمد کی مسجد میں جس روز میری تقریر تھی اس میں یہ بھی شریک تھے، اسی وقت
سے ان کو میرے ساتھ خاص تعلق ہو گیا تھا، اور انھوں نے اور ان کے صاحبزادہ نے بڑے اصرار
سے اپنے گھر مدعو کیا تھا۔ پروگرام میں گنجائش نہیں تھی مگر وہ ہمیں چھوڑنے کیلئے کسی طرح تیار
نہیں تھے۔ اسلئے آج صبح کا ناشتہ ان کے گھر کرنے کا وعدہ کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ میں اور مولوی
عبدالصمد ناشتہ کے وقت حاجی صاحب کے گھر پہونچ گئے، وہاں ناشتہ بہت پُرتکلف تیار
تھا۔ حاجی صاحب بہت نیک اور سادہ مزاج آدمی ہیں اور دو خوب سمجھتے ہیں، حاجی صاحب
ہی کی دوکان میں مولوی عبدالصمد کے بہنوئی جنرل منیجر کے عہدہ پر کام کرتے ہیں، پوری دوکان وہی
سنبھالتے ہیں۔ ناشتہ کے بعد حاجی یوسف محمد بھائی اپنی دوکان پر دعا کرانے لے گئے، یہاں سے
ہم فارغ ہوئے تو حسب پروگرام مولوی عبدالصمد کے ساتھ مولانا محمود مدنی کے مدرسہ گئے تاکہ ان کو
لے کر دربن شہر کے کچھ مقامات کی سیر کو نکلیں، آج کا دن محض سیر و تفریح کیلئے مخصوص کیا گیا تھا، اور
آج ہی چار بجے جہانسبرگ کیلئے بذریعہ پلین میری روانگی تھی۔

ہم لوگ دربن شہر گیارہ بجے پہونچ گئے تھے سب سے پہلے دربن شہر کی مشہور علمی و دینی
شخصیت دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل مولانا محمد عمر جی سے ملنے گئے، مولانا بہت معذور
ہیں شوگر کے مرض نے ان کا پاؤں تقریباً کھا لیا ہے، مولانا میرے مضامین کے ذریعہ جو الجمعیۃ
میں چھپتے رہے واقف تھے، بڑے تپاک سے ملے اور نہایت فصیح اردو میں گفتگو کی، مولانا کی
معذوری و بیماری اور وقت کی تنگی کے پیش نظر تھوڑی دیر بیٹھ کر ہم لوگ رخصت ہو گئے،
پھر دربن شہر کا مچھلی گھر دیکھنے گئے یہ لب سمندر واقع ہے، اندر جانے کیلئے بیس رینڈ کی ٹکٹ
دینا پڑتا ہے۔ یہ مچھلی گھر قدرت کی صناعیوں کی تماشا گاہ ہے، سیکڑوں رنگ برنگ کی
چھوٹی بڑی مچھلیاں دیکھنے کو ملیں، بعض مچھلی تو اتنی خوبصورت تھی ان کی پروں پر ایسے حسین و
جمیل نقش و نگار بنے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ان کو پکڑ کر ان پر نقش و نگاری کی ہے،
یہیں شارک اور وھیل مچھلی بھی دیکھنے کو ملی، یہ بھی دیکھا گیا کہ شارک مچھلی کو کس طرح کھانا کھلایا

جاتا ہے اور اس کیلئے کتنا خطرہ مول لینا پڑتا ہے، ایک مچھلی کو دیکھا کہ اس کی دو مونچھ بالکل تلوار کی شکل کی ہے، ایک ایک مونچھ ڈیڑھ گز سے کم نہ رہی ہوگی، سب سے دلچسپ تماشا اس دو قسم کی مچھلیوں کا تھا جن کو انگریزی (DOLPHIN) ڈولفن اور (SEAL) سیل کہا جاتا ہے، ان کا تماشا بارہ بجے شروع ہوا اور پونے ایک بجے ختم ہوا، ایک بڑے حوض کے پاس اسٹیڈیم نما ایک جگہ تھی جس پر کرسیاں لگی ہوئی تھیں، وقت سے پہلے سب لوگ یہاں جمع ہو گئے، ٹھیک بارہ بجے باجے کی دھن بجی، پھر ایک لڑکی نے حوض کے پاس کھڑے ہو کر مخصوص آواز میں ایک گانا گایا، اتنے میں سیل جو ایک تندرست سال بھر کے بکرے کے برابر تھی وہ پانی میں چھلانگ لگاتی ہوئی باہر آئی، اور جب اس لڑکی نے اس کے کان میں کچھ کہا تو اس نے سب کو سلام کیا، پھر اس نے اس کے کان میں کچھ تو وہ ناچنے لگی، پھر اسکے کان میں کچھ کہا تو تالی بجانے لگی، اتنے میں دوسری قسم والی ڈول فین دو عدد اچھلتی کودتی پانی میں آئی، یہ دونوں قسم کی مچھلیاں انسانی بولی سمجھتی ہیں، اور جو ان کے کان میں کہا جاتا ہے اسی کے مطابق ان کا کھیل ہوتا ہے، بلوفین مچھلی ایک موٹے بڑے ستون کے برابر تھی کئی من کی رہی ہوگی بڑی مچھلی کو ایک کالا لڑکا کور کر رہا تھا، یہ لڑکا جو اس کے کان میں کہتا مچھلی کا کھیل اس کے مطابق ہوتا ہے، ایک دفعہ اس نے لڑکے کے کہنے پر پانی بڑی تیزی سے سارے تماشہ بین پر پھینکا، حوض کے دونوں کنارے پر کافی اونچائی پر دو غبارے لٹک رہے تھے۔ لڑکے کے کہنے پر مچھلیاں الٹی ہو کر اوپر اٹھیں اور اپنی مونچھ سے غبارہ کو مارتیں، کھیل ختم ہونے سے پہلے پھر بڑی زور سے مچھلی نے حاضرین کو پانی سے شرابور کیا اور پھر کھڑے ہو کر سلام کیا، اور اس طرح یہ پون گھنٹے کا نہایت دلچسپ تماشا ختم ہوا۔

ہم اس کے بعد ساحل سمندر آ گئے جہاں بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھایا گیا، مولوی عبد الصمد اور مفتی محمود نے اپنے ساتھ کھانا رکھ لیا تھا۔ کچھ دیر یہاں بیٹھے رہے، پھر ظہر کی نماز ادا کی گئی۔ اور گھومتے پھرتے تین بجے کے قریب دربن ایرپورٹ پہونچے، جہاں مولانا پانڈیہ ہم سے پہلے پہونچ کر ہمارا انتظار کر رہے تھے، مولانا محمود مدنی نے بھی جوہانسبرگ کا پروگرام بنا لیا مگر ان کو

دوسرے جہاز میں سٹ ملی ۔

ایرپورٹ پر جب ہم پہونچے تو میرے ایک شاگرد جن کا نام اسمٰعیل ہے میرا انتظار کر رہے تھے، ان سے دربن میں ملاقات نہ ہو سکی تھی، جس کا انھیں افسوس تھا، اور مجھ سے ملنے ایرپورٹ آگئے، مولانا عبدالصمد نے ہم کو بڑی محبت سے رخصت کیا، ہم جہاز پر آگئے میری سٹ اور مولانا بایزید کی سٹ برابر تھی اس وجہ سے سفر بہت آرام سے کٹا اور ہم ایک گھنٹہ میں جہانسبرگ ایرپورٹ پہونچ گئے جہاں مفتی سعید، مولانا عبدالرحیم اور عزیزی مولوی احمد درویش ہمیں لینے آگئے تھے، مولانا محمود مدنی کا جہاز ہم سے پہلے چھوٹا تھا مگر وہ ہمارے جہاز کے بعد پہونچا، ہم نے ان کا انتظار کیا اور ان کو لے کر ایرپورٹ سے باہر نکلے ۔

آج رات کا کھانا جہانسبرگ ہی میں مفتی سعید کے ایک شاگرد کے گھر تھا۔ اسلئے ہم لوگ ایرپورٹ سے سیدھے ان کے گھر پہونچے، کچھ دیر آرام کیا گیا، مغرب کی نماز پڑھ کر کھانے سے فارغ ہوئے کچھ دیر یہیں رکے رہے، عشاء کی نماز بھی یہیں ادا کی گئی اور پھر آزاد ویل شہر کیلئے نکلے، مولانا بایزید کو ان کی بچی جو آزاد ویل ہی میں رہتی ہے کے گھر چھوڑنا تھا چنانچہ ہم لوگ پہلے مولانا کی بچی کے گھر پہونچے، یہاں سے ہم فوراً روانہ ہونا چاہتے تھے مگر مولانا بایزید اور ان کے داماد نے باصرار کچھ دیر کیلئے روک لیا اور ناشتے پانی کا انتظام کیا، مولانا بایزید صاحب کو لینے مولانا کے چھوٹے لڑکے عزیزم خولید سلمہٗ آگئے ان سے پہلی دفعہ ملاقات ہو رہی تھی بڑے سیدھے سادھے اور صالح نوجوان ہیں، ماں باپ کی خدمت پر کمر بستہ رہتے ہیں، اللہ نے ان کو کاروبار کرنے کا سلیقہ دیا ہے۔ اس وقت ان کا کاروبار اچھی ترقی پر ہے، دو دوکان کے مالک ہیں۔

اب دیر ہو رہی تھی اسلئے ہم لوگوں نے اجازت لی اور مولانا سعید کے گھر آگئے، آج کا پورا دن سفر اور تفریح میں گذرا تھا، آرام کرنے کا موقع بالکل نہیں ملا تھا اس لئے فوراً بستر پر چلا گیا اور آرام کی نیند سویا ۔

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونے والا دوماہی
دینی و علمی مجلہ
زمزم
جلد ۶
شمارہ ۶
ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ
مدیر مسئول ومدیر التحریر
محمد ابوبکر غازی پوری
سالانہ چندہ — ۷۰ روپے
پاکستان کیلئے
پاکستانی ۱۲۰ روپے سالانہ
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ
غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی
پتہ
مکتبہ اثریہ
قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور — یوپی
پن کوڈ: ۲۳۳۰۰۱ - فون نمبر ۲۲۲۵۴۳، ۲۲۱۷۵۷-۰۵۴۸

فہرست مضامین

کتبہ

شمس الحسن اوروی

(اداریہ)

سعودی امیر سلطان بن عبد العزیز کا سلفیوں کے تعلق سے ایک اہم بیان

مکہ مکرمہ میں ہمارے ایک دوست مولانا محمد سعید خاں صاحب دامت برکاتہم ہیں جو رہنے والے پاکستان کے ہیں مگر ایک طویل مدت سے مکہ مکرمہ میں رہ رہے ہیں اور مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے سینیر اور قدیم اساتذہ میں سے ہیں، بہت پختہ علمی استعداد کے مالک ہیں اور اپنی مشہور اور محبوب شخصیت کی وجہ سے مختلف ممالک میں بین الاقوامی اجتماعات اور کانفرنسوں کیلئے مدعو کئے جاتے ہیں۔

مولانا موصوف سے مکہ مکرمہ حاضری کے موقع پر میری ہر دفعہ ملاقات ہوتی ہے بلکہ جب ان کو میری آمد کی اطلاع ملتی ہے تو خود ہی کرم فرماتے ہیں اور ملاقات کے لئے تشریف لاتے ہیں، میری کتابوں کے قدر داں ہیں اور زمزم کے ذریعہ جو دینی خدمت انجام دی جارہی ہے اس کے بارے میں ان کی رائے بہت بلند ہے، سلفیت کے فتنہ سے خوب آگاہ ہیں، اور ذمہ داران مملکت سعودیہ کو اس فتنہ سے آگاہ بھی کرتے رہتے ہیں۔

اب کی دفعہ قبل رمضان مکہ مکرمہ کی مختصر سی حاضری کے موقع پر بھی مولانا موصوف میری آمد کی اطلاع پر میری قیام گاہ پر ملنے تشریف لائے، دوران گفتگو کہنے لگے کہ میں کچھ روز پہلے ایک اجتماع میں شرکت کیلئے لندن گیا تھا، دنیا کے مختلف ممالک سے بہت سے

نمائندے اس اجتماع میں شریک تھے، ایک موقع پر بہت سے حضرات جمع تھے اور بات یہ چلی کہ وقت حاضر کا سب سے بڑا مسلمانوں کیلئے فتنہ کیا ہے؟ تو سب کا بالاتفاق جواب تھا کہ دینی اعتبار سے مسلمانوں کیلئے وقت حاضر کا سب سے بڑا فتنہ موجودہ دور کی سلفیت ہے۔ مولانا موصوف نے بتلایا کہ جتنے حاضرین تھے سب ہی اس فتنہ سے اپنے اپنے ملکوں میں پریشان ہیں، انھوں نے بتلایا کہ ایک صاحب جو امریکہ سے آئے ہوئے تھے وہ بھی اسی فتنہ کو وقت حاضر کا سب سے بڑا فتنہ بتلا رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ دینی کاموں میں سب سے بڑی رکاوٹ ہمارے لئے امریکہ میں یہی سلفیت بنی ہوئی ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب سعودی حکمرانوں کے بھی کان کھڑے ہونے لگے ہیں۔ چنانچہ ابھی کچھ روز پہلے امیر سلطان بن عبدالعزیز کا سعودی اخبارات میں ایک انٹرویو چھپا ہے جس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اب سعودی حکمراں اس فتنہ کے بارے میں چوکنا ہیں، امیر سلطان بن عبدالعزیز نے کھل کر سلفیت کا نام تو نہیں لیا مگر ان کے انٹرویو سے یہی اشارہ ملتا ہے کہ سلفیت کی ریشہ دوانیاں اور فتنہ و فساد کی خبریں ان کے کان میں پڑ چکی ہیں۔ امیر سلطان اپنے اس انٹرویو میں فرماتے ہیں :

نحن نحكم بالقرآن الكريم	ہم قرآن حکیم اور رسالہ محمدیہ کے مطابق
ثم بالرسالة النبوية لا دهابيين	حکومت کرتے ہیں۔ ہم نہ وہابی ہیں نہ نسل
ولا عنصريين ولا متطرفين نحن	پرست ہیں اور نہ انتہا پرست ہیں ہم بس
مسلمون فقط نؤمن بالكتاب	مسلمان ہیں۔ ہمارا ایمان کتاب وسنت پر
والسنة اما اذا كان يتكلم عن	ہے۔ جہاں تک فقہی مذاہب کا تعلق ہے تو عالم
المذاهب فهناك الآن اربعة مذاهب	اسلام میں چار مذہب ہیں۔ حنفی مذہب
في العالم الاسلامي وهذه مذاهب	شافعی مذہب مالکی مذہب اور حنبلی مذہب
اصطلاحية جائت عن طريق علماء	اور یہ مذاہب اصطلاحی ہیں ان علماء کی
ادوا واجبات يعني كل الاربعة	کاوشوں کے نتیجہ میں جنھوں نے اپنی ذمہ داریوں

مذاهب ترجع الى الكتاب والسنة وهى المذهب الحنفى والمذهب الشافعى والمذهب المالكى والمذهب الحنبلى ونحن من ضمن المذاهب المذهب الحنبلى ولكن الوهابى غير موجود۔

کو پورا کیا یعنی سارے مذاہب کی اصل اوران کا مرجع کتاب وسنت ہی ہے۔ اور ہمارا مذہب مذہب حنبلی ہے۔ البتہ وہابی نام کا ہمارے یہاں کوئی مذہب نہیں ہے۔

(روزنامہ الاقتصادیہ ۲۷ر اکتوبر سنہ ۲۰۰۰ء)

اور سال گذشتہ کے اسی اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی۔

منعت وزارة الشئون الاسلامية السعودية المكاتب التابعة لها من اصدار كتب تتضمن ردود على الجمعيات، او الجماعات او الطوائف الاسلامية خصوصًا مايعد منها بلغات الجاليات۔

یعنی سعودی وزارۃ مذہبی امور نے اپنے ماتحت دفتروں کو ایسی کتابوں کے شائع کرنے سے منع کردیا ہے، جس میں دوسری اسلامی تنظیموں جماعتوں اور کسی خاص مکتب فکر والوں کی تردید ہو۔

(روزنامہ الاقتصادیہ ۲۵ر اکتوبر سنہ ۲۰۰۱ء)

اس خبر میں ان اداروں کو ایسی کتابوں کے شائع کرنے سے منع کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے۔

الامر الذى يدفع بهم الى اثارة امور وعصبيات لاتخدم الدعوة الى الله۔

یعنی ان کو اسلئے منع کیا گیا ہے کہ اس طرح کی کتابوں سے تعصب کے جذبات ابھرتے ہیں اور دعوۃ الی اللہ کا کام نہیں ہوتا ہے۔

ان خبروں سے بہرحال اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ سعودی حکمرانوں کے کانوں میں سلفیت کے تعلق سے کچھ باتیں پہنچی ہیں، اور دنیا میں مسلم جماعتوں میں اس پر جو رد عمل ہورہا ہے

اور سعودی گورنمنٹ کے خلاف جو ان کے جذبات ہیں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے وہ اس سے بھی واقف ہیں، اس لئے انھیں اس قسم کے اعلانات کی ضرورت محسوس ہوئی۔

مگر ابن باز نے سعودیوں کی موجودہ نسل میں جو سلفیت کا زہر بویا ہے اور ان سلفیوں کا فتنہ جتنا عام ہو چکا ہے حکمرانوں کے محض اس طرح کے اعلانات سے کام چلنے والا نہیں ہے، ان کو کچھ سخت قدم بھی اٹھانے پڑیں گے، اور بطور خاص سعودیہ کے اندر جامعات میں کام کرنے والا جو طبقہ ہے اس کی لگام کو کسنا ہوگا، اسی طرح سعودیہ کے جامعات و اداروں کے ان مبعوثین کو بھی پابند کرنا ہوگا جو دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور دین و دعوت کی خدمت کے نام پر شر و فساد پھیلا رہے ہیں اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔

رد فرق باطلہ کیلئے مکتبہ اثریہ کے تحت ایک ادارہ کے قیام کی تجویز

زمزم کے قارئین میں سے بعض ذمہ دار حضرات کا عرصہ سے یہ اصرار ہے کہ زمزم کے کام کو آگے بڑھانے اور رد فرق باطلہ کا سلسلہ باقی رکھنے کیلئے باقاعدہ ایک ادارہ کی تشکیل دی جائے جس میں بطور خاص فرق باطلہ کے رد و ابطال کیلئے رجال کار پیدا کئے جائیں، اور زمزم اور مکتبہ اثریہ کی دیگر مطبوعات کو انٹرنیٹ پر لانے کا انتظام کیا جائے۔ مکتبہ اثریہ اور اس ادارہ کی عمارت الگ ہو، ان حضرات کا یہ اصرار عرصہ سے ہے مگر میں کسی نئے کام کو شروع کرنے کی اپنے اندر اب ہمت نہیں پا رہا تھا اس وجہ سے ان مخلصین حضرات کے پیہم اصرار اور ان کے تعاون کی امید اور توقع کے باوجود میں نے اس پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ مگر ابھی جب گزشتہ اکتوبر کو میرا جنوبی افریقہ کا سفر ہوا تو جدہ میں مقیم ہمارے پاکستانی بھائی اور نہایت مخلص کرم فرما جناب تسنیم صاحب نے پھر اس پر بڑا اصرار کیا

نیز مجھے بھی محسوس ہوا کہ اہل علم میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جن میں تدریسی و تالیفی صلاحیت کے باوجود فرق باطلہ کے رد و ابطال کے کام کیلئے ان کے پاس موقع ہو اور اس کی طرف ان کی توجہ ہو۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ان باطل فرقوں میں کا کوئی شخص اگر کسی مسئلہ میں ان سے اُلجھتا ہے تو وہ گھبرا جاتے ہیں اور ان کے پاس ان کی باتوں کا جواب نہیں ہوتا ہے۔

مثلاً ابھی جلدی ہی کا واقعہ ہے کہ ایک غیر مقلد نے ہمارے دینی مدرسہ کے فارغ ایک صاحب سے سوال کر دیا کہ تم لوگوں کے پاس حضرت علی کے قول کے علاوہ نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور حضرت علی کا قول حدیث کے مقابلہ میں مردود ہے، ہمارے مولوی صاحب کو اس کا جواب سمجھ میں نہیں آیا۔ انھوں نے اس کا ذکر مجھ سے کیا، میں نے ان کو بتلایا کہ اس کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ میں احناف کے پاس حضرت علی کے قول کے علاوہ کوئی اور دلیل نہیں ہے۔ نہایت درجہ کا جھوٹ اور بہت غلط قسم کا غیر مقلدانہ پروپیگنڈہ ہے، ترمذی شریف میں امام ترمذی نے اس پروپیگنڈہ کی حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے۔ اور پھر اس غیر مقلد کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ان کا قول ہے اسلئے وہ مردود ہے، حضرت علیؓ کی شان میں بڑی گستاخی ہے۔ اور آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ پاک علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کا انکار کرنا ہے۔ اس حدیث پاک میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم حضرت علی خلیفہ راشد کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دے رہے ہیں۔ حضرت علی کا کوئی عمل اور کوئی قول کو مردود قرار دینا اہلسنت والجماعت کا مذہب نہیں ہے۔ اہلسنت والجماعت کے مذہب میں خلفائے راشدین کا عمل بھی مستقل سنت اور واجب العمل ہے۔ پھر حضرت علی کی جو حدیث ہے وہ یہ ہے السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرۃ۔ اور صحابہ کرام جب سنت کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مراد آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی ہے، اس سے سنتِ صحابہ مراد نہیں ہوتی ہے، حضرت علیؓ نے نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کو آنحضورؐ کی سنت بتلایا ہے، اپنی نہیں۔

اس سے ان مولوی صاحب کو بھی احساس ہوا کہ فرق باطلہ کا رد و ابطال مستقل ایک فن ہے اور یہ مستقل توجہ کا طالب ہے، بہرحال مجھے جنوبی افریقہ اور سعودیہ کے اس دفعہ کے مختصر سفر میں اس کا احساس ہوا کہ، اس کام کی طرف مزید توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کام کو آگے بڑھانے اور اس کا سلسلہ باقی رکھنے کیلئے مستقل ایک ادارہ کا قیام ضروری ہے، اس کیلئے ہمیں اپنے احباب اور خصوصًا زمزم کے قارئین کا تعاون درکار ہے۔

پہلے مرحلہ میں ضرورت ہے کہ اس کیلئے ایک زمین ہو جس پر ادارہ کی عمارت قائم ہو، پھر عمارت ہو اور ان سب سے پہلے ضرورت ہے کہ اس کام کیلئے ایک بہت عمدہ کتب خانہ ہو جس میں حدیث و فقہ کا ایک بڑا ذخیرہ اور ضرورت کی دوسری کتابیں ہوں، اس کیلئے ہمیں اپنے احباب کا تعاون درکار ہوگا، اگر زمزم کے احباب تھوڑی بھی توجہ کریں تو پہلے نمبر کا کام یعنی کتابوں کی فراہمی کا عمل شروع کر دیا جائے، اس بارے میں جو حضرات بھی کسی قسم کا تعاون کریں گے وہ عنداللہ ماجور ہوں گے اور ہم ان کے شکرگزار ہوں گے۔

اس درمیان ہم غازی پور یا اس سے ملحق کسی جگہ میں ادارہ کیلئے کسی مناسب زمین کو بھی نگاہ میں رکھیں گے اور جوں ہی ہمیں اس زمین کا پتہ چلا ہم زمزم کے قارئین کو اس سے آگاہ کریں گے۔

اس کام کی ابتدا ہم کتابوں کی فراہمی سے کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اس کے بغیر جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں عمارت حاصل ہوجانے کے باوجود بھی وہ کام نہیں ہوسکتا ہے، امید ہے کہ زمزم کے ہمارے قارئین اس سلسلہ میں اپنے پورے اور فراخ دلانہ تعاون سے نوازیں گے۔ چیک اور ڈرافٹ کیلئے صرف اتنا لکھیں۔ ALMAKTABA TUL ASARIA

انگریزی میں بھی اسی طرح لکھیں گے۔

محمد ا۔ جمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اذان سنو تو تم انھیں کلمات کو دھراؤ جو موذن کہتا ہے۔

(بخاری)

موذن کے کلمات اذان کا جواب دینا سنت ہے، بقول بعض واجب ہے۔
موذن جو کلمات کہے انھیں کلمات کو دھرانا چاہئے۔ البتہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح جب موذن کہے تو اس کے جواب میں انھیں کلمات کو نہیں دھرانا چاہئے بلکہ اس کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہئے۔ مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آنحضورؐ کا یہی عمل ثابت بتلایا گیا ہے۔
مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص موذن سے سن کر ان کلمات کو دھراتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے۔
یہاں نکتہ کی بات یہ ہے کہ کسی حدیث کے ظاہر کو دیکھ کر شریعت کا صحیح حکم اور دین کا صحیح مسئلہ نہیں معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً بخاری شریف کی حدیث کو دیکھ کر اگر کوئی حی علے الصلوٰۃ اور حی علے الفلاح کے وقت بھی انھیں کلمات کو دھرائے تو یہ غلط ہوگا۔
مسئلہ یہ ہے کہ ان کلمات کو جب موذن کہے گا تو اس کے جواب میں سننے والے کو لاحول ولا قوۃ کہنا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ شریعت کا مسئلہ معلوم کرنے کیلئے کسی صاحب علم کی طرف رجوع کرنا

ضروری ہوگا۔ اگر کسی نے خود سے شریعت پر چلنے کی کوشش کی اور احادیث کی تراجم والی کتابوں سے اپنی نماز روزہ کی اصلاح کے زعم میں مبتلا ہوا تو نہ اس کی نماز درست ہوسکے گی اور نہ روزہ، اور وہ اندھیرے میں تیر چلانے والا انسان کے مانند احمق قرار پائے گا۔

(۲) حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہ نے ان سے لیلۃ التعریس[1] کا قصہ بیان کیا جس میں حضرت بلال نے آنحضورؐ اور آپ کے اصحاب کو بیدار کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی، لیکن خود حضرت بلالؓ کی آنکھ لگ گئی، اور جب سورج نکل آیا تب آنحضورؐ اور آپ کے اصحاب بیدار ہوئے اس حدیث میں ہے کہ آنحضورؐ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان کہو پھر جب سورج بلند ہوگیا اور روشن ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ فلما ارتفعت الشمس وابیاضت قام فصلیٰ۔ (بخاری)

اس حدیث پاک سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ مثلاً یہ معلوم ہوا کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بھی غفلت طاری ہوسکتی ہے۔ اور نماز ان کی بھی نیند کی وجہ سے چھوٹ سکتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ فائتہ یعنی جس نماز کی قضا کرنی ہے اگر اس کو باجماعت ادا کرنا ہے تو اس کیلئے اذان بھی کہی جائے گی۔ اور تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر بیدار ہونے کا وقت اوقات مکروہہ میں سے ہے تو مکروہ وقت کے ختم ہونے کے بعد ہی نماز کی قضا کی جائے گی جیسا کہ اس واقعہ میں ہے کہ جب سورج بلند ہوگیا اور خوب روشن ہوگیا تو آنحضورؐ نے نماز ادا کی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چھوٹی ہوئی جب نماز یاد آئے اسی وقت اس کو ادا کرنا ہے خواہ وہ وقت مکروہ ہی کیوں نہ ہو، ان کا یہ کہنا غلط ہے اور بخاری شریف کی اس حدیث کے خلاف ہے۔

---

(۱) تعریس آخر رات میں پڑاؤ ڈالنے کو کہتے ہیں۔

(۲) بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے سر کا بال اتروا تے تھے تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ان بالوں میں سے کچھ کو اپنے قبضہ میں کر لیتے تھے۔ (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو صحابہ کرام اپنے پاس بطور تبرک رکھا کرتے تھے اور آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کبھی کسی صحابی کو منع نہیں کیا۔

اسی سلسلہ میں بخاری شریف ہی میں مشہور تابعی حضرت سیرین کا امام بخاری نے یہ مقولہ نقل کیا ہے، حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سے عرض کیا کہ ہمارے پاس آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے کچھ بال ہیں جن کو ہم نے حضرت انس یا ان کے گھر والوں سے حاصل کیا ہے، تو حضرت عبیدہ نے فرمایا۔ میرے پاس آنحضور کے بالوں میں سے اگر ایک بال بھی ہو تو وہ میرے لئے دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے بھی بہتر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف میں آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے تبرک حاصل کرنے کو عین سعادت سمجھا جاتا تھا اور اس کی ان کے نزدیک بڑی اہمیت تھی، امام بخاری نے ان حدیثوں کو نقل کر کے یہ بھی بتلادیا ہے کہ خود امام بخاری کے نزدیک آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے تبرک حاصل کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ نہایت پسندیدہ اور مبارک عمل ہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے تبرک حاصل کرنا جائز اور عین سعادت سمجھا گیا تو اسی پر آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام چیزوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان سے بھی تبرک حاصل کرنا عین ایمان کا تقاضا ہوگا، اور یہیں سے بزرگوں کے تبرکات کا بھی مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کو بھی بطور تبرک اپنے پاس رکھا جا سکتا ہے۔

جو لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات سے یا بزرگوں کے تبرکات سے تبرک حاصل کرنے کو حرام اور ناجائز قرار دیتے ہیں ان کو بخاری شریف کی ان روایات میں غور کر کے اپنا

فکر اور عمل درست کر لینا چاہئے ۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جوتا پہننے میں کنگھا کرنے میں اور وضو کرنے میں ہر کام میں یہ پسند تھا کہ آپ داہنے سے شروع کریں ۔ (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت کا یہی حکم ہے کہ آدمی اچھے کاموں کی ابتدا داہنے سے کرے ، مثلاً اگر مسجد میں داخل ہونا یا پاخانہ کی جگہ سے باہر ہونا ہو یا لباس پہننا ہو تو داہنے سے ان کاموں کو شروع کرنا چاہیئے ۔ مسجد میں پہلے دایاں پاؤں داخل کرے ، بیت الخلاء سے نکلے تو پہلے دایاں پاؤں نکالے ، کرتہ پائجامہ پہنے تو پہلے دائیں اور بائیں ہاتھ میں ہاتھ اور پاؤں ڈالے اور اتارنے میں اس کے برعکس کرے ۔

صلا کا بقیہ۔

۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کو خداوند قدوس نے بے شمار صفات سے نوازا ہے ، بنیادی صفات دو ہیں ، نذیر ہونا ، بشیر ہونا ، اب نبوت تو ختم ہو چکی مگر صفت نذیر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث فقہاء کرام ہیں (التوبۃ) اور صفت بشیر میں نبی پاک کے وارث صوفیاء کرام ہیں ، فقہاء تعمیر ظاہر کے امین ہیں ، اور صوفیاء کرام تعمیر باطن کے ، اہل سنت کا دین کامل ہے جس میں تعمیر الظاہر والباطن ہے ، اب غیر مقلدین پورے دین کے دشمن ہیں وہ یا فقہاء کو بھونکتے ہیں یا صوفیاء کرام کو ان سے نیچ کر رہیں ۔

راقم الحروف نے حضرت اوکاڑوی مرحوم کے یہ چند ارشادات بطور مشتے نمونہ از خروارے ذکر کئے ہیں ۔ آپ کے ایسے ہزاروں ارشادات آپ کی تصانیف و تقاریر میں موجود ہیں جو اگر جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے ۔ خدا نے توفیق دی تو انشاء اللہ کوشش کی جائے گی ۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

محمد ۱۰۔ جمل مفتاحی

(چوتھی قسط)

محمد ابوبکر غازی پوری

امام ابوحنیفہؒ اور مسئلۂ قیاس

مخالفین قیاس اور اس سلسلہ میں سوائے ایک جماعت شاذہ کے کسی اور سے انکار ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

ولم یزالوا علی اجازۃ القیاس حتیٰ حدث ابراھیم بن سیار النظام وقوم من المعتزلہ سلکوا طریقۃ فی نفی القیاس والاجتہاد فی الاحکام وخالفوا ما مضیٰ علیہ السلف۔ (جامع جلد ۲)

برابر لوگ قیاس کے قائل تھے یہاں تک کہ ابراہیم بن سیار نظام اور معتزلہ کی ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے احکام میں اجتہاد اور قیاس کے انکار کا راستہ اختیار کیا اور سلف کی مخالفت کی۔

اور شوکانی لکھتے ہیں:

اما المنکرون بالقیاس فاول من باح بانکارہ النظام وتابعہ قوم من المعتزلۃ۔

بہرحال منکرین قیاس سو سب سے پہلے جس نے اس کا انکار کیا وہ نظام تھا اور معتزلہ کی ایک جماعت نے اس کی اتباع کی۔

نیز داؤد ظاہری نے بھی قیاس کا انکار کیا ہے۔

قال ابن القطان ذھب داؤد واتباعہ الیٰ ان القیاس فی دین اللہ

یعنی ابن قطان کا بیان ہے کہ داؤد اور ان کے متبعین کا مذہب ہے کہ دین میں قیاس

باطل ولایجوز	باطل اور ناجائز ہے۔
	(ارشاد الفحول صـ۱۸۶)

شوکانی لکھتے ہیں :

والحاصل ان داؤد الظاہری	حاصل یہ کہ داؤد ظاہری اور ان کے متبعین
واتباعہ لایقولون بالقیاس ولوکانت	قیاس کے قائل نہیں ہیں اگرچہ قیاس کی
العلۃ منصوصۃ (ایضاً)	علت منصوص ہی کیوں نہ ہو۔

مگر علماء نے ان کے انکار کی طرف التفات نہیں کیا اور اس کو ان کے حد سے زیادہ غلو پر محمول کیا چنانچہ صاحب دراسات اللبیب ملا محمد معین بن محمد ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ان فی علماء الامۃ من	یعنی بلاشبہ ایک جماعت جو ظاہریہ کے
تعلق بھذا الحدیث الکریم طائفۃ	نام سے موسوم ہے اس نے اس حدیث کو لیا
تسمی ظاھریۃ وھو فی التحقیق	ہے اور یہ جماعت حقیقت میں داؤد ظاہری
عبارۃ عن اصحاب داؤد الظاھری	کے متبعین کا نام ہے، نیز جو بھی ظاہریہ محضہ
خاصۃ وعن کل من کان علی	پر جس کو علماء کی اصطلاح میں جامدہ کہتے
الظاھریۃ المحضۃ التی تسمی	ہیں رہے وہ ظاہری کہلاتے ہیں اور یہ
جامدۃ فی اطلاق العلماء وذلك	اس لئے کہ یہ جماعت قیاس کی مطلق قائل
لعدم قولھم بالقیاس مطلقاً	نہیں ہے یہاں تک کہ جو علت منصوص اور
حتی فی العلۃ المنصوصۃ والجلیۃ	ظاہر ہو اس میں بھی وہ قیاس کی منکر ہے
بل ما یتراٰی من اقوالھم انھم	بلکہ ان کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطلقاً
لایقولون بالاستنباط راساً وھولاء	استنباط ہی کے قائل نہیں ہیں اس جماعت
مالایعبا بھم ائمۃ الحدیث والفقہ	کا ائمہ حدیث وفقہ نے اعتبار نہیں کیا ہے
حتی قال السیوطی وغیرہ ان الاجماع	یہاں تک کہ سیوطی وغیرہ نے تو یہ کہا ہے کہ
لاینخرق بخلافھم ومذھبھم	ان کے اختلاف سے اجماع پر کوئی اثر نہیں

مردود بالکتاب والسنة الناطقین بجواز الاستنباط واعمال الفکر فی کتاب اللہ وسنة رسولہ۔

پڑے گا اوران کا مذہب کتاب وسنت کی رو سے مردود ہے اسلئے کہ استنباط مسائل اور کتاب وسنت میں غور وفکر کرنے کا حکم خود قرآن وحدیث سے ہے۔

منکرین قیاس کے دلائل پر ایک نظر

اب جب کہ معلوم ہو چکا کہ قیاس ورائے کا استعمال ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے اور صحابہ سے لیکر تابعین اور تبع تابعین اور قرناً بعد قرنٍ ہر زمانہ میں لوگ اس کو ایک دلیلِ شرعی کے طور پر تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اور سوائے ایک شرذمہ قلیلہ کے اس کا کوئی منکر نہیں رہا ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر منکرین قیاس کے دلائل پر بھی ڈال لی جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان دلائل کی حقیقت کیا ہے جن کو مستدل بنا کر ایک متفقہ قضیہ کا انکار کیا جا رہا ہے اور جو چیز عہد صحابہ سے لے کر بعد کے ہر دور تک بالاتفاق جائز شمار کی گئی ہے اس کو حرام ٹھہرا کر پوری امتِ مسلمہ کو اس حرام کا مرتکب قرار دیا جا رہا ہے۔

منکرین قیاس نے اپنے انکار کی تین وجہیں بظاہر قرار دی ہیں قرآن کا یہ بیان کہ:

ما فرطنا فی الکتاب من شیءٍ

ہم نے قرآن میں کچھ باقی نہیں رکھا (یعنی قرآن میں ہر حکم کا بیان ہے)

نیز اللہ کا قرآن کے بارے میں ارشاد ہے کہ۔ قرآن۔

تبیاناً لکل شیءٍ

یعنی قرآن ہر شئی کا بیان ہے۔

نیز قرآن ہی میں فرمایا گیا ہے۔

ان احکم بینهم بما انزل اللہ

آپ ان کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے۔

اور قیاس ورائے سے کسی حکم کو بیان کرنا یہ بما انزل اللہ سے خارج ہے اور اس طرح کی بعض دوسری آیتیں ہیں جن سے حرمت قیاس ورائے پر استدلال کیا جاتا ہے۔

دوسری وجہ وہ احادیث ہیں جن میں رائے اور قیاس کی مذمت ہے مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور نے فرمایا کہ یہ امت اک زمانہ تک قرآن وسنت پر عمل کرے گی پھر لوگ رائے پر عمل کریں گے جب یہ کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔ (جامع ص۱۳۴ ج ۲)

نیز عوف بن مالک اشجعی کی روایت ہے کہ آنحضور نے فرمایا کہ میری امت کم و بیش ستر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی اس میں فتنہ کے اعتبار سے بڑی وہ قوم ہو گی جو دین میں قیاس کرے گی اور اپنی رائے سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرے گی اور حرام کردہ چیزوں کو حلال کرے گی۔ (ایضاً)

نیز اسی طرح صحابہ اور تابعین سے بھی رائے اور قیاس کی مذمت میں بہت سے اقوال ہیں مثلاً حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

اصحاب الرای اعداء السنن — رائے والے سنتوں کے دشمن ہیں

(جامع ص۱۲۵ ج ۲)

نیز عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہر آنے والا زمانہ تمہارے موجودہ زمانہ سے خراب ہو گا۔ فرمایا تمہارے فقہاء چلے جائیں گے پھر ایسے لوگ آئیں گے جو معاملات میں قیاس اور رائے کا استعمال کریں گے۔ (ایضاً)

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یا تو کتاب اللہ ہے یا سنتِ رسول اللہ۔ اب اس کے بعد جو اپنی رائے سے کوئی بات کہے گا تو میں نہیں جانتا کہ اس کی حسنات میں اسے لکھا جائے گا یا سیئات میں۔ (ایضاً ص۱۳۶)

نیز امام شعبی سے نقل کیا گیا ہے وہ کہا کرتے تھے "ایاکم والمقایسۃ" یعنی قیاس سے بچو۔ (ایضاً)

امام مسروق کہا کرتے تھے۔

لا اقیس شیئاً بشئ (ایضاً) — میں کسی چیز کو کسی چیز پر قیاس نہیں کرتا۔

اس طرح کے اور بہت سے اقوال مختلف ائمہ کے قیاس و رائے کی مذمت میں

وارد ہوئے ہیں جن کی بنیاد پر لوگوں نے قیاس ورائے کا انکار کر دیا ہے۔

تیسری وجہ عقلی ہے چنانچہ منکرین قیاس کہا کرتے ہیں کہ اگر اصل پر عمل کیا جائے تب تو یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ ذمہ سے برات ہو جائے گی لیکن یہ برات قیاس پر عمل کرنے سے کیونکر ہو سکے گی اسلئے کہ قیاس تو ظنی دلیل ہے جس میں خطا اور ثواب دونوں کا احتمال ہے اس لئے قیاس پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔ نیز انھوں نے کہا کہ اصل میں حکم تو نص سے ثابت ہوتا ہے اور وہ قطعی ہوتی ہے اب اس کو اس علت پر کیسے محمول کیا جائے گا کہ یہ حکم اصل میں فلاں علت کی وجہ سے ہے دراں حالیکہ وہ علّت ظنی ہے نیز انھوں نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ قیاس کے جواز کے قائلین یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب علّتِ منصوص ہو تب قیاس جائز ہوگا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہی حکم فرع میں بھی ہو اس لئے کہ وہ علّت فرع میں موجود ہے مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں نے اپنے غلام سالم کو آزاد کر دیا اس لئے کہ وہ کالا ہے تو اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ اس کا ہر کالا غلام آزاد ہو جائے اس لئے کہ آزاد کرنے کی علّتِ سواد سب میں پائی جا رہی ہے۔

سردست میں نے یہاں یہ تین عقلی وجہیں منکرین قیاس کی جانب سے ذکر کی ہیں چند اور وجوہ بھی علماء نے ان کی جانب سے ذکر کی ہیں۔ مگر تطویل کے خوف سے میں اسے نظر انداز کرتا ہوں۔

اب میں چاہتا ہوں کہ آئندہ سطور میں یہ دیکھا جائے کہ منکرین کے یہ استدلالات کہاں تک درست ہیں اور فکر و نظر کی ترازو میں ان کا کیا وزن ہے۔

منکرین قیاس کے استدلال پر تبصرہ

منکرین قیاس نے انکار کی پہلی وجہ یہ بیان کی کہ قرآن "تبیاناً لکل شئ" ہے اور اللہ نے اس کتاب مقدس میں سب کچھ بیان کر دیا ہے جس کے بعد قیاس اور رائے کے استعمال کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر "تبیاناً لکل شئ" اور "ما فرطنا فی الکتٰب" کا یہی مطلب ہے تو اس حقیقت سے آنحضورؐ اور آپ کے بعد صحابہؓ سے زیادہ کون واقف رہا ہوگا؟ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضورؐ نے حضرت معاذؓ سے کہا کہ اگر تم کتاب و سنت میں کوئی حکم نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ یا اسی طرح حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ اگر تم کتاب و سنت میں کوئی

حکم نہ پاؤ تو قیاس ورائے سے کام لو، نیز حضرت ابوبکرؓ کا یہ ارشاد کہ کلالہ کے بارے میں اپنی رائے سے ایک بات کہتا ہوں اگر صحیح ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور غلط ہے تو میری اور شیطان کی جانب سے۔ اسی طرح اور دوسرے صحابہؓ سے جو اس طرح کی روایتیں اور اقوال منقول ہیں آخر اس کی آپ کیا توجیہ کریں گے۔ ظاہر بات ہے کہ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ یہ سوال تو اسی وقت موجہ ہو سکتا ہے جب یہ تسلیم ہو کہ سارے احکام شرعیہ اور قیامت تک کے آنیوالے حوادث و وقائع کا بیان قرآن میں نہیں ہے، قرآن سارے جزئیات کا احاطہ کئے ہوئے نہیں ہے وہ اصول کا جامع ہے فروع کا نہیں۔

نیز میں کہتا ہوں کہ اگر۔ تبیاناً لکل شئ ، وغیرہ جیسی آیات کا یہی مطلب ہے تو پھر بتلایا جائے کہ قرآن کی موجودگی میں احادیث رسول کی کیا ضرورت ہے۔ جب قرآن خود ہی سارے جزئیات کو محیط ہے تو پھر آخر حدیث کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حدیث کا درجہ تو قرآن کے بعد ہے تو گویا کم ازکم احکام کے سلسلہ میں تو احادیث و آثار کی قطعاً حاجت باقی نہیں رہتی اسلئے احادیث کے ان مدونات کو زیب طاق کردینا چاہیے اور جب بھی کوئی مسئلہ پیش آوے اس کا حکم قرآن سے معلوم کرلینا چاہیئے اس لئے کہ قرآن ، تبیاناً لکل شئ ، ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس کیلئے، منکرین قیاس تیار ہیں ؟ اگر تیار ہیں تو اعلان کریں کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا قرآن نے احاطہ کر رکھا ہے اس کی موجودگی میں نہ حدیث کی ضرورت ہے نہ قیاس واجتہاد کی بس قرآن کافی ہے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ اتنی لغویات آخر ان لوگوں کی زبان سے نکلی کیسے اور ان آیاتِ قرآنیہ کا یہ مطلب آخر انھوں نے کہاں سے سمجھ لیا؟ کیا ائمہ مجتہدین جنھوں نے قیاس واجتہاد سے کام لیا قرآن کی اتنی واضح ہدایت سے غافل رہے اور انھوں نے قرآن کے بعد بھی قیاس واجتہاد سے کام لیا؟

اچھا چلئے ہم نے تسلیم کرلیا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور آپ کو قیاس کی ضرورت نہیں ہے

تو بتلائیے کلالہ کی وہ تفسیر جو حضرت ابوبکرؓ سے منقول ہے وہ کیسے ہے اور قرآن کی کس آیت سے اس کا ثبوت ہے اور اگر حضرت ابوبکرؓ کی تفسیر صحیح نہیں ہے تو آپ بتلائیں کہ اس کی صحیح تفسیر کیا ہے ؟ اور اس کا ثبوت کس آیت سے ہوتا ہے ؟

نیز بتلائیں کہ حد کا مسئلہ عول بتوتہ، مفوضہ وغیرہ کے احکام قرآن میں کہاں ہیں نیز یہ بھی بتلائیں کہ قرآن میں قذف محصنات کا تو بیان ہے لیکن قذف محصن کا حکم کہاں بیان کیا گیا ہے ؟ نیز قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ جب مومنہ عورت سے نکاح کرو پھر جماع سے پہلے ان کو طلاق دو تو اس پر عدت نہیں ہے میں پوچھتا ہوں کہ یہ مسئلہ مومنہ کا ہے اگر کسی نے کتابیہ عورت سے شادی کر کے اس کو اسی طرح طلاق دیدی تو اس کا کیا حکم ہے اور یہ حکم قرآن کی کس آیت سے ثابت ہے۔

نیز قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالو، میں پوچھتا ہوں کہ یہ حکم ہر مقدار اور ہر چور کیلئے عام ہے یا یہ حکم کسی خاص مقدار اور خاص چور کے ساتھ مخصوص ہے، اگر یہ حکم ہر چور کیلئے ہے تو آپ بتلائیں کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کا ہاتھ کیوں نہیں کاٹا جس نے زمانۂ قحط میں چوری کی تھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ قرآن کے حکم کے خلاف تھا یا موافق اگر موافق تھا تو اس کا حکم قرآن میں کہاں ہے اور اگر خلاف تھا تو قرآن کے حکم کے خلاف نص صریح کی موجودگی میں جو حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا تھا آپ اس خلاف شرع کام کرنے پر حضرت عمرؓ کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں ؟

نیز یہ بھی بتلائیں کہ آنحضورؐ صحابۂ کرامؓ یا کسی اور سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے ایک مٹھی جو چرانے پر بھی ہاتھ کاٹنے کی سزادی ہے اگر نہیں تو اس کا حکم قرآن میں کہاں ہے ؟

اگر میں اس طرح کی اور مثالیں دیتا چلا جاؤں تو یہ مضمون کافی طویل ہو جائے گا۔ یہ چند مثالیں میں نے اس لئے پیش کر دیں کہ اس سے منکرین قیاس کے دلائل کا وزن معلوم ہو جائے اور ان کے انکار قیاس کی بنیاد خس وخاشاک کے کس ڈھیر پر ہے اس کی حقیقت کھل جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں ہو کہ آخر پھر اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات کا کیا

مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے اس ارشاد " ما فرطنا فی الکتٰب من شیٔ "
میں کتاب سے مراد قرآن ہے ہی نہیں بلکہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد
عثمانیؒ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں۔

" حق تعالیٰ کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں تمام انواع و اجناس کی تدبیر
و ترتیب کے اصول و فروع منضبط ہیں " (الانعام)

صاحب جلالین نے بھی یہاں کتاب سے قرآن نہیں لوح محفوظ ہی مراد لیا ہے۔
چنانچہ فرماتے ہیں " الکتاب اللوح المحفوظ " یعنی یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ
ہے۔ ظاہر بات ہے کہ مخالفین کی ساری بنیاد اس بات پر تھی کہ یہاں الکتاب سے مراد
قرآن ہے اور اس قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے لیکن معلوم ہوا کہ الکتٰب سے یہاں قرآن
مراد لینا یہ ان کا خیال ہی خیال تھا اور جب یہ خیال ہی تھا حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں
ہے تو ان کا قیاس کے سلسلہ میں اس آیت کا پیش کرنا از خود باطل ہو گیا۔

اب آپ دوسری آیت " تبیاناً لکل شیٔ " سے بھی ان کے استدلال کی حقیقت
معلوم کر لیجئے۔ علامہ عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

" یعنی قرآن میں تمام علوم و ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق
ضروری امور کا نہایت واضح اور مکمل بیان ہے۔ (النحل)

یعنی قرآن نے قیامت تک آنیوالے تمام مسائل جزئیہ کا نہیں بلکہ صرف اصول دین
اور علوم ہدایت اور فلاح دارین کے سلسلہ میں کے ضروری امور کا احاطہ کیا ہے۔ اندازہ
لگائیے کہ منکرین قیاس کا اس آیت سے استدلال احکام شرعیہ جزئیہ کے بارے میں کہ ان کا
استنباط قیاس و اجتہاد سے نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ قرآن میں سب کچھ ہے یہ استدلال
اپنے اندر کتنا وزن اور قیمت رکھتا ہے۔

اور اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ " تبیاناً لکل شیٔ " سے مراد دین کی سب ہی باتیں ہیں تو

پھر اس کا مطلب یہ ہوگا جیسا کہ حاشیہ الصاوی والے نے بیان کیا ہے اور جن کی اُردو ترجمانی مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"رہا یہ سوال کہ قرآن میں تو دین کے بھی سب مسائل مذکور نہیں ہیں تو تبیاناً لکل شیٔ کہنا کیسے درست ہوگا" ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں اصول تو سب مسائل کے موجود ہیں انھیں کی روشنی میں احادیث رسول اللہ ان مسائل کا بیان کرتی ہیں اور کچھ تفصیلات کو اجماع اور قیاس شرعی کے سپرد کر دیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ احادیثِ رسول اللہ اور اجماع اور قیاس سے جو مسائل نکلے ہیں وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے بیان کئے ہیں۔ (معارف القرآن سورۂ نحل)

یعنی تبیانا لکلِ شیٔ کا یہ مطلب مراد لینا کہ قرآن میں شرعی احکام کی ہر جزئی کا بیان ہے کہ نہ حدیث کی حاجت ہو نہ اجماع اور قیاس کی۔ یہ غلط ہے اور محض کج فہمی اور کم عقلی ہے اور ایک خلافِ واقعہ بات پر خواہ مخواہ کا اصرار ہے۔ اگر اس قرآنی جملہ کو اپنے عموم پر رکھ بھی لیا جائے تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ قرآن میں اگرچہ اصول کا بیان ہے مگر حدیث، اجماع، اور قیاس جزئیات کو محیط ہیں اور ان تینوں کا بیان خود قرآن میں ہے اس وجہ سے ان سے جو حکم حاصل ہوگا وہ قرآن کا حکم ہوگا۔ حاشیہ الصاوی میں ہے :

فهذه اربعة طرق لا يخرج شئ من احكام الشريعة عنها وكلها مذكورة فى القرآن فكان تبيانا لكل شئ بهذا الاعتبار یعنی یہ چار طریقے ہیں (قرآن، سنت، اجماع اور قیاس) اور شریعت کے سارے مسائل انھیں سے نکلتے ہیں اور یہ سب طریقے قرآن میں مذکور ہیں اس اعتبار سے قرآن "تبیانا لکل شئ" ہے۔

رہا قرآن کا یہ ارشاد کہ وان احكم بينهم بما انزل الله تو جب معلوم ہوگیا کہ قیاس واجتہاد سے بھی جو حکم نکلتا ہے وہ بھی قرآن ہی کا حکم ہے تو اس آیت کو قیاس کے انکار کے سلسلہ میں پیش کرنا از خود باطل اور فاسد ہوگیا۔

نیز یہاں اس بات کا بیان ہے کہ اہل کتاب آپس میں کتنا بھی اختلاف کریں اور

باہم دست وگریبان ہوں لیکن آپ ان کے درمیان اگر فیصلہ کریں تو آپ بلاکسی رعایت کے اس حکم کے مطابق فیصلہ کریں جو ان کا حکم ہے، ان کا اختلاف آپ کو حق کی پیروی سے نہ روکے۔

اس لئے اس آیت کو مسئلہ زیر بحث سے حقیقۃً کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس کا اس مسئلہ میں پیش کرنا قابلِ التفات ہے۔

بہرحال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ منکرینِ قیاس نے قرآن کی آیتوں سے جو قیاس کیخلاف حجت پکڑنے کی کوشش کی ہے ان کی یہ کوشش بارآور نہ ہوسکی بلکہ اس کے برخلاف یہ آیتیں مقصد کے خلاف ہی ثابت ہوئیں۔

اب آئیے ذرا ایک نظر ان احادیث پر بھی ڈالیں جن کو منکرینِ قیاس۔ قیاس کے عدم جواز کے لئے پیش کیا کرتے ہیں اور جن کا کچھ نمونہ اوپر گذر چکا ہے۔

(جاری)

محمد اجمل مفتاحی

مولانا انور خورشید صاحب
لاہور۔ پاکستان

ارشادات حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ مکرم حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کی اُن نابغۂ روزگار شخصیات میں سے تھے جن کی دینی و مذہبی اور ملکی و ملّی خدمات کو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں خصوصیات سے نوازا تھا، آپ جہاں ایک بہترین اور کامیاب مناظر تھے وہیں آپ لائق ترین مقرر اور خطیب بھی تھے، جہاں آپ ایک اچھے مدرس اور معلم تھے وہیں آپ ایک زود نویس مصنف اور مؤلف بھی تھے۔ قدرت نے جہاں آپ کو پیکرِ شرافت بنایا تھا وہیں آپ کو مرقع محبوبیت بھی بنایا تھا۔

آپ کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو افہام و تفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا جس کے سبب آپ اپنے مخاطب کو مشکل سے مشکل بات بڑی آسانی سے سمجھا دیتے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھ کر بڑی سے بڑی بات انتہائی آسان اور معمولی نظر آنے لگتی تھی اور دل ایسا مطمئن ہو جاتا تھا کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ حضرت الاستاذ دنیا سے کیا گئے اپنی ساری روایات اپنے ساتھ لے گئے، اب آپ کی باتیں آپ کی زبان سے سننے کو کہاں ملیں گی، ہاں آپ کی تحریرات و تصنیفات اور ریکارڈ شدہ تقریرات جو آپ کی یادگار کے طور پر رہ گئی ہیں ان سے استفادہ کر کے ڈھارس بندھائی جا سکتی ہے، راقم الحروف نے حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ ارشادات و فرمودات آپ کی مختلف تصانیف

اور تقاریر سے اکٹھے کئے ہیں جنھیں مؤقر جریدہ ماہنامہ نزمزم کی وساطت سے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ۔ حضرت اوکاڑوی مرحوم کے ارشادات علم و عرفان کا ایک ایسا خزانہ ہیں جن سے بڑی بڑی کتابوں کے دامن خالی ہیں، ان ارشادات کو اگر وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور عقیدت کی آنکھ سے پڑھا جائے تو ان سے بڑے بڑے شبہات زائل ہوتے نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت الاستاذ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائیں اور آپ کے ارشادات و فرمودات سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

تکمیل دین، تمکین دین، تدوین دین

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر دین کی تکمیل، صحابہ کرام کے دور میں دین کی تمکین، اور ائمہ اربعہ کے ہاتھوں دین کی تدوین ہوئی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دین کے لانیوالے صحابہ کرام دین کے پھیلانے والے اور ائمہ اربعہ دین کے لکھوانے والے ہیں، صحابہ نے یقیناً وہی دین پھیلایا جو نبی والا تھا اور ائمہ رحمہم اللہ نے وہی دین لکھوایا جو صحابہ والا تھا۔

آفتاب ہدایت، نجوم ہدایت، چراغ ہدایت

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ہدایت ہیں، صحابہ کرام نجوم ہدایت ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ چراغ ہدایت ہیں، ہم اہلسنت والجماعت حنفی کہلاتے ہیں، اہلسنت میں ہماری نسبت آفتاب ہدایت (رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جڑی والجماعت میں نجوم ہدایت (صحابہ کرام) کے ساتھ جڑی، اور حنفی میں چراغ ہدایت (امام اعظم ابوحنیفہ رح) کے ساتھ جڑی۔

ہم اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت حنفی کن کے مقابلہ میں کہتے ہیں؟

ہم عیسائیوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو مسلمان، اہل بدعت، خوارج و معتزلہ کے مقابلہ میں اہل سنت اور شافعی وغیرہ کے مقابلہ میں حنفی کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم بھارتی کے مقابلہ

یں اپنے آپ کو پاکستانی، سرحدی کے مقابلہ میں پنجابی، لاہوری کے مقابلہ میں اوکاڑوی کہتے ہیں، اوکاڑوی، پنجاب اور پاکستان کو مان کر کہا جاتا ہے نہ کہ چھوڑ کر اسی طرح حنفی اپنے آپ کو اہلسنت اور مسلمان مان کر کہا جاتا ہے نہ کہ چھوڑ کر۔

غیر مقلدین کا یہ حال ہے کہ لفظ "یا" کا صحیح استعمال بھی نہیں جانتے، یہ لفظ ایک جنس کے درمیان آتا ہے، جیسے آج نومبر ہے یا دسمبر؟ پیر ہے یا منگل؟ تو محمدی ہے یا موسوی؟ حنفی ہے یا شافعی؟ اور یہ کہنا مضحکہ خیز ہے کہ تو پاکستانی ہے یا پنجابی؟ آج نومبر ہے یا منگل؟ تو محمدی ہے یا حنفی؟ جو لوگ اردو کے ایک لفظ کا صحیح استعمال نہ کر سکیں وہ کتاب وسنت کو خاک سمجھیں گے۔

ہمارا نام "اہلسنت والجماعت حنفی" دلیل شرعی سے ثابت ہے

ہمارا نام "اہلسنت والجماعت" حدیث میں موجود ہے، آیت کریمہ "یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ" کی تفسیر کے ذیل میں، تفسیر درمنثور میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ اہل سنت والجماعت ہیں، یہی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی موقوفاً مروی ہے[1]، تاریخ کامل میں موجود ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے

---

[1] اخرج السیوطی فی تفسیرہ واخرج ابن ابی حاتم وابو نصر فی الابانۃ والخطیب فی تاریخہ واللالکائی فی السنۃ عن ابن عباس فی ھذہ الآیۃ قال تبیض وجوہ وتسود وجوہ قال تبیض وجوہ اھل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اھل البدع والضلالۃ، واخرج الخطیب فی رواۃ مالک والدیلمی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ قال تبیض وجوہ اھل السنۃ وتسود وجوہ اھل البدع واخرج ابو نصر السجزی فی الابانۃ عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ

یزیدی فوجیوں کے سامنے جو بیان دیا اس میں آپ نے فرمایا : کیا تم تک یہ مشہور و معروف بات بھی نہیں پہونچی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا " انتما سیدا شباب اہل الجنۃ و قرۃ عین اہل السنۃ " تم دونوں اہل جنت کے جوانوں کے سردار اور اہل سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، رہا حنفی تو یہ اجماع سے ثابت ہے، چنانچہ حنفی، مالکی، شافعی کہلانے پر شروع سے بلا نکیر اجماع چلا آرہا ہے، اس کے برعکس غیر مقلدین کا نام " اہل حدیث " کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، نہ یہ قرآن میں موجود ہے نہ حدیث میں -

امام اعظم لقب پر اعتراض کا جواب

فرمایا : " اگر امتی امام اعظم نہیں بن سکتا تو امتی صدیق اکبر کیسے بن سکتا ہے؟ کیونکہ پیغمبر سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے، پھر امتی فاروق اعظم کیسے بن سکتا ہے؟ کیونکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا کون ہے؟ امتی قاعد اعظم کیسے بن سکتا ہے؟ کیونکہ پیغمبر سے بڑھ کر قیادت عظمی کس کی ہو سکتی ہے؟ -

ہم امام ابو حنیفہؒ کو فقہ کا امام مانتے ہیں، نبوت کا نہیں اور جب وہ فقہ کے امام ہیں تو ان کا تقابل بھی فقہی ائمہ سے ہوگا، یعنی وہ فقہی ائمہ امام مالکؒ امام شافعیؒ وغیرہ کے مقابل امام اعظم ہیں -

فاتحہ پر جھگڑے

- مولانا اوکاڑوی مرحوم اپنے استاذ حضرت مولانا عبد القدیر صاحبؒ کا یہ مقولہ اکثر نقل فرماتے تھے :

صلی اللہ علیہ وسلم قرأ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ قال تبیض وجوہ اہل الجماعات والسنۃ و تسود وجوہ اہل البداع والاھواء " الدر المنثور ج ۲ ص ۶۳

۲ دیکھئے التاریخ الکامل ج ۴ ص ۶۲ طبع بیروت -

۔ دیکھو قرآن پاک کی پہلی سورت فاتحہ ہے اسی کا نام اُمُّ القرآن ہے اور
اسی پر زیادہ جھگڑے ہیں، کوئی فاتحہ علی الطعام پر لڑتا ہے اور کوئی فاتحہ
خلف الامام پر جب کہ سورہ فاتحہ میں بنیادی طور پر دو ہی مسئلے ہیں (۱)
مسئلہ توحید (۲) مسئلہ تقلید، فاتحہ علی الطعام والوں کو توحید اچھی نہیں
لگتی اور فاتحہ خلف الامام والوں کو تقلید اچھی نہیں لگتی ۔

اس عمل کا حکم کیا ہے؟ مولانا مرحوم طلباء کو اصول مناظرہ کی تعلیم دیتے رہتے تھے کہ جب کبھی فریقِ مخالف سے کسی مسئلہ پر بحث ہو تو
سب سے پہلے آپ مدمقابل سے عمل متنازع فیہ کا حکم دریافت کیجئے اس کا فائدہ کیا ہوگا؟
اس کو آپ نے ایک واقعہ سنا کر سمجھایا۔ فرمایا:

۔ ایک دن میں ایک جگہ بیٹھا تھا، ایک بریلوی مولوی بحث کر رہا تھا غیر مقلد کے
ساتھ اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کے مسئلے پر، وہ آپس میں دونوں لگے رہے،
مجھے نہ اس نے دیکھا نہ اس نے دیکھا، میں بیٹھا سنتا رہا ایک طرف جب غیر مقلد
کی نظر مجھ پر پڑی تو اب وہ جان چھڑانے کیلئے مجھ سے کہتا ہے کہ مولوی صاحب
آپ بات کریں، میں نے کہا کہ مولوی صاحب: یہ جو کچھ آپ باتیں کرتے رہے
ہیں بالکل جاہلانہ باتیں تھیں، آپ ماشاء اللہ عالم ہیں آپ پہلے اس صلوٰۃ وسلام
کا حکم مجھے بتا دیں کیا ہے؟ دیکھئے ہم نماز میں درود پڑھتے ہیں ہم کہتے ہیں
سنت ہے، فقہ کی ہر کتاب اٹھا کر ہم سنتوں میں دکھا سکتے ہیں کہ یہ درود
سنت ہے، ہم نماز جنازہ میں درود پڑھتے ہیں اسے بھی سنت کہتے ہیں ہم
فقہ کی ہر کتاب میں یہ حکم دکھا سکتے ہیں کہ یہ سنت ہے، آپ جو یہ درود پڑھتے
ہیں اذان سے پہلے اس کا حکم پہلے بتائیں کیا ہے؟ اب وہ بیچارہ بڑا پریشان
ہوا کہ میں کیا حکم بتاؤں سوچ سوچ کر وہ جوان کا طریقہ ہوتا ہے کہ جی یہ مباح
ہے تاکہ نچلے سے نچلا درجہ دکھا جائے اگر ثبوت کوئی مانگے تو آسانی ہو، میں نے

کہا مولانا یہ لوگ مباح کا معنی نہیں جانتے جو آپ کے سامنے بیٹھے ہیں ،
ان کو ذرا سمجھا دیں مباح کسے کہتے ہیں، کہنے لگے کہ آپ ہی سمجھا دیں، میں نے
کہا کہ ہم نے تو یہ پڑھا ہے کہ مباح اسے کہتے ہیں ۔ جس کے نہ کرنے میں ثواب
ہو نہ چھوڑنے میں گناہ ہو، جی بالکل ٹھیک ہے، میں نے کہا: دیکھئے ۔
مولوی صاحب نے کہا کہ درود پڑھنے کا کوئی ثواب نہیں اب وہ بیچارہ بڑا
پریشان ہوا کہ یہ کیا مصیبت ہے، کہنے لگا کہ نہیں نہیں جی ثواب ہوتا ہے
میں نے کہا کہ پھر وہ حکم بتائیں جس میں ثواب ہو تو وہ بیچارہ اسی میں بڑا
پریشان ہوگیا میں نے کہا کہ جو حکم آپ بتائیں گے وہ میں آپ کی زبان
سے نہیں سننا چاہتا جس طرح نماز کا درود کا حکم میں فقہ کی کتاب سے
دکھاؤں گا جنازہ کے درود کا حکم میں فقہ کی کتاب سے دکھاؤں گا اسی طرح
آپ کو وہ (اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا) حکم فقہ حنفی کی کتاب سے دکھانا
ہوگا ۔ یا اعلان کرنا ہوگا کہ نماز کے درود میں میں حنفی مقلد ہوں، جنازہ کے
درود میں میں حنفی مقلد ہوں، اذان کے درود میں چونکہ حنفیت میرا ساتھ نہیں
دیتی اس میں میں لامذہب اور غیر مقلد ہوں اور یہ اچھی طرح یاد رکھیں کہ بریلوی
ان مسائل میں جو ہمارے اور ان کے درمیان اختلافی ہیں غیر مقلد ہیں۔"

موضوع سوچ سمجھ کر اور صحیح متعین کرنا چاہیئے | مولانا مرحوم نے اصول مناظرہ پڑھاتے ہوئے فرمایا :

اکثر لوگ مناظرہ طے کرتے وقت انتہائی غلط سلط موضوع متعین کر لیتے ہیں پھر پریشان
ہوتے ہیں انھیں چاہیئے کہ موضوع متعین کرتے وقت خوب سوچ سمجھ کر موضوع متعین کریں ۔
اس سلسلہ میں آپ نے یہ واقعہ سنایا :

"میں ایک دفعہ اوکاڑہ گول چوک مسجد میں گیا اتفاقاً وہاں پانچ چار ساتھی
بڑے پریشان بیٹھے تھے، کہنے لگے کہ ہم تو آپ کو تلاش کر رہے تھے، میں نے کہا

خیر ہے ؟ کہنے لگے کہ یہاں شیعوں کے ساتھ طے ہو گیا ہے کہ شیعوں میں کوئی
حافظ قرآن نہیں ہوتا، اگر شیعہ حافظ قرآن ثابت ہو جائے تو ہم دس کلکرک
مل کر شیعہ ہو جائیں گے، نہ ثابت ہوا تو ان کے دس سنی ہو جائیں گے، اب یہ کوئی
شرعی مسئلہ تو ہے نہیں، میں نے کہا کہ بھئی پھر ؟ کہنے لگے کہ ہم سوچ رہے ہیں کہ
جان کیسے چھڑائی جائے، میں نے کہا کہ جان تو میں تمہاری چھڑا دوں گا لیکن یہ بتاؤ
کہ اس قسم کے غلط موضوعات کیوں لکھ آئے ہو ! وہ سارے کلرک منت سماجت
کرنے لگے تو میں چلا گیا، وہاں ضلع بھر کے شیعہ اکٹھے تھے، انھوں نے جب
مجھے دیکھا تو وہ اپنے ساتھیوں کو کہنے لگے کہ سوائے قرآن سنانے کے کسی اور مسئلہ
پر بات نہیں کرنی ۔ انھوں نے تحریر پیش کی، ہم نے تحریر پڑھی انھوں نے
(سنیوں نے) کہا تھا کہ شیعہ حافظ قرآن نہیں ہوتا، میں نے کہا کہ آپ لے آئے
ہیں حافظ قرآن ؟ ہاں جی ایک حیدر آباد سے لائے ہیں ایک لاہور سے لائے
ہیں، میں نے کہا کہ یہ واقعی شیعہ ہیں ؟ جی بالکل شیعہ ہیں، میں نے کہا مجھے کیا پتہ
ان کی پیشانی پر تو نہیں لکھا ہوا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ شیعہ مذہب کے ہیں ؟
کہنے لگے کہ جی ہاں، میں نے کہا کہ لکھیں۔ موجودہ قرآن جو ہے اس میں تحریف ہو گئی
اس نے کہا کہ میں تو نہیں لکھتا، میں نے کہا کہ پھر تو شیعہ ہی نہیں ہے، شیعہ تو اسے
کہتے ہیں جو تحریفِ قرآن کا قائل ہے، جب تو موجودہ قرآن کو (محرف) مانتا ہی
نہیں (تو تو شیعہ کیسے ہوا) کہنے لگا کہ جی یہ شیخ صدوق کون ہے ؟ بارہ امام جو
آپ مانتے ہیں ان میں سے کسی ایک سے ثابت کر دیں کہ یہ قرآن مکمل ہے، سب
اس کی تحریف کے قائل ہیں، آپ کی کتابوں کے مطابق، تو ائمہ معصومین سے آپ
کیوں بھاگ رہے ہیں ؟ آپ لکھیں کہ موجودہ قرآن جو ہے اس میں تحریف ہوئی
ہے، کہنے لگے کہ جی پہلے تو کہتے تھے کہ حافظ نہیں ہوتا آپ آ گئے تو کہتے ہیں
کہ قرآن کو مانتے ہی نہیں، میں نے کہا کہ پہلے آپ یہ لکھیں گے پھر ہم قرآن پاک سنیں گے،

ایک کہتا ہے کہ جی آپ کون سی سورت سنیں گے ؟ میں نے کہا کہ ہم کو ایسے ویسے
نہیں سننا ہے ہم دس قاری پیچھے کھڑے کریں گے پھر آپ کو پورا قرآن مصلے پر سنانا
ہوگا۔ یہ انھوں نے نہ مانا اور اٹھ کر چلے گئے۔"

لفظ اہلحدیث۔ اور۔ اصحاب حدیث، اُمتیوں کی کتابوں میں ایک علمی طبقہ کیلئے استعمال ہوا ہے

اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ ہم قرآن اور حدیث کے سوا کوئی بات نہیں مانتے، ہم ان سے کہتے ہیں کہ آپ اپنا نام۔ اہل حدیث۔ قرآن و حدیث سے ثابت کریں، ہم بانگ دہل کہتے ہیں کہ یہ اپنا نام قرآن و حدیث سے ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ نہ قرآن میں کسی فرقہ کا نام اہلحدیث ہے نہ حدیث میں کسی فرقہ کا نام اہلحدیث ہے، یاد رکھیں کہ ان کا نام ان کی کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، نہ قرآن میں کسی فرقہ کا نام اہلحدیث آیا ہے نہ کسی حدیث میں کسی مذہبی فرقہ کا نام اہلحدیث آیا ہے، ہاں امتیوں کی کتابوں میں لفظ اہلحدیث یا اصحاب حدیث آیا ہے لیکن وہ ایک علمی طبقے کیلئے ہے، اس فرق کو سمجھئے ایک ہے علمی طبقہ، ایک ہے مذہبی فرقہ، آپ مسلمان ہیں آپ کے یہاں جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی مسلمان ہے خواہ ابھی بولتا ہے یا نہیں بولتا، آپ کا پڑھا لکھا بھی مسلمان ہے ان پڑھ بھی مسلمان ہے، لیکن ایک لفظ ہے "مفسر" جو قرآن پاک کی تفسیر کرنے والا ہے، اب آپ کسی مذہبی فرقہ کا نام مفسر رکھ لیں کہ ان کا پڑھا لکھا بھی مفسر اور ان پڑھ بھی مفسر، عورت بھی مفسر، جاہل بھی مفسر، بچہ بھی مفسر، اندازہ لگائیں کہ یہ اس لفظ کا کتنا بڑا مذاق ہے، مفسر تو ایک علمی طبقہ کا نام ہے وہ کسی مذہبی فرقہ کا نام نہیں ہے، اب کوئی فریق اٹھ کر اپنے فرقہ کا نام اہل منطق رکھ لے، آتا کچھ بھی نہ ہو، اس کی بڑھیا بھی اہل منطق اور اس کا جاہل بھی اہل منطق تو یہ ایک مذاق ہے، اہل حدیث کا لفظ انگریز کے دور سے پہلے امتیوں کی کتابوں میں محدث کے معنیٰ میں آیا ہے، ان کو تو حق بھی نہیں اہلحدیث لکھنے کا کیونکہ یہ نام نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے تاہم اگر یہ حضرات اہل حدیث بمعنی محدث لیتے ہیں تو ان سے پوچھئے کہ محدث کی شرائط کیا ہیں ؟ کیا آپ کی ہر عورت میں وہ شرائط موجود ہیں ؟ آپ کے ہر بچہ میں وہ

شرائط موجود ہیں ؟ آپ کے ہر دکاندار میں وہ شرائط موجود ہیں، اگر وہ شرائط ثابت کردیں تو ٹھیک ہے ہم اسے محدث مان لیں گے اگر شرائط نہ ہوں تو جیسے مرزا بغیر شرائط کے امام مہدی ہے، مرزا بغیر شرائط کے مسیح موعود ہے تو جیسے مرزا کو مسیح موعود کہنے کا گناہ ہے اُتنا ہی ان کو اہل حدیث کہنے کا ہے۔

مُفتیٰ بہ کا معنیٰ فتیٰ عربی میں جوان اور مضبوط کو کہتے ہیں، اسی سے مفتیٰ بہ بنا ہے جس کے معنیٰ ہیں۔ پکا قول،

ذکر کی خوشبو مولانا مرحوم نے ایک دفعہ فضیلتِ قرآن پر تقریر کرتے ہوئے یہ واقعہ سنایا کہ:

"بہاولپور کا علاقہ ہے، وہاں دواساز علاقے میں میں گیا تو وہاں کے لوگ مجھے بتلانے لگے کہ یہ جو کمرہ ہے یہاں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح تشریف لائے تھے اور اس کمرہ میں تشریف فرمارہے تھے، حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تشریف لانے کے آٹھ سال بعد حضرت سلطان العارفین شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے تو اسی کمرہ میں حضرت کا قیام ہوا رات حضرت نے اسی کمرہ میں تہجد کی نماز ادا فرمائی، صبح اٹھ کر فرمانے لگے کہ کیا وجہ ہے کہ تین دیواروں سے ذکر کی خوشبو آتی ہے، ایک دیوار سے ذکر کی خوشبو نہیں آرہی ؟ یہاں کون بزرگ ٹھہرے تھے ؟ تو ہم نے بتایا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہاں ایک رات ٹھہرے تھے، اور واقعتاً یہ تین دیواریں وہی ہیں ایک گر گئی تھی جو بعد میں بنائی گئی، اب آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آٹھ سال بعد وہاں تشریف لے گئے ہیں اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر کی خوشبو ابھی وہاں موجود ہے اور جو دیوار نئی بنی تھی فرمایا کہ اس دیوار میں خوشبو نہیں ہے۔

قطب کے معنیٰ قطب کا لفظ تو آپ نے سنا ہے۔ شاید معنیٰ نہ یاد ہو بعض لوگوں کو، چکی چلتی دیکھی ہے کبھی ہاتھ سے، اس میں (نہ بیچ بیچ) ایک کیل ہوتی ہے اُسے

قطب کہتے ہیں، اگر وہ کیل نہ ہو تو چکی چل ہی نہیں سکتی، اولیاء اللہ میں ایک ولی اللہ اس مقام کا ہوتا ہے کہ تمام اولیاء اللہ اسی سے فیض حاصل کر رہے ہوتے ہیں اور فیضان اسی کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا سب کے پاس پہونچ رہا ہوتا ہے ایسے ولی اللہ کو قطب کہا جاتا ہے۔

چاروں مسلک برحق ہیں تو چاروں پر عمل کیوں نہیں؟

آج کل غیر مقلدین کی طرف سے یہ بات کثرت کے ساتھ اڑائی جاتی ہے کہ اصل فتنہ کی جڑ یہ چاروں مسلک ہیں (یعنی حنفی مالکی شافعی، حنبلی) نہ یہ ہوتے نہ اختلاف ہوتا اس لئے ان سب کو چھوڑ دینا چاہئے پھر بقول احناف کہ یہ چاروں مسلک برحق ہیں تو چاروں پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس سلسلہ میں مولانا نے اپنا کراچی کا ایک دلچسپ واقعہ تحریر فرمایا ہے جس سے ان دونوں سوالوں کا بہت خوبصورت جواب نکل آتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"جب میں کراچی میں تھا ایک دفعہ دس بارہ آدمی جن میں پروفیسر، وکیل اور ٹیچر تھے، آکر میرے پاس بیٹھ گئے کہ جی ہم سب پریشان ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ خیر کرے، کیا پریشانی ہے؟ (جب کوئی بڑوں کو چھوڑتا ہے تو پریشانی ساری عمر جان نہیں چھوڑتی۔ آخر مرزا قادیانی، مودودی اسی پریشانی ہی کی پیداوار تھے کہ بڑوں کو چھوڑا تو ساری عمر پریشان رہے) کہنے لگے کہ کیا کریں چار مذہب ہوگئے چار، چار۔ میں نے کہا کہاں! یہاں تو ہمیں صرف ایک ہی مذہب (حنفی) نظر آتا ہے۔ بھینگے کو بھی ایک کے دو نظر آتے ہیں۔ آپ کو ایک کے چار کیسے نظر آگئے؟ کہتے ہیں کہ کسی ملک میں ہوں گے۔ میں نے کہا پھر پریشانی ان کو ہونی چاہئے آپ کیوں پریشان ہیں؟ پوچھا کہ یہ چار مذہب کیوں ہوئے؟ میں نے کہا میں نے تو نہیں بنائے بلکہ پہلے سے چلے آرہے ہیں۔ آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں کوئی فیصلہ کر لیا ہوگا۔ بولے جی ہاں کہ چاروں کو ہی چھوڑ دیا جائے۔ میں نے کہا ذرا جلدی نہ کرنا۔ جو سات قاری ہیں قرأت میں ان کا اختلاف ہے تو یہ اختلاف بڑا ہے لہذا پہلے قرآن کو چھوڑو تاکہ نام بھی بڑا ہو اور کام بھی بڑا ہو۔ پھر صحاح ستہ میں بھی اختلافی احادیث ہیں۔ یہ بھی چار سے زائد ہیں

لہذا ان کو بھی چھوڑ دو ۔ پھر مذاہب اربعہ کو چھوڑ دینا ۔ اب خاموش ہو گئے ۔ ایک کہتا ہے جی کیا چاروں مذہب برحق ہیں ؟ میں نے کہا ہاں چاروں برحق ہیں ۔ پھر بولا کہ آپ ایک کے علاوہ دوسروں کی تقلید کیوں نہیں کرتے ؟ میں نے کہا کہ ہماری مرضی بولا مرضی کیوں ہے جب چاروں برحق ہیں تو باری باری آپ چاروں کی تقلید کیا کریں ۔ میں نے کہا کہ آپ کو چار سے بڑا ہی غصہ ہے ۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور سارے ہی برحق ہیں ۔ کہنے لگا ہاں ۔ میں نے کہا جمعہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری میں آپ جمعہ پڑھتے ہیں تو ہفتہ کے دن یہودیوں کے ہاں بھی جاتے ہیں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی برحق ہیں ۔ اور اتوار کے دن " گرجا " میں بھی جاتے ہو کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی برحق ہیں ۔ تو یہ سارے برحق ہیں لیکن تابعداری صرف محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں باقی سب کو بھی مانتے ہیں ۔ کہنے لگا وہاں ناسخ منسوخ کا مسئلہ ہے ۔ میں نے کہا یہاں راجح مرجوح کا مسئلہ ہے ۔ کہنے لگا کہ اگر چاروں برحق ہیں تو ان میں حرام و حلال کا اختلاف کیوں ہے ؟ میں نے کہا کہ اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں میں بھی حلال و حرام کا اختلاف تھا ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ ہوا ۔ اب حرام ہے حالانکہ وہ بھی برحق نبی ہیں اور حضور علیہ السلام بھی برحق نبی ہیں ۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں سگی بہن سے نکاح جائز تھا اور آج حرام ہے ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو بہنیں بیک وقت تھیں اور آج حرام ہے جبکہ حضرت آدم اور حضرت یعقوب علیہما السلام بھی برحق ہیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی برحق ہیں ۔ کہنے لگا کہ وہاں زمانوں کا اختلاف ہے میں نے کہا کہ یہاں علاقوں کا اختلاف ہے ۔ شافعی سری لنکا میں ہیں اور حنفی یہاں پر ۔ جیسے سارے نبی برحق ہیں ان کے عقائد میں کوئی اختلاف نہیں احکام میں اختلاف ہے اسی طرح چاروں اماموں میں بھی عقائد کا اختلاف نہیں البتہ احکام

میں اختلاف ہے کیونکہ امام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ایک امام کی تقلید میں پوری سنت کا اجر ملتا ہے۔

اب کہنے لگا کہ قرآن مکہ مدینہ میں آیا تھا نہ کہ کوفہ میں لہذا مکہ مدینہ والے امام کو ماننا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ سات قاریوں میں کی قاری کبھی تھا اور مدنی بھی جبکہ تم تو دن رات ، عاصم کوفی ، کی قرأت پڑھتے ہو لہذا تم سے بڑا کوفی کون ہے ؟ اس کا دماغ کچھ ٹھکانے لگا کہنے لگا کہ کوفہ والوں نے قرآن خود تو نہیں گھڑا تھا بلکہ صحابہؓ جب کوفہ آئے تو قرآن بھی لے آئے۔ میں نے کہا کہ جب قرآن مکہ مدینہ سے لائے تھے تو کیا نماز وہیں رکھ آئے تھے۔ کہنے لگا کہ نماز بھی وہیں سے لائے تھے۔ میں نے کہا کہ جب اول تم نے اہل کوفہ پر قرآن کے بارے میں اعتماد کیا ہے تو نماز کے بارے میں بھی اعتماد کرنا چاہیئے۔ ہمیں تو یہ نماز بھی الحمدللہ تواتر کے ساتھ پہونچی ہے، اور قرآن بھی تواتر کے ساتھ پہونچا ہے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے کہ ایک رافضی ہمارے قرآن کو غلط کہتا ہے اور دوسرا رافضی ہماری نماز کو غلط کہتا ہے۔

تقلید کی تعریف

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحؒ نے تقلید کی تعریف لکھی ہے۔
اتباع الهادایة درایةً (عقیدالجید) کتاب وسنت پر عمل کرنا ماہر شریعت کی رہنمائی میں۔

تقلید کا حکم

ہمارے نزدیک تقلید کا حکم یہ ہے کہ مطلق تقلید واجب بالذات ہے۔ اور تقلید شخصی واجب بالغیر ہے۔

سچے مسلک کی پہچان

ہمارا دین کامل ہے لہذا جو مسلک پورے مسائل بتا سکتا ہے وہ سچا ہے اور جو پورے مسائل نہ بتا سکے وہ مسلک سچا نہیں ہے۔

غیر مقلدین کا علمی حدود اربعہ

ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے ہمارے جامعہ میں بیان فرماتے وقت فرمایا :

غیر مقلدین کا علمی حدود اربعہ یہ ہے کہ یہ دلائل ابن حجرؒ اور نوویؒ سے سرقہ کرتے ہیں

اور زبان ابن حزم والی استعمال کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کو چیلنج میں نے بار بار یہ چیلنج کیا ہے کہ حضرت پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک ہی حدیث پیش کر دو جس میں حضرت نے فرمایا ہو کہ میری امت میں ایک فرقہ ہوگا جو اجماع امت کا منکر ہوگا، فقہ کا انکار کرے گا، قیاس شرعی کو نہیں مانے گا، میری امت کے مجتہدین کو شیطان کہے گا اور مقلدین کو مشرک کہے گا اس کا نام اہلحدیث ہوگا وہ جنتی فرقہ ہوگا، ایسی کوئی حدیث ہے تو ہمیں بھی لکھ کر دے دو، ہمیں پتہ تو چلے۔

غیر مقلدین کے حصہ میں کیا آیا! حضرت اوکاڑوی مرحوم مولانا محمد ابوبکر غازیپوری دامت برکاتہم کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان بیچارے غیر مقلدین کے حصہ میں قرآن پاک سے "متشابہات"، سنت سے "متعارضات"، فقہ سے "شواذات" اور تصوف سے "شطحیات" آئی ہیں یہی ان کا علمی حدود اربعہ ہے اور علمی کارنامہ یہ ہے کہ پہلا قدم اسلاف سے بدگمانی اور دوسرا قدم اسلاف پر بدزبانی گویا لعن اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَھَا کی مجسم تصویر ہے"

مزید تحریر فرماتے ہیں:

"جب ہم معجزاتِ مسیح کو پڑھتے ہیں تو ان کا ہر ہر معجزہ ہمیں دلیلِ توحید اختیاری نظر آتا ہے کیونکہ وہ خدا کی قدرت کا ظہور ہے لیکن جب عیسائی ان معجزات کو پڑھتے ہیں تو ایک ایک معجزہ کو شرک کی دلیل بنا لیتے ہیں کیونکہ وہ ان کو مسیح کا اختیاری فعل مانتے ہیں، بالکل اسی طرح جب ہم اپنے بزرگوں کی کرامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ہر کرامت دلیلِ توحید نظر آتی ہے کیونکہ ہر کرامت قدرت الٰہی کا آئینہ دار ہے۔ الدیوبندیہ کے مؤلف نے ہمارے بزرگوں کی کرامات کا

مطالعہ چونکہ عیسائی ذہنیت کے ساتھ کیا ہے اس لئے اس کو عیسائی عینک کی وجہ سے ہر طرف شرک ہی شرک نظر آیا۔

اختلاف کی قسمیں

مولانا مرحوم راقم کی ایک کتاب پر تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس دنیا میں اتفاق کے ساتھ ساتھ اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ اختلافات کی تین قسمیں ہیں (۱) ضروریات دین میں اختلاف، اس اختلاف کو اسلام اور کفر کا اختلاف کہا جاتا ہے، جیسے انکار ختم نبوت وغیرہ، اس اختلاف میں ہمارا امتیازی نام مسلمان ہے (۲) دوسرا اختلاف سنت اور بدعت کا اختلاف ہے، یہ اختلاف مسلمان کہلانے والوں کا اندرونی اختلاف ہے، اس میں ہمارا امتیازی نام اہلسنت والجماعت ہے اور ہمارے مخالف فرقے قدریہ، جبریہ وغیرہ اہلسنت سے خارج اور اہل بدعت میں شامل ہیں۔ (۳) تیسرا اختلاف اہل سنت والجماعت کے اندر فروعی اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے، یہ اختلاف صحابہ میں بھی تھا۔ ائمہ میں بھی، اس (اختلاف) میں جو خود اجتہاد کا اہل ہو اس پر اجتہاد واجب ہے اور جو اجتہاد کا اہل نہ ہو اس پر تقلید واجب ہے، اور جو شخص نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور نہ ہی تقلید کرے اُسے غیر مقلد کہتے ہیں، اس پر تعزیر واجب ہے، اِن (غیر مقلدین) میں سے ایک فریق نے تمام احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا، اور عوام میں اپنا نام اہل قرآن رکھ لیا، دوسرے فریق نے تقریباً اسّی فیصد ایسی احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا جن پر امت میں متواتر عمل ہوتا چلا آرہا ہے اور اس کے خلاف ایسی احادیث پر عمل شروع کیا جو عملی تواتر والی احادیث کے خلاف ہوں جیسے کوئی شخص متواتر قرآن کو چھوڑ کر شاذ قرأتوں کی تلاوت شروع کر دے، اور اس فرقے نے اپنا نام اہلحدیث رکھ لیا، اور اہل سنت والجماعت جو ان احادیث پر عمل کرتے ہیں جن پر عمل متواتر ہے ان کو اہل الرائے کہدیا، اور شاذ و متروک روایات پر عمل کرنے کا نام عمل بالحدیث رکھ لیا۔

انبیاء کرام کی بنیادی صفات

چند ساتھیوں نے مولانا سے نصیحت لکھنے کی فرمائش کی تو تحریر فرمایا:

صـ۱۲ پر دیکھئے

محمد اجمل مفتاحی

نورالدین نوراللہ الاعظمی

کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو منصب شریعت حاصل ہے!

خط اور اس کا جواب

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید کہ مزاج سامی بخیر ہوگا۔

آپ کے رسالہ زمزم اور بعض کتابوں میں مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ "مذہب اہلحدیث" کا ذکر پڑھا۔ مذہب اہلحدیث کی حقیقت جاننے کیلئے میں نے اس کو ایک جگہ سے حاصل کیا اور اس کو پڑھا، اس رسالہ میں ص۷۴ میں یہ عبارت ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا بلکہ کل اہل اسلام کا یہی مذہب ہے کہ سوائے رسول اللہ کے منصب شریعت کسی کو حاصل نہیں۔ (مطبوعہ سیم پریس امرتسر بماہ اگست ۱۹۱۵ء)

"منصب شریعت" کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ جسے یہ منصب حاصل ہوگا اسے حلال و حرام کا حق حاصل ہوگا جس چیز کو چاہے حلال کرے اور جسے چاہے حرام کرے۔ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بریلویوں کا یہی عقیدہ تو ہے۔

مولانا امرتسری صاحب کا مذکورہ عقیدہ کو تمام اہل اسلام کا عقیدہ بتلانا کیا درست ہے؟

براہ کرم آپ اس پر روشنی ڈالیں۔

لئیق الزماں انصاری کانپور

۹/جولائی ۲۰۰۲ء

ناظرین!

مجھے آپ کا خط پڑھ کر بہت تعجب ہوا تھا، اس وجہ سے کہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ایک جید الاستعداد اور پختہ صلاحیت کے عالم تھے، جماعتِ اہلحدیث میں ان کا بہت اونچا مقام ہے اور وہ اس جماعت کے شیخ الاسلام تھے۔ مجھے قطعاً امید نہیں تھی کہ مذکورہ بالا جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اور جس کے مضمون کو مولانا امرتسری نے جماعتِ اہلحدیث اور کل اہل اسلام کا عقیدہ بتلایا ہے، وہ عبارت ان کے قلم سے نکلی ہوگی۔ اس لئے مجھے خود اس رسالہ کو دیکھنا پڑا، مجھے وہاں یہ عبارت نظر آگئی اور اس کے ایک سطر بعد مولانا امرتسری نے آنحضور کی شان میں جو قوالی گائی ہے وہ بھی نظر آئی، آپ نے اس قوالی کو نقل نہیں کیا میں ناظرین زمزم کی ضیافت کیلئے وہ قوالی نقل کرتا ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں:

بابا کے ہاں سے کون لایا — جس نے پایا یہیں سے پایا

گو غوث وقطب و مقتدا ہے — وہ بھی اسی در کا گدا ہے

مولانا امرتسری نے مذکورہ عبارت میں اپنے جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے یعنی۔ سوائے رسول اللہ کے منصب شریعت کسی کو حاصل نہیں" یا اپنی قوالی میں جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ جس نے پایا یہیں سے (یعنی آنحضور ہی سے) پایا اور غوث وقطب اسی در کے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در کے گدا اور سوالی ہیں، یہ غیر مقلدین کا عقیدہ ہو تو ہو (اور نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں جب مولانا امرتسری خود ہی اس کو اہلحدیث کا عقیدہ بتلا رہے ہیں) لیکن ان کا یہ کہنا کہ یہی مذہب اور عقیدہ کل اہل اسلام کا ہے، بالکل غلط اور باطل ہے، یہ عقیدہ شیعوں اور بریلویوں کا تو ہے مگر اہل سنت والجماعت میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو منصب شریعت حاصل ہے یا یہ کہ جس نے جو کچھ پایا ہے آنحضور ہی سے پایا ہے اور سارے انسان آنحضور ہی کے در کے گدا ہیں، تمام اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت کا منصب صرف اللہ کو حاصل ہے اور شارع حقیقی اللہ کی ذات کے سوا کوئی دوسری ذات نہیں ہے نہ اللہ کے سوا خواہ پیغمبر ہو یا ولی کوئی کسی کو دیتا لیتا ہے، یا یہ کہ انسان کو اللہ کا در چھوڑ کر کسی مخلوق کے

در پر سوالی بن کر کے جانا اور اس در کا گدا ہونا جائز اور روا ہے۔

اس قسم کا عقیدہ رکھنے والا اہلحدیث ہونا تو اس کا در کنار اہلسنت والجماعت کا فرد بھی نہیں شمار ہو سکتا، اس عقیدہ میں کھلا ہوا شرک موجود ہے، اللہ تعالیٰ مولانا امرتسری کو معاف فرمائے۔ ان کے قلم سے کیسے اس طرح کی خطرناک بات نکلی، معلوم نہیں وہ کس عالم جذب وسکر میں تھے کہ اس شرکیہ عقیدہ کو انھوں نے اپنا عقیدہ اور مذہب قرار دیا۔

منصب شریعت کا اختیار کس کو ہے، یعنی شارع حقیقی کون ہے، کیا اللہ کے سوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔ جیسا کہ بریلویوں کا عقیدہ ہے (اور اب یہ معلوم ہوا کہ یہی عقیدہ ان لوگوں کا بھی ہے جو اپنے کو اہلحدیث کہلاتے ہیں) اس موضوع پر مفصل بحث محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے اپنے مشہور رسالہ "شارع حقیقی" میں کی ہے۔ (۱)

مولانا اعظمیؒ فرماتے ہیں :

"تحلیل و تحریم کے اشیاء کے باب میں تحقیقی مسلک یہ ہے کہ یہ تنہا خدائے تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے، کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا صرف اسی کا کام ہے، وہ اس میں منفرد ہے اور یہ خالص اسی کا حق ہے کسی دوسرے کو اس میں کسی نوع سے دخل نہیں ہے نہ بالذات کسی کو یہ اختیار حاصل ہے، نہ تفویض الٰہی، چنانچہ شیخ محقق کمال الدین ابن الہمام حنفی تحریر میں فرماتے ہیں۔ الحاکم لاخلاف فی ان اللہ رب العٰلمین (ص ۸۹/۹۲) اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ

---

(۱) یہ رسالہ مولوی سید محمد کچھوچھوی کے ایک رسالہ کا رد ہے، جس میں کچھوچھوی صاحب نے یہ ثابت کیا تھا کہ اللہ کی طرح آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی حلال و حرام کرنے کا حق حاصل ہے مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کا نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے، مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ اور علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں
لکھتے ہیں لاحکم الا من اللہ تعالیٰ ص۱۲ حکم صرف اللہ ہی کی جانب سے ہوتا ہے"
مولانا اعظمیؒ اس کے مابعد فرماتے ہیں :

یہ معلوم اور کتب اصول فقہ میں مصرح ہے کہ تحلیل اور تحریم حکم تکلیفی کی قسمیں
ہیں اور حکم تکلیفی کی تعریف یہ ہے ۔ خطاب اللہ تعالیٰ المتعلق بافعال
المکلفین طلبا او تخییرا (یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم جو افعال مکلفین سے متعلق
ہو بطور طلب یا تخییر کے)

محدث اعظمیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کو دلائل شرعیہ کی روشنی میں بہت محققانہ
انداز میں اُجاگر کیا ہے ۔ اور اس پر جو شبہات وارد ہوئے ہیں اس کا بہت محققانہ جواب
بھی دیا ہے ، ایک جگہ تحفہ اثنا عشریہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی
بات کی تائید میں یہ عبارت پیش کی ہے ۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :

مذہب صحیح آنست کہ امر تشریع مفوض بہ پیغمبر نمی باشد
یعنی صحیح مذہب یہ ہے کہ تشریع کا معاملہ پیغمبر کے سپرد نہیں ہے

ایک جگہ اور شاہ صاحب فرماتے ہیں :

بدیہی است کہ امام بلکہ نبی نیز شارع نیست شارع حق تعالیٰ است
یعنی یہ بات بدیہی ہے کہ امام بلکہ نبی بھی شارع نہیں ہے شارع حق تعالیٰ ہے ۔

تمام اہلسنت والجماعت اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا یہی مذہب ہے ۔ حضرت اعظمیؒ
نے اس بارے میں اہل حق کا مسلک ذکر کرنے اور اس کو اقوال علماء کی روشنی میں واضح کرنے
کے بعد نہایت تفصیل سے کتاب وسنت سے بھی اس بات کو ثابت کیا ہے کہ شریعت کا منصب
صرف اللہ کو حاصل ہے ، پیغمبر کا کام اللہ کی بات بندوں تک پہونچانا ہے اپنی طرف سے کسی
چیز کا حلال کرنا یا حرام کرنا ان کا منصب نہیں ہے ، کبھی نبی اللہ کی بات بذریعہ وحی متلو
پہونچاتا ہے ؛ جسے قرآن کہا جاتا ہے اور کبھی نبی اللہ کے احکام کو بندوں تک وحی غیر متلو کے

ذریعہ پہونچا تاہے جسے سنت کہا جاتا ہے۔حکم اللہ کا ہوتا ہے نبی اس حکم کا مبلغ ہوتا ہے۔
اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں ہے جیسا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ نبی کو منصب شریعت حاصل ہوتا ہے۔ مولانا کی یہ بات کتاب وسنت اور اقوال علماء کی روشنی میں بالکل غلط ہے، مولانا اعظمی کا رسالہ پڑھنے کے بعد اس بارے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، آپ کو مولانا اعظمیؒ کے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور کر لینا چاہئے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب کی عبارت بڑی خطرناک ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ:

"سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منصب شریعت کسی کو نہیں"

یعنی مولانا کے نزدیک معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ منصب حاصل نہیں ہے، یہ منصب صرف رسول کو حاصل ہے۔ یہ بات تو کوئی جاہل بھی نہیں کہے گا۔مولانا ثناء اللہ صاحب جیسا فاضل عالم اور جماعت اہلحدیث کا شیخ الاسلام کیسے کہہ رہا ہے، اور پھر قوالی گا گا کر اس بات کو مزید پختہ کیا جارہا ہے۔

مولانا آگے فرماتے ہیں:

"جو بات ایک سائل معمولی علم والوں کو سمجھ میں نہ آوے وہ مجتہد سمجھ سکتے ہیں مگر ایجاد حکم کا منصب ان کو نہیں"

یعنی مولانا یہ فرمارہے ہیں کہ مجتہد کو ایجاد حکم کا منصب نہیں ہوتا، یہ منصب رسول کا ہے حالانکہ جس طرح مجتہد ایجاد حکم کا منصب نہیں رکھتا رسول کو بھی یہ حق اور منصب حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی شرعی حکم ایجاد کرے، اس کا منصب صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا حکم بندوں تک پہونچا دے جیسا کہ اوپر شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا حکم الٰہی اپنے اوپر شہد حرام کر لی تو اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك یعنی اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کیلئے حلال کیا ہے۔

اگر نبی کو بھی ایجاد حکم کا منصب حاصل ہوتا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے شہد کے حرام کرنے پر اللہ کی طرف سے یہ تنبیہ کیوں نازل ہوئی۔

یہ آیت تو میں نے اپنی طرف سے پیش کی ہے۔ مولانا اعظمی نے بہت سی آیات، روایات اور واقعات کی روشنی میں یہ بتلایا ہے کہ حاکم صرف اللہ ہے اور کسی چیز کو حلال و حرام کرنا صرف اسی کا اختیار ہے، کسی نبی کو جائز اور ناجائز اور حلال و حرام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے حکم شرعی کی موجد صرف اللہ کی ذات ہے کسی نبی یا مجتہد کو ایجاد حکم کا حق حاصل نہیں ہے۔

مولانا امرتسری کے اس رسالہ میں اور بھی بہت سی قابل مواخذہ باتیں جن کا ذکر باعث طوالت ہے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ انھوں نے قرآن کی اس آیت فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

جب تک لوگ ہر مذہبی بات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نہ ہوں گے کبھی مسلمان نہ بن سکیں گے۔

معلوم نہیں مولانا امرتسری نے ہر مذہبی بات کی قید کا یہ اضافہ کیوں کیا؟ گویا مولانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضور کی تابعداری صرف عبادات ہی میں فرض ہے، غیر عبادت میں فرض نہیں ہے، ورنہ پھر مولانا بتلائیں کہ وہ کونسی غیر مذہبی بات ہے جس میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعداری فرض نہیں ہے۔ دین نام ہے عقائد، عبادات، معاملات سب کے مجموعہ کا اور یہ سارے امور مذہبی ہیں۔

مولانا نے اس آیت کا یہ ترجمہ ایک خاص ذہن و فکر کے ساتھ کیا ہے جس کا نام غیر مقلدیت ہے، گویا وہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ مقلدین مذہبی معاملات میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تابع نہیں ہوتے۔ اس آیت کا صحیح ترجمہ اور مطلب ملاحظہ ہو جس سے آشکارا ہوگا کہ مولانا کا ترجمہ غلط ہے۔

شیخ الہند علیہ الرحمہ اس آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔

"سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی"

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ مولانا کا یہ فرمانا کہ سوائے نبی کے کسی کو منصب شریعت حاصل نہیں ہے، یہ صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ نبی کو منصب شریعت حاصل ہے اور نبی احکام شرعیہ کا موجد ہوتا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت کا معاملہ کتنا نازک ہے اور اگر مسائل شرعیہ میں ہر شخص دخل دینے لگے اور خود مجتہد بن کر کتاب وسنت کے سمجھنے کا بار اٹھائے تو وہ کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتا ہے، اسی وجہ سے محتاط علمائے دین کا یہ فرمان ہے کہ شرعی معاملات میں ہمیشہ متقدمین اہل علم اور اسلاف امت پر اعتماد کرنا چاہیئے، ہر شخص کو یہ حق نہیں ہے خواہ وہ اپنے زعم میں کتنا بڑا بھی علامہ ہو کہ وہ شرعی معاملات میں دخل اندازی کرے۔

نورالدین نوراللہ الاعظمی

نوٹ

آپ کا خط مولانا غازی پوری کے نام تھا، مولانا کی مشغولیت کی وجہ سے مجھے جواب لکھنے کا حکم ہوا۔

اور اس کی تفسیر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی منافق لوگ کس خیال میں ہیں اور کیسے بیہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں ان کو خوب سمجھ لینا چاہیئے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول اپنے تمام چھوٹے بڑے مالی وجانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلہ اور حکم سے ان کے جی میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کرلیں اس وقت تک ہرگز ان کو ایمان نصیب نہیں ہوسکتا،

اس آیت کا تعلق مذہبی معاملات سے نہیں ہے بلکہ ایک یہودی اور منافق کے جھگڑے سے تھا، یہودی نے آنحضورؐ کو اپنا حکم تسلیم کیا تھا مگر منافق کو آنحضورؐ کے فیصلہ سے تنگی پیدا ہوئی تھی۔

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

نواب صاحب بھوپالی کے خلاف سلفی نوجوانوں کا غم وغصہ

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی، آج شیخ ملکانی ملا زعفرانی اور سلفی بجرانی مشائخ کی دارالسلفیہ محلہ بجرانیاں میں ایک مجلس جمی تھی جس میں کسی بہت ہی خاص موضوع پر بحث ہورہی تھی، آواز دارالسلفیہ کے صحن تک سنائی دے رہی تھی۔ کچھ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے یہ مشائخ کرام کس خاص مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے۔

باپ ۔ بیٹا، ایک خاص مسئلہ چند روز سے ہمارے مشائخ کرام کیلئے باعثِ تشویش بنا ہے اسی سلسلہ میں ان حضرات کی میٹنگ تھی۔ ہمارے کچھ نوجوانوں کا مطالبہ ہے کہ نواب صدیق حسن خاں کو اپنی جماعت کے اکابر کی فہرست سے خارج کردیا جائے۔

بیٹا ۔ اباجی میرے کان میں بھی کچھ اس قسم کی بات پہونچی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ان سلفی نوجوانوں کو ہوا کیا ہے، وہ کیوں اس قسم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

باپ ۔ بیٹا وہ کہتے ہیں کہ نواب صاحب کا سارا علم یمنی ہے، ہم سلفی لوگوں کو مکہ اور مدینہ والا علم چاہیئے۔

بیٹا ۔ اباجی ۔ ان نوجوانوں نے یہ بے تکی بات کہاں سے نکالی ہے؟

باپ ۔ بیٹا۔ ان کے پاس نواب صاحب کی غزلوں کا دیوان پہنچ گیا ہے جس کو ہم لوگوں نے بہت چھپایا تھا مگر کہیں سے اس کا کوئی نسخہ ان کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اس میں نواب صاحب کے بہت سے اشعار ہمارے مسلک کے خلاف ہیں اور ان کا عقیدہ بریلویوں اور دیوبندیوں والا معلوم ہوتا ہے، اسی دیوان میں نواب صاحب کا یہ شعر بھی ہے۔

نگردد علم سنت بے تلاش درد دل حاصل
برنگ خامہ گریاں در دبستان یمن رفتم

اس شعر پر نوجوانوں میں سخت اشتعال ہے، نواب صاحب فرماتے ہیں کہ علم سنت کیلئے پہلے درد دل حاصل کرنا ہوگا یعنی آدمی کو تصوف کی لائن میں آنا ہوگا، حالانکہ تصوف ہمارے سلفی نوجوانوں کے نزدیک ساری برائیوں کی جڑ ہے اور پھر نواب صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے علم سنت اور درد حاصل کرنے کیلئے یمن کے مدرسہ کا رخ کیا ہے، یعنی قاضی شوکانی سے استفادہ کیا ہے۔ نوجوان کہتے ہیں کہ علم سنت کا مرکز مکہ اور مدینہ تھا نہ کہ یمن، یمن میں تو شیعوں کی ہمیشہ حکومت رہی ہے، قاضی شوکانی کا تعلق بھی جیسا کہ لوگ کہتے ہیں زیدی شیعہ فرقہ سے ہے۔ یمن کے مدرسہ سے علم حاصل کرنے والا سلفی نہیں ہو سکتا ہے۔ نہ اسے سلفیت کے مجدد کے مقام پر فائز کیا جا سکتا ہے۔

بیٹا ۔ تو ابا جی، ہمارے ان مشائخ نے کیا فیصلہ کیا، کیا ان نوجوانوں کا مطالبہ تسلیم کر لیا گیا؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

نواب صاحب اور ان کا کام

بیٹا ۔ ابا جی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی نواب صاحب کو ہندوستان میں رہ کر زکام کیوں ہو جاتا تھا؟ کیا
یہاں کی آب و ہوا ان کے مزاج کو راس نہیں آتی تھی؟

باپ ۔ بیٹا۔ نواب صاحب کے بارے میں تمہاری یہ بات میرے لئے بالکل نیا
انکشاف ہے تم کو یہ اطلاع کس نے فراہم کی ہے؟

بیٹا ۔ اباجی ۔ یہ اطلاع میرے لئے کسی کی فراہم کردہ نہیں ہے، بلکہ میں نے نواب صاحب
کے اشعار کے دیوان میں اسے پڑھا ہے، دیکھئے نواب صاحب کا یہ شعر
وہ فرماتے ہیں

زکامم میرسد از نکہت آرا ہندوستاں
بشوق بوے شوکاں در گلستان یمن رفتم

دیکھئے نواب صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں ہندوستان میں ہوتا ہوں تو
مجھے زکام ہو جاتا ہے اسلئے میں علاج کیلئے یمن چلا جاتا ہوں ۔

باپ ۔ بیٹا، تمہاری فارسی مولانا غازی پوری دیوبندی کی طرح بہت کمزور ہے
تم نے اس شعر کا بالکل غلط ترجمہ کیا ہے اور اس کا مطلب بھی غلط سمجھا ہے ۔

بیٹا ۔ تو اباجی مجھے اس کا صحیح مطلب سمجھا دیجئے اور اس شعر کا صحیح ترجمہ کر دیجئے ۔

باپ ۔ بیٹا شعر کا صحیح ترجمہ یہ ہے :

ہندوستان میں جو فقہی آراء ہیں ان سے مجھے زکام لاحق ہو جاتا ہے میں شوکان کی
مہک کے شوق میں یمن کے گلستاں (باغ) میں جاتا ہوں ۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان میں فقہی مسائل کا جو رواج ہے اس سے
نواب صاحب کی طبعیت کبیدہ خاطر رہا کرتی تھی، ان کا مزاج برہم رہا کرتا تھا،
اس کے علاج کیلئے وہ قاضی شوکاں کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور یمن کے علمی
باغ کی سیر کیا کرتے تھے ۔

بیٹا ۔ اباجی، نواب صاحب کا مزاج یمن ہی کے گلستاں کی سیر سے کیوں درست ہوتا تھا
مکہ اور مدینہ کے گلستاں کے سیر کی خواہش ان کے دل میں کیوں نہیں پیدا ہوتی تھی؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

ڈاکٹر رضاءاللہ مبارکپوری کا دن دھاڑے ڈاکہ

بیٹا۔ اباجی،

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا   اباجی ہمارے پی ایچ ڈی سلفی جمع سالف رضاءاللہ مبارکپوری کب سے ڈاکو ہو گئے ہیں؟

باپ۔ بیٹا، ڈاکٹر صاحب جامعہ سلفیہ بنارس کے نہایت ہی مؤقر استاذ ہیں، وہ ڈاکو نہیں ہیں

بیٹا۔ ہیں اباجی۔ ڈاکو، وہ دن دھاڑے ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

باپ۔ بیٹا، اپنی جماعت کے لوگوں کے بارے میں اس طرح کی باتیں نہیں کرتے، ان جیسے الفاظ کا استعمال ہم لوگ صرف مقلدین کے لئے کرتے ہیں۔

بیٹا۔ اباجی مگر حق بات تو حق بات ہے، جو ڈاکو ہوگا اس کو ڈاکو کہا جائے گا، پی ایچ ڈی سلفی جمع سالف نے زبردست ڈاکہ ڈالا ہے، اس لئے وہ ڈاکو ہیں۔

باپ۔ بیٹا ہوا کیا، آخر ڈاکٹر صاحب سے بدگمانی کی وجہ کیا ہے؟

بیٹا۔ اباجی، بدگمانی نہیں حقیقت، دیکھئے، وہ لکھتے ہیں۔

> یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ برصغیر ہند میں تاریخ دعوت وعمل بالکتاب والسنہ جس کو دوسرے واضح لفظوں میں سلفی دعوت بھی کہا جاتا ہے، قدیم ہے۔ البتہ اس کی نشأۃ ثانیہ اس وقت ہوئی الخ۔"

اس کے بعد بتلایا ہے کہ نشأۃ ثانیہ کا وقت وہ تھا جب اندھی تقلید کا رواج ہوا اور مسلمانوں میں ذہنی جمود وتعصب پیدا ہو گیا، فقہاء کے کتاب الحیل پر عمل ہونے لگا صوفیانہ عمل رواج پزیر ہوا وغیرہ۔

باپ۔ بیٹا ڈاکٹر صاحب کی بات تو بالکل تاریخی حقیقت ہے آخر اس میں ڈاکٹر صاحب کے ڈاکہ ڈالنے کی بات کہاں سے آگئی؟

بیٹا   اباجی اس کے بعد لکھا ہے کہ:

" اس پرآشوب وپرفتن دور میں مجدد الف ثانی، اور محدث عبدالحق دہلوی کی جانب سے

عمل بالکتاب والسنہ کی بازگشت سنائی دیتی ہے جس میں محدث شاہ ولی اللہ نے روح پھونکی
تو ایک مستقل آواز بن کر سنائی دی۔ (اشاعۃ السنہ دہلی (جنوری، فروری ۱۹۰۲ء)
ربا جی، مجدد۔ الف ثانی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کا پورا
خاندان سب کے سب حنفی، ان کے عمل بالکتاب والسنہ کی کوششوں اور کاوشوں کو سلفیت
کی نشأۃ ثانیہ قرار دے کر ان تمام حنفی عالموں کی محنت کو اپنے کھاتہ میں ڈالنا یہ دن دھاڑے
ڈاکہ نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟

باپ ۔ بیٹا ، ذرا کان قریب کرو اور میری بات سنو، بات یہ ہے کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے
ہمارا وجود ہی نہیں تھا، اس لئے ہمیں سلفیت کی دعوت کی نشأۃ ثانیہ کے لئے حنفی علماء
کے کارناموں کو اپنے کھاتہ میں ڈالنا ہی پڑے گا۔

بیٹا ۔ تو ابا جی کیا یہ ڈاکہ زنی نہیں ہے، اور سلفی جمع سالف ڈاکو نہیں ہوئے ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

حنفیہ کے خلاف غیر مقلدین کی حکمت عملی والی میٹنگ

بیٹا ۔ ابا جی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ ابا جی، مولانا غازی پوری کی کتابیں بڑی اہم اور ہمارے فرقہ کیلئے بڑی خطرناک
ہیں کیا ؟

باپ ۔ کیا ہوا بیٹا ؟

بیٹا ۔ ابا جی ، یہ کتابیں پی ایچ ڈی رضاء اللہ کے سر پر جنات کی طرح سوار ہیں، ان کے ہر
مضمون میں ان کا تذکرہ ملتا ہے اور وہ ان کتابوں کو ذریعہ بنا کر مولانا غازی پوری کے
بارے میں شریفوں والے لب ولہجہ میں گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔

باپ ۔ بیٹا ان کتابوں نے تو ہم جماعت اہلحدیث کی سلفیت کا راز طشت ازبام کر دیا ہے اور
ساری سلفیت کرکری ہو کر رہ گئی ہے ۔ ہمارا سارا سلفیت کا دعویٰ دھڑام دھڑام ہوتا

چلا جاتا ہے۔ ہم نے بڑی کوشش سے اور بڑا داؤں پیچ لگا کر سعودیوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اپنے کو سعودیوں جیسا سلفی باور کرانے کی جھوٹ سچ کوشش کی تھی مگر غازی پوری کی کتابوں نے ہمارے سارے کئے دھرے کا ناس کر دیا، اور لوگوں کے سامنے ہمارا آئینہ پیش کر دیا۔

بیٹا۔ تو اب ہماری کوشش کیا ہے اباجی کہ غازی پوری کی کتابوں کا اثر زائل ہو۔

باپ۔ بیٹا، ہماری جماعت کے ذمہ داروں کی میٹنگ ہوئی تھی۔ شیخ کلو، شیخ ہزیانی، صوفی ذیشان، اور شیخ تعالیٰ حفظہ اللہ وغیرہ بیٹھے تھے۔ طے پایا کہ ڈاکٹر رضا اللہ اور ایسے چند لوگوں کو جماعت کے مختلف پرچوں میں مضمون نگاری کے لئے لگا دیا جائے ان کا اس پر زور صرف ہو کہ مولانا غازی پوری کی کتابوں میں کتر بیونت، خیانت ہے آگے پیچھے کا حصہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر حوالوں میں آگے پیچھے کا حصہ جوڑ دیا جائے تو ہماری سلفیت خالص سعودیوں والی سلفیت ہو جائے گی۔ اب بیچارے رضا اللہ اور ان جیسے اصحاب قلم اسی رنگ کی مضمون نگاری کر رہے ہیں، مثلاً دیکھو وہ لکھتے ہیں:

"علماء یہود اپنی کتابوں میں آگے پیچھے کی عبارتوں پر ہاتھ رکھ کر من پسند حکم سنا دیتے تھے بالکل یہی طریقہ موصوف (غازی پوری) نے بھی اپنی کتاب میں اپنایا ہے آگے پیچھے کی عبارتوں کو حذف کر کے صرف انھیں عبارتوں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن سے مخالفت کا پتہ چلتا ہے"

(اشاعۃ السنۃ جنوری فروری ۲۰۰۱ء)

بیٹا۔ اباجی اگر ہمارے علماء کی عبارت ایسی ہو کہ جس کا آگا پیچھا ہی نہ ہو، اور اس میں ایسی باتوں کا بیان ہو جو عربوں والی سلفیت کے بالکل خلاف اور رد ہو تو اس کا جواب ہمارے ڈاکٹر صاحب کے پاس کیا ہوگا۔ مثلاً نواب صاحب فرماتے ہیں

قسم بشاہ رسالت قسم بشوکت او — کہ نیست در سر من جز ہوائے سنت او

آنحضور کی ذات کی قسم کھانا نیز آپ کی شوکت کی قسم کھانا تو عربوں والی سلفیت میں شرک ہے

من حلف بغیر اللہ فقد اشرك حدیث میں بھی ہے مگر ہمارے یہاں جائز ہے اگر جائز نہ ہوتی تو ہمارا اتنا بڑا محدث اور عالم غیر اللہ کی قسم نہ کھاتا ۔ یہ پورا شعر ہے اس میں آگے پیچھے کا سوال نہیں ہے ، تو اس کا جواب رضاء اللہ صاحب کیا دیں گے ؟

نیز نواب صاحب فرماتے ہیں کہ :

زمرۂ رائے درافتاد بارباب سنن — شیخ سنت مددے قاضی شوکاں مددے

اس شعر میں غیر اللہ یعنی قاضی شوکاں سے خاں صاحب مدد طلب کر رہے ہیں ، یہ بھی عربوں والی سلفیت میں شرک ہے ، یہ بھی پورا شعر ہے یہاں بھی آگے پیچھے کا سوال نہیں رضاء اللہ صاحب اس کا کیا جواب دیں گے ۔

نواب صاحب فرماتے ہیں :

گفت نواب غزل درصفت سنت تو — خواجہ دیں صلہ قبلہ پاکاں مددے

یہ بھی پورا شعر ہے ، اس میں بھی آگے پیچھے کا سوال نہیں ، اس شعر میں نواب صاحب نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی ہے ۔ یہ بھی سعودی سلفیوں کے یہاں شرک ہے ، اس کا جواب پی ایچ ڈی صاحب کیا دیں گے کیا لوگوں کی نگاہ میں دھول جھونکیں گے

ابا جی ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

ص ۶۴ کا بقیہ ۔

روانہ ہوئے ، آج ہی رات پونے بارہ بجے جنوبی افریقہ کے لئے جدہ سے روانہ ہونا تھا ۔ راستہ میں بھائی تسنیم صاحب نے " البیك " والی دوکان سے اس کا مشہور پکا ہوا مرغ اس کے لوازم کو لے کر میرے ساتھ کر دیا اسلئے کہ میں قاری صاحب کے گھر کھانا کھانے سے معذرت کر دی تھی ۔

(قسط اول)

محمد ابوبکر غازیپوری

جنوبی افریقہ کا ایک سفر

جولائی کے آخری عشرہ کی کوئی تاریخ تھی، رات ساڑھے دس بجے کا وقت تھا اور میں سونے کی تیاری میں تھا کہ میری چھوٹی بچی ام سلمہ نے بتلایا کہ ساؤتھ افریقہ سے کسی کا فون ہے، میں یہ سوچتا ہوا فون کے کمرہ میں گیا کہ کس کا فون ہو سکتا ہے، فون اٹھایا تو میرے ڈابھیل کے زمانہ کے عزیز ترین شاگرد مولانا مفتی سعید متارا[1] فون پر تھے اور علیک

---

(۱) مولانا مفتی سعید متارا زمانہ طالب علمی ہی میں بہت سنجیدہ محنتی ذی صلاحیت تھے، تمام اساتذہ کے منظور نظر تھے، مجھ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ اس زمانہ کے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے بہت خوش رہا کرتے تھے، غالباً کسی موقع پر انھوں نے انھیں کے بارے میں یہ جملہ فرمایا تھا کہ اگر میرے جامعہ میں صرف مولوی سعید متارا رہیں تو بھی میں سمجھوں گا کہ جامعہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مفتی سعید متارا کس قسم کے طالب علم تھے، اس وقت ماشاء اللہ ساؤتھ افریقہ کے مشہور علمی درسگاہ دارالعلوم آزادویل میں درجہ علیا کے کامیاب مدرس اور صدر شعبہ افتاء ہیں ساؤتھ افریقہ میں ان کے فتووں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اللہ نے ان کو وہاں بڑی مقبولیت اور محبوبیت سے نوازا ہے۔

وسیلکس کے بعد وہ مجھے ساؤتھ افریقہ آنے کی دعوت دے رہے تھے، تقریباً تیس سال بعد اپنے عزیز شاگرد کی کان میں آواز پڑی تو بے انتہا خوشی ہوئی، خود مولوی سعید بہت خوش تھے اور کہہ رہے تھے کہ آپ کی آواز سن کر اور آپ سے بات کر کے بہت خوشی ہو رہی ہے انھوں نے بتلایا کہ آپ کا زمزم یہاں آتا ہے، ہم لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں، یہاں بھی سلفیت کا فتنہ اپنے بال و پر نکال رہا ہے اس لئے ہماری خواہش ہے کہ ساؤتھ افریقہ کا آپ کا سفر ہو تاکہ یہاں کے اہل علم اور عام لوگ آپ سے استفادہ کریں، مزید فرمایا کہ اس وقت آپ صرف دعوت قبول کرلیں، سفر کے سلسلہ کی پوری تفصیل بذریعہ خط بھیجی جائے گی۔

اپنے اس عزیز شاگرد کی اس مخلصانہ دعوت کو نہ قبول کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا میں نے کہا کہ انشاء اللہ میں رجب کے آخر میں یہ سفر کرسکوں گا، میرے عزیز دوست مولانا مفتی ابوالقاسم بنارسی دامت برکاتہم اس زمانہ میں ساؤتھ افریقہ میں تھے، چند روز بعد ان کی واپسی ہوئی تو ان کے ہاتھ مفتی سعید متالا سلمہ، کا تفصیلی خط ملا، جی چاہتا ہے کہ اس خط کا ابتدائی حصہ یہاں نقل کر دیا جائے، اس سے میرے بارے میں ان کے جذبات و احساسات کا اندازہ ہوگا، اور یہ اسلئے بھی کہ آج استاذ اور شاگردوں کا یہ تعلق جس کا اظہار مفتی سعید سلمہ کے خط میں ہے ختم ہو رہا ہے، طلبائے مدارس اس سے سبق سیکھیں، عزیزم سلمہ، لکھتے ہیں:

۱۵ رجمادی الاولی ۱۴۲۳ھ — باسمہ سبحانہ
۲۶ر جولائی ۲۰۰۲ء — تعالیٰ

من خادمك وتلميذك الحقير محمد سعيد افريقي غفرله ولوالديه

الى استاذی ومشفقی حضرت اقدس مولانا ابوبکر صاحب غازیپوری دامت برکاتہم

واجب الاحترام محترم المقام حضرت الاستاذ المکرم مدظلہم وعمت فیوضہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام عرض ہے کہ احقر خیریت کے ساتھ رہتے ہوئے، حضرت والا مع جملہ اہل خانہ

اور متعلقین کی خیر و عافیت کا بارگاہِ ایزدی میں خواہاں اور طالب ہے۔

بعدہٗ عرض ہے کہ احقر بہت ندامت اور شرمندگی کے ساتھ معذرت پیش کر رہا ہے کہ اتنے طویل عرصہ سے احقر نے حضرت والا سے کوئی تعلق اور ربط قائم نہیں رکھا۔ حضرت والا کی یاد تو بہت آتی رہتی ہے مگر محض کاہلی اور سستی کی بناء پر احقر خط و کتابت جاری نہیں رکھ سکا۔ امید ہے کہ حضرت والا احقر کی کوتاہی کو درگذر فرمائیں گے اور معذرت کو قبول فرمائیں گے۔ حضرت والا کے جو احسانات اور جو شفقتیں اس ناچیز پر پڑھنے کے زمانے میں رہی ہیں ان کو احقر ہرگز فراموش نہیں کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو اس کا بہترین اپنے شایانِ شان صلہ نصیب فرمائے اور دارین کی برکات سے مالامال فرمائے۔ آمین

حضرت والا کی یاد تو ویسے بھی ستاتی رہتی ہے مگر حضرت والا کے زمزم پرچہ جب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تو حضرت والا کی یاد اور آنے لگی اور حضرت والا سے ملاقات کا اشتیاق کافی بڑھ گیا۔ اشتیاق کے بڑھنے سے ایک داعیہ دل میں پیدا ہوا حضرت والا کی زیارت کرنے کا۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ احقر حضرت والا کی زیارت کیلئے رختِ سفر باندھ لیتا، ادباً اور اخلاقاً بھی یہی صورت زیادہ مناسب تھی کہ شاگرد مشقت اٹھا کر استاذ کی خدمت میں پہنچ جائے مگر پھر سوچا کہ حضرت والا کی اگر جنوبی افریقہ آمد ہوئی تو بجائے اس کے کہ احقر کو انفرادی فائدہ حاصل ہو سارے ملک کا اجتماعی فائدہ ہوگا۔ جنوبی افریقہ میں حضرت والا کے کثیر شاگرد ہیں اسلئے ان کو بھی حضرت والا کی زیارت کرنے کی سعادت حاصل ہوگی۔ علاوہ ازیں جنوبی افریقہ میں بھی آجکل غیر مقلدیت کا جال پھیل رہا ہے۔ حضرت والا کو اس فتنہ کے مقابلہ کرنے میں جو مہارتِ تامہ اور تجربہ حاصل ہے اس سے ہمارے ملک کے علماء اور مدارس دینیہ کے طلبہ کو حضرت والا انشاء اللہ رہنمائی بھی فرمائیں گے۔ اس اعتبار سے حضرت والا کا سفر ایک دینی اور تبلیغی سفر بھی انشاء اللہ بن جائے گا۔ جس کی وجہ سے انشاء اللہ حضرت والا عنداللہ ماجور ہوں گے۔ اس واسطے احقر حضرت والا کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست پیش کر رہا ہے کہ حضرت والا احقر کی دعوت کو قبول فرمائیں اور ہمارے ملک کو اپنی بابرکت حاضری سے رونق بخشیں۔ چند دن قبل جب فون پر بات چیت ہوئی

تو حضرت والا نے دعوت قبول فرما کر دل کو باغ باغ کر دیا۔

حضرت والا غور فرما کر وقت بتلادیں کہ کس وقت تشریف آوری زیادہ مناسب ہوگی اور اس کے بعد ان شاء اللہ کاغذات کی کاروائی شروع ہوجائے گی اور ٹکٹ وغیرہ کا انتظام یہاں سے ان شاء اللہ کر لیا جائے گا۔

اگر حضرت والا کا سفر رجب کے اواخر یا شعبان کے اوائل میں طے ہوجائے تو اس میں مزید فائدہ یہ ہوگا کہ حضرت والا اپنے بابرکت وجود سے یہاں کے دینی مدارس کے سالانہ جلسوں کو بھی رونق بخشیں گے اور زیادہ سے زیادہ لوگ حضرت والا کے کلمات عالیہ اور ملفوظات مبارکہ سے استفادہ اور استفاضہ کریں گے ان شاء اللہ ا

یہ تو صرف احقر کی کچھ ناقص رائے تھی ورنہ حضرت والا جو بھی وقت طے فرمائیں وہ منظور ہے احقر حضرت والا کے پروگرام اور ترتیب میں دخل اندازی ہرگز نہیں کرنا چاہتا ہے۔ حضرت والا جو بھی وقت بتادیں اس کے مطابق ان شاء اللہ کاروائی شروع کی جائے گی :

چنانچہ حسب ہدایت عزیزم سلمہٗ پاسپورٹ کی نقل بذریعہ فیکس بھیجدی گئی اس کے بعد ان کا فون آیا کہ دہلی میں حاجی منصور ممتاز صاحب[1] جو حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مسترشدوں میں سے ہیں وہ آپ کی کاغذاتی کاروائی میں مدد کریں گے۔

---

(۱) حاجی منصور ممتاز صاحب کا خاندان کلکتہ کا ہے مگر حاجی صاحب کی پرورش دہلی میں ان کے ماموں حاجی عبد اللہ صاحب کے گھر ہوئی رانی کھیت والے کے نام سے یہ لوگ جانے جاتے ہیں اس کی وجہ خود حاجی منصور صاحب کو نہیں معلوم، حاجی منصور صاحب دہلی کے بڑے تاجروں میں سے ہیں، پلاسٹک کا کاروبار کرتے ہیں بیرونی ممالک سے مال منگواتے ہیں اور ہندوستان میں اس کی سپلائی ہوتی ہے، ان کا فون اور موبائیل ہر وقت مشغول رہتا ہے، ان کے پاس بیٹھکر کبھی آدمی کویت میں ہوتا ہے کبھی ریاض میں اور کبھی بحرین اور کبھی جدہ میں کبھی مکہ اور کبھی جاپان اور امریکہ اور لندن اور کبھی ہندوستان کے اندر کلکتہ اور دہلی میں اس سے ان کی تجارت کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے مگر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور ٹکٹ وغیرہ کا بھی انتظام وہی کریں گے بعد میں ان کو ٹکٹ کی رقم ادا کردی جائیگی، انھوں نے فون پر بتلایا کہ حاجی منصور صاحب سے بات ہوگئی آپ ان سے رابطہ کرلیں، چنانچہ حاجی صاحب سے فون پر رابطہ قائم کیا گیا اور پھر دہلی جاکر ان سے ملاقات کی گئی، حاجی صاحب سے بہت پہلے ایک سرسری ملاقات ہوئی تھی مگر اس دفعہ ان کی اصلی شخصیت سامنے آئی۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے، ان کے تعاون سے سفر کی پوری کارروائی مکمل ہوئی۔

مفتی سعید سلمہٗ نے مشورہ دیا تھا کہ ٹکٹ دہلی جدہ جہانسبرگ لیا جائے تاکہ عمرہ کی بھی سعادت حاصل ہوجائے اور کچھ روز حرمین شریفین میں گزارنے کا موقع بھی مل جائے، چنانچہ ٹکٹ آمد ورفت کا اسی طرح لیا گیا تھا، مگر حاجی منصور صاحب جس ایجنٹ کے ذریعہ کام کرارہے تھے اس سے سعودیہ میرے کاغذات بھیجنے میں کیا غلطی ہوگئی کہ عمرہ کا ویزا نہیں لگ سکا، اور آج کل میں کافی وقت گزرگیا، پہلے اس نے ۱۰ رستمبر کو سیٹ بک کرائی پھر ۱۸ رکو پھر ۲۱ رکو پھر ۲۴ رکو پھر ۲۷ رکو مگر عمرہ کا ویزا نہیں لگ سکا اور بار بار وہ یہ کہہ رہا تھا کہ ابھی آپ کے کاغذات سعودیہ سے واپس نہیں آئے ہیں۔ بالآخر میں نے فیصلہ کرلیا کہ عمرہ کا ویزا اگر نہیں لگتا ہے تو اب مزید تاخیر نہیں کرنی چاہئے، اور ۲ راکتوبر کو ٹکٹ بک کراکر میں نے سعودی سفارت خانہ سے ٹرانزیٹ ویزا حاصل کیا، مجھے ۲ راکتوبر کو جدہ پہونچنا تھا پھر ۴ راکتوبر کی رات میں بارہ بجے کے قریب جدہ سے جہانسبرگ کیلئے روانگی تھی، اس طرح مجھے اتنا موقع مل رہا تھا کہ میں عمرہ کی سعادت حاصل کرسکوں گا اور حرمین کی زیارت اور وہاں کے دوست واحباب سے بھی مختصر ملاقات ہوسکے گی، الحمدللہ ایسا ہی ہوا۔

کی صحبت اور بیعت کی برکت سے ان کے مزاج اور اخلاق پر تمول کا قطعاً اثر نہیں ہے، علماء سے خادمانہ ملتے ہیں اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، سخاوت اور فیاضی میں نمونہ کے آدمی ہیں مزاج میں مزاح ہے، اور تبسم کے ساتھ نہایت نرم اور شیریں لہجہ میں گفتگو کرتے ہیں، ان کی اہلیہ بھی

۲ اکتوبر کو حاجی منصور صاحب کے گھر سے میں صبح ۷ بجے نکلا فلائٹ کا وقت ساڑھے دس بجے تھا، ایرپورٹ بہت پہلے پہونچ گیا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ پہلے مدینہ حاضری دونگا اس وجہ سے احرام نہیں باندھا تھا۔ ورنہ میں معمولاً احرام دہلی ایرپورٹ ہی سے باندھ لیتا ہوں۔ سعودی ایرلائنس کا جہاز وقت پر اڑا اور ظہران میں ایک گھنٹہ رک کر جدہ سعودی وقت سے ساڑھے آٹھ بجے رات میں پہونچا۔

چونکہ میرے پاس وقت کم تھا اور مجھے براہ راست مدینہ منورہ جانا تھا اس وجہ سے میں جدہ ایرپورٹ پر اپنے جدہ میں مقیم احباب کو نہیں بلایا تھا، اس لئے کہ ان کا اصرار ہوتا کہ میں کچھ جدہ میں رکوں اور وقت میں اس کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن جدہ ایرپورٹ پر جو تکلیف دہ صورتِ حال پیش آئی اس نے میرے پروگرام کو تباہ کرکے رکھ دیا۔

ہوا یہ کہ امیگریشن میں جب میں پہونچا تو وہاں کے ملازم نے کہا کہ مشرکہ سے رجوع کرو یعنی ان کمیٹیوں کے آفس میں جاؤ جو عمرہ کرنے والوں اور ٹرانزٹ ویزا پر آنے والوں کو اپنے

ماشاء اللہ بہت دیندار اور مہمان نواز ہیں، ان کے داماد جاوید سلمۂ شاب نشأفی طاعۃ اللہ کا مظہر ہیں، نہایت شریف سنجیدہ با اخلاق چہرہ پر مسکراہٹ بات میں شرافت اور سنجیدگی اور مزاج خادمانہ، چہرہ ڈاڑھی سے مزین، کاروبار میں اپنے سسر کے دایاں بازو ہیں، اللہ ان کی حیات کو دراز کرے اور اپنی رضا و خوشی سے نوازے، لوگ کہتے ہیں کہ تصوف ہر برائی کی جڑ ہے، مگر دہلی میں حاجی منصور صاحب کو دیکھ کر اس نظریہ کی کلیا تردید ہوتی ہے، اگر آدمی کو صحیح مصلح و مرشد مل جائے تو تصوف کی دنیا میں حاجی منصور ممتاز صاحب جیسا فرد پیدا ہوتا ہے۔

حاجی منصور صاحب اور ان کی اہلیہ اور ان کے داماد جاوید سلمہ نے اس بندہ کی جتنی خدمت کی اللہ ان کو اس کا بہترین بدلہ دے، سفر کی ابتدائی کارروائی سے لے کر آخری کارروائی تک حاجی منصور ممتاز صاحب دامت برکاتہم کی توجہ اور عنایت سے مکمل ہوئی۔

طور پر ٹھہرانے کا انتظام کرتی ہیں، دنیا کے کسی ملک میں یہ نظام نہیں ہے کہ ٹرانزٹ ویزا پر آنے والوں کو اس کا پابند کیا جائے بلکہ ایرلائنس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ جب وہ خود ایسے مسافروں کے رہنے اور خورد و نوش کا اپنے خرچ پر نظم کرے جو اسی ایرلائنس سے دوسری جگہ سفر کرنے والے ہیں، بہر حال جب شرکہ سے رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کو ساڑھے چار سو ڈالر ادا کرنے ہوں گے تب آپ ایرپورٹ سے باہر نکل سکیں گے اور ہم لوگ آپ کے رہنے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سفر کا نظم کریں گے، ساڑھے چار سو ڈالر کا نام سن کر میرے تو ہوش و حواس اڑ گئے۔ میں ۲۰ر اکتوبر کی رات کو ساڑھے آٹھ بجے جدہ ایرپورٹ پر پہونچا ہوں، ۳ر کا دن گزار کر ۴ کی شب کو میری جہاز سے برگ روانگی ہے، بس صرف اتنی سی مدت کے قیام کے لئے ساڑھے چار سو ڈالر یعنی ہندوستان کے تقریباً بیس ہزار روپے، کس قدر ظلم اور مسافروں کو پریشان کرنے والی بات ہے، اور یہ اس حکومت میں ہو رہا ہے جس کے عدل و انصاف اور پختہ نظم و انتظام کا ڈھول پیٹا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ اس رقم کی ادائیگی میں نہیں کر سکتا تو انھوں نے کہا کہ یہی نظام ہے، اور اسی نظام کے تحت آپ باہر جا سکیں گے۔ ورنہ آپ کو ایرپورٹ ہی پر ٹھہرنا ہوگا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ٹرانزٹ ویزا والے دوسرے مسافرین ان ظالموں کی مطلوبہ رقم کی ادائیگی کر رہے ہیں۔ یہ اصحاب تمول لوگ تھے، مگر ہم غریب مولویوں کے پاس ساڑھے چار سو ڈالر کہاں۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ ڈالر اور ریال والے آدمی نہیں ہیں۔ ہم جیب خالی لوگ ہیں۔ میں اتنی رقم کی ادائیگی سے قطعاً قاصر ہوں، اسی بحث و مباحثہ اور رد و کد میں تقریباً تین گھنٹے صرف ہو گئے اور میں تھک کر بے حال ہو گیا، بالآخر ڈیڑھ سو ریال میں معاملہ طے ہوا، جی ہاں معاملہ طے ہوا۔ یعنی رشوت دینی پڑی۔[1] اور پھر وہ صاحب جو

---

(۱) سعودی حکومت میں کبھی رشوت اور بد دیانتی کا تصور نہیں تھا، مگر اس وقت صورتِ حال بالکل بدل گئی اور دھڑلے سے رشوت لی جاتی ہے، سعودیوں میں خیانت اور بے ایمانی اور ظلم و زیادتی عام ہے، اس کا تجربہ ہر شخص کو ہے جو وہاں رہتا ہے یا جس کی کثرت سے آمد و رفت ہے، اسی سفر میں

ساڑھے چار سو ڈالر مانگ رہے تھے وہ میرے خادم بن گئے یعنی میں نے ان سے کہا کہ میں تھک گیا ہوں آپ ہی کسٹم میں میرے سامان کے ساتھ رہیے اور آپ ہی کو میرے ساتھ باہر بھی آنا ہوگا، چنانچہ ایک متحرک آلہ کی طرح انھوں نے یہ سب کام کیا اور میں بلا کسی پریشانی کے باہر نکل آیا، کسٹم پر میرے کسی سامان کی چیکنگ بھی نہیں ہوئی۔ ان صاحب نے جن کا نام بعد میں لکھونگا میرا ٹکٹ اپنے پاس رکھ لیا اور کہا جہانسبرگ کیلئے جس دن آپ کی فلائٹ ہوگی آپ کو ایرپورٹ پر ٹکٹ مل جائے گا۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کرکے ٹکٹ ان کے حوالہ کردیا یہ صاحب جن کا تذکرہ ہو رہا ہے اللہ نے ان کے دل میں میرے بارے میں کیا ڈالدیا کہ انھوں نے کہا کہ یہ میرا کارڈ ہے اس کو اپنے پاس رکھئے اور جب واپسی کا وقت ہو تو مجھے جہانسبرگ سے فون کردیجئے گا میں آپ کی پوری مدد کروں گا اور آپ کو کسی طرح کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے واپسی میں میرے ساتھ صرف تعاون ہی نہیں کیا بلکہ انتہائی درجہ اکرام اور عقیدت کا معاملہ کیا جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

میں ایرپورٹ سے باہر ہوا تو بہت تھکا ہوا اور انتہائی درجہ خستہ حال تھا مدینہ منورہ سفر کرنے کی میرے اندر ہمت نہیں تھی۔ میں نے جدہ ایرپورٹ پر عمرہ کا احرام باندھ لیا اور مکہ مکرمہ روانہ ہوگیا، فجر سے قبل مکہ پہنچا، اور اپنے کرم فرما مولانا قاری خلیق اللہ صاحب دامت برکاتہم کے "دار ابرار"[1] جو میری عارضی قیام گاہ ہوتی ہے پر پہنچ کر چائے اور ناشتہ سے فراغت کی، قاری صاحب اپنے گھر پر تھے ان سے فون پر بات ہوئی.

جدہ میں ایک پاکستانی ڈرائیور نے بتلایا کہ میری ٹیکسی پر ایک عرب سوار ہوا، میں نے اس کو اسکی جگہ پر پہونچا دیا، اس نے ٹیکسی کا کرایہ ادا نہیں کیا اور کہا کہ بعد میں آکر لیجانا، دو تین دفعہ چکر لگانے کے بعد بھی اس نے کرایہ نہیں دیا اور پھر ایک پولیس والے کو بلا کر مجھے ڈانٹ بھی سنوائی، سعودیوں کا یہ معاملہ ایشیا کے لوگوں کے ساتھ ہے، اور ان کا معاملہ کسی یورپ کے باشندہ سے ہو تو وہ اسکے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے ہیں، اور پولیس کو بھی دم مارنے کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔

(۱) دار ابرار باب العمرہ کے بالکل پڑوس میں ایک مکان ہے جس کو قاری صاحب نے مستقلاً

اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ آرام کرلیں پھر عمرہ کریں، انشاء اللہ ظہر میں ملاقات ہوگی۔
چنانچہ میں نے دو ایک گھنٹہ آرام کیا۔ پھر عمرہ سے فراغت حاصل کی، ظہر بعد حضرت قاری صاحب

کرایہ پرلے رکھا ہے، حج اور عمرہ کے زمانہ میں اس کے کمروں کو وہ کرایہ پر دیتے ہیں، ہندوستان و پاکستان
کے مشاہیر علماء یہاں آتے جاتے رہتے ہیں، ہم جیسے لوگوں کیلئے دار ابرار بڑی نعمت ہے، اور قاری صاحب
کی شخصیت بڑی عجوبہ ہے، حضرت قاری خلیق اللہ صاحب کا تعلق حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت
برکاتہم سے ہے، حضرت مولانا جب حج و زیارت کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لیجاتے ہیں تو ان کا قیام حضرت
قاری صاحب کے اسی کرایہ والے مکان میں ہوتا ہے، حضرت کی مجلس بھی ہوتی ہے، اسی مناسبت سے
حضرت قاری صاحب نے اس کا نام دار ابرار رکھ دیا ہے، پہلے اس کا نام اصل مالک کے نام پر دار سراج تھا۔
حضرت قاری خلیق اللہ صاحب اصلاً بستی ضلع کے رہنے والے ہیں اور بیسوں سال سے
مکہ مکرمہ میں اپنے بال بچوں کے ساتھ رہ رہے ہیں، شروع میں بڑی عسرت کی زندگی رہی مگر اس وقت
اللہ کے فضل سے فارغ البال و فارغ المال ہیں۔ مکہ مکرمہ کے مشہور مدرسہ مدرسہ صولتیہ میں
مدرس ہیں اور حرم پاک میں شعبہ تحفیظ القرآن کے بھی مدرس ہیں۔ اسم بامسمٰی ہیں، یعنی نہایت خلیق
ملنسار ہنس مکھ مہمان نواز اہل علم کے قدرداں اپنے اکابر پر فدا اور اپنے مسلک و مذہب میں بہت ہی
پختہ، جسم بھاری مگر جسم میں بجلی کی سی سرعت چلنے میں جوانوں کو مات کرتے ہیں، بے تکلف اور
متواضع اتنے کہ بلا تکلف آپ کا سامان اپنے سر پر اٹھا کر چلدیں۔ میرے ساتھ ان کو خاص تعلق ہے،
اور میرے انتہائی قدرداں ہیں، میری کتابوں اور میرے پرچہ زمزم کے مدح خواں و ثنا خواں۔ مکہ مکرمہ
میں حضرت قاری صاحب کا گھر میرا اپنا گھر ہوتا ہے، کھانا پینا، رہنا سہنا سب ہیں بلکہ
بہت سی خارجی ضروریات بھی حضرت قاری صاحب اور ان کے گھر سے پوری ہو جاتی ہیں، ان کے
بچے مجھ سے مانوس اور میری خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ حضرت قاری صاحب کی ذات مکہ
مکرمہ میں میرے لئے بڑی نعمت ہے، حضرت قاری صاحب کی فارسی بہت پختہ ہے، اور فارسی کے
بہت سے اشعار از بر ہیں، عربی، فارسی، اردو کے ساتھ ترکی بھی بول لیتے ہیں۔

سے دارابرار میں ملاقات ہوئی۔ میں اس وقت تک احرام ہی میں تھا۔ سر کے بال اتروانا باقی تھا۔ قاری صاحب اپنے گھر لے گئے اور خود اپنے ہاتھ سے میرے سر کا بال اتارا، یہ کام میرے ساتھ وہ ایک دفعہ اور کر چکے ہیں، بال اتنا صاف اتارتے ہیں جیسے کوئی ماہر حلاق ہو،

حضرت قاری صاحب کی اس قسم کی کرم فرمائیاں مجھے بہت شرمندہ کرتی ہیں، مگر ان کے سامنے میرے تمام عذر و معذرت دھرے رہ جاتے ہیں۔ غالباً زندگی میں پہلی مرتبہ مکمل سنت کے ساتھ سر کا بال اترا، ہم مجرد مولوی قسم کے لوگ تو محض کام چلاتے ہیں مگر بزرگوں کے فیض یافتہ لوگوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا ہر کام سنت والا ہوتا ہے۔

چونکہ آج کا دن جمعرات کا دن تھا اس وجہ سے قاری صاحب مدرسہ کے کام سے فارغ تھے اور اب وہ میرے ساتھ ساتھ اس وقت سے مسلسل رہے، ان کی صحبت میں بڑا جی لگتا ہے۔ بہت سی چیزوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ ایمانی حرارت پیدا ہوتی ہے ــ اور جب وہ جھوم کر اور اپنے خاص رنگ میں فارسی اشعار پڑھتے ہیں تو مزہ آ جاتا ہے۔ میں نے قاری صاحب کے مشورہ سے عشاء کا کھانا دارابرار ہی میں کھایا، پھر عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کو اسی روز روانگی تھی۔ طے یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز پڑھیں گے اور جمعہ بعد جدہ کیلئے روانہ ہوجائیں گے۔ چنانچہ عشاء کی نماز حرم شریف میں ادا کر کے حضرت قاری صاحب کی معیت میں حرم شریف کے پاس کے ٹیکسی اسٹینڈ پر گئے اور حضرت قاری صاحب نے ایک بہت اچھی ٹیکسی پر سوار کرا دیا۔ خیال یہ تھا کہ ٹیکسی میں دو چار سواری کا مسئلہ ہوتا ہے جلد ہی سواری مل جائیگی اور ہم لوگ جلد مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ مجھے ٹیکسی پر بیٹھا کر حضرت قاری صاحب اور دارابرار میں قاری صاحب کے کام کی نگرانی کرنے والے ماجد بھائی جونپوری روانہ ہو گئے، ٹیکسی والا۔ واحد نفر واحد نفر، کی آواز مسلسل لگا رہا تھا مگر اس کو واحد نفر مل نہیں رہے تھے، اور جو مل رہے تھے وہ پچاس ریال دینے کو تیار نہیں تھے اس نے کئی چکر ادھر ادھر سے لگایا مگر اس کی واحد نفر کی آرزو پوری نہیں ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اس نے ہمیں مدینہ منورہ لیجانے سے معذرت کر دی۔ اور واللہ انی اسعا

کہ کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا، مدینہ منورہ جلدی پہنچنے کا خواب خواب ہی رہا۔
بالآخر میں اور میرے ساتھ جو ایک ہندوستانی صاحب اور تھے انھوں نے طے کیا کہ اب نقل جماعی سے سفر کیا جائے، اس میں واحد نفر کا سوال نہیں ہوتا ہے، یہ بسیں ٹھیک وقت پر چھوٹتی ہیں اور بہت آرام دہ ہوتی ہیں، اس میں پیشاب وغیرہ کی بھی سہولت ہوتی ہے چنانچہ ہم حرم کے قریب کے مرکز النقل الجماعی پہونچے اور بس کا ٹکٹ لیکر اس پر سوار ہوگئے بس ساڑھے گیارہ بجے شب میں چھوٹی اور اس نے ہم کو فجر سے قبل مدینہ پاک پہنچا دیا یعنی ہمیں بڑی آسانی سے فجر کی نماز حرم پاک میں مل گئی۔ والحمدللہ علیٰ ذالک۔

مدینہ منورہ میں یوں تو مجھ سے محبت کرنے والے بہت سے لوگ ہیں مگر بطور خاص میرا قیام اپنے ایک پاکستانی دوست کے یہاں رہتا ہے (بعض وجوہ سے ان کا نام لینا مناسب نہیں ہے) اور سال گزشتہ سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مکتبہ کے موظف اور سلفیت کے خلاف انتہائی متحرک وفعال ہمارے دوست محمد بن عبدالقدوس جو سعودی ہیں ان کے یہاں بھی ہوتا ہے، شیخ محمد بن عبدالقدوس نوجوان فاضل ہیں، اور تبلیغی جماعت میں وقت لگا چکے ہیں، جماعت تبلیغ کے خلاف سلفیوں کے تحریر کو وہ پڑھ چکے تھے مگر جب وہ خود جماعت میں نکلے تو انھوں نے جماعت کی دعوت اور کام کو سلفیوں کے بیان اور ان کے پروپیگنڈہ کے بالکل خلاف پایا تو وہ سلفیت سے بیزار ہوگئے اور اکابر دیوبند کے مداح اور ان کے فضل و کمال کے معترف ہوگئے۔ میری کتابوں کو پڑھ کر مجھ سے بہت زیادہ متاثر ہیں اور سعودی ہونے کے باوجود میرے ساتھ خادمانہ برتاؤ کرتے ہیں۔ اور مدینہ منورہ کے قیام میں ہر وقت میرے ساتھ اپنی گاڑی لئے حاضر رہتے ہیں۔

مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے میں نے اپنے پاکستانی دوست اور شیخ محمد بن عبدالقدوس کو اپنے پروگرام سے مطلع کر دیا تھا۔ پاکستانی دوست نے کہا کہ انشاءاللہ مدینہ کے بس اڈہ پر حاضر رہوں گا، مگر مجھ سے شیخ محمد بن عبدالقدوس نے فون پر بڑے اصرار سے کہا تھا کہ آپ کو لینے میں آؤں گا کسی اور کو رات میں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ میں نے

ان کو بس ہی میں سے ایک صاحب کا موبائیل لے کر فون کر دیا وہ سو رہے تھے، انھوں نے کہا کہ میں ابھی پہنچ رہا ہوں، چنانچہ میرے بس اڈہ پر پہنچنے کے دس منٹ بعد وہ اپنی گاڑی لے کر پہنچ گئے۔ فجر کا وقت ہو رہا تھا۔ طے ہوا کہ فجر کی نماز پڑھ لی جائے پھر گھر چلا جائے، ضروریات سے فارغ ہو کر ہم نے حرم شریف میں فجر کی نماز پڑھی، پھر روضۂ پاک کی حاضری دی، صلوٰۃ و سلام پڑھا، دوستوں کا اور اعزاء و اقرباء کا سلام خدمتِ اقدس میں پیش کیا، اس سے فارغ ہو کر ہم شیخ محمد بن عبدالقدوس کی گاڑی میں گھر کیلئے چلدیئے۔

راستہ میں میں نے شیخ محمد سے کہا کہ بہتر ہے کہ میں پہلے اپنے پاکستانی میزبان کی زیارت کر لوں اور وہیں قیام کروں، ان سے قدیم تعلق کا تقاضا بھی یہی ہے، شیخ محمد سمجھدار آدمی ہیں انھوں نے معاملہ کو سمجھ لیا اور اپنی خواہش کو دبا کر مجھے اپنے اسی پاکستانی دوست کے گھر لے آئے، وہ سو رہے تھے، بیدار ہوئے، دیکھتے ہی لپٹ گئے اور پھر فوراً ہی پُر تکلف ناشتہ تیار کرایا، ناشتہ میں شیخ محمد بھی شریک رہے، ناشتہ سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر ہم گفت گو کرتے رہے، پھر شیخ محمد یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ انشاء اللہ جمعہ بعد ملاقات ہوگی اور میں آپ کو جدہ رخصت کرنے کیلئے موجود رہوں گا، ان کے جانے کے بعد میرے میزبان نے مجھ سے کہا کہ آپ دو گھنٹہ آرام کر لیں، میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا اور خود چاہ رہا تھا کہ مجھے آرام کا موقع ملے، چنانچہ میں فوراً اپنے بستر پر لیٹ گیا اور مسلسل دو گھنٹہ سویا، ہو کر اٹھا اور غسل کیا تو الحمد للہ ساری تھکاوٹ دور ہو چکی تھی اور طبیعت ہشاش بشاش تھی، پھر تھوڑی ہی دیر بعد ہم جمعہ کی نماز کیلئے مسجد نبوی گئے، اوپری حصہ میں جگہ ملی، حرمین کی جمعہ کی نماز کا خطبہ بڑا طویل ہوتا ہے معلوم نہیں کہ اس کا جواز کہاں سے ائمہ حرمین نے نکالا ہے۔

جب کہ ان کی نماز خطبہ کے اعتبار سے بہت مختصر ہوتی ہے، خطبہ کا مضمون بھی تقریباً ہمیشہ یکساں ہی رہتا ہے، اس خطبہ سے طبیعت اکتا جاتی ہے، خطبہ میں تکلف اور تصنع کا عنصر غالب رہتا ہے اس وجہ سے ائمہ حرمین کے خطبے بے جان سے ہوتے ہیں، خطبہ کے بعد مختصر

نماز ہوئی اور ہم تھوڑی دیر بعد نیچے اترے ﷺ سے صلوٰۃ وسلام پڑھا، پھر جدہ جانے کیلئے ٹیکسی اسٹینڈ گئے، راستہ میں سوق التمر یعنی کھجوروں کے بازار سے مفتی سعید صاحب سلمہٗ کیلئے کچھ کھجوریں لی، خیال تھا کہ ٹیکسی اسٹینڈ پر شیخ محمد بن عبد القدوس ہوں گے، بہت انتظار کیا وہ نظر نہ آئے پھر خیال ہوا کہ آج جمعہ کی وجہ سے راستہ جام ہوگا وہ اسی میں پھنس گئے ہوں گے، جدہ پہنچنے پر جب ان کا فون آیا تو بات یہی تھی وہ بہت معذرت کر رہے تھے، بہرحال پاکستانی دوست نے مجھے الوداع کہا اور میں ٹیکسی پر بیٹھ گیا ٹیکسی بڑی آرام دہ تھی اور ڈرائیور تیز اس لئے ہم لوگ مغرب سے قبل جدہ شہر میں داخل ہو گئے تھے، راستہ میں میں نے ٹیکسی ہی سے صاحبزادہ قاری عبد الباسط صاحب کو فون کر دیا تھا وہ میرے منتظر تھے۔(۱) ٹیکسی ڈرائیور نے یہ معلوم کر کے مجھے حی السلامۃ جانا ہے، میرے

---

(۱) صاحبزادہ قاری عبد الباسط صاحب جدہ میں میرے میزبان ہوتے ہیں، جدہ کے مشہور محلہ حی السلامۃ کی مشہور مسجد مسجد شیبی کے نائب امام ہیں، جدہ میں اردو نیوز پیپر اخبار نکلتا ہے اس کے دینی مسائل کا جو کالم ہوتا ہے اس کو آپ ہی لکھتے ہیں۔ یہ اخبار لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتا ہے، اس طرح آپ کی تحریر سعودیہ کے علاوہ تقریباً پوری خلیجی ریاستوں میں پڑھی جاتی ہے، آپ کے ان مسائل کے کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں، آپ کے دینی و دعوتی درس کی مستقل مجلس ہوتی ہے، ان کی تقریروں کے کیسٹ ہزاروں کی تعداد میں یورپ اور امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں، مزاج میں تواضع ہے، سادہ طبیعت اور بہت بے تکلف آدمی ہیں، کتابوں کا بہت عمدہ ذوق ہے، بازار میں جو بھی نئی کتاب آتی ہے اور اس کی اہمیت ہوتی ہے قاری صاحب کے کتب خانہ میں وہ موجود ہوتی ہے، ان کا کتب خانہ دیکھ کر ان کے بلند علمی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، ہمارے اکابر کے قدر داں اور ان سے محبت اور تعلق رکھنے والے ہیں، جدہ میں انکی ذات مسلک دیوبند اور حنفیت کے دفاع کیلئے بڑی غنیمت ہے، طبیعت میں فیاضی اور سخاوت ہے، ان کا گھر میری مستقل قیامگاہ ہے، ان کا حلقہ اثر جدہ میں وسیع ہے اور اللہ نے بڑی محبوبیت دی ہے، جدہ کا

ساتھ ہمدردی کرنی چاہی اور اس لئے کہا کہ میں آپ کو یہاں سے دوسری ٹیکسی پر بیٹھا دیتا ہوں، یہ عرب تھا، وہ عشرہ ریال والی ٹیکسی ڈھونڈھتا رہا، دس پندرہ منٹ گزر گئے مگر اسے ملی نہیں، میں نے اس سے کہا شیخ دیر ہو رہی ہے آپ پندرہ والی ٹیکسی ہی میں بیٹھا دیں۔ اس طرح مغرب بعد تاخیر سے میں حضرت قاری عبدالباسط صاحب کے گھر پہونچا، جہاں قاری صاحب اور بعض دوسرے حضرات میرے منتظر تھے، تھک گیا تھا اسلئے فوراً غسل کیا اور تازہ دم ہوا، پھر کچھ خورد و نوش اور بات چیت میں وقت لگا، عشاء کی نماز پڑھی گئی اور پھر عشاء بعد متصلاً ایرپورٹ کیلئے قاری صاحب کی گاڑی میں ان کے ڈرائیور اور بھائی تسنیم صاحب (۱) کے ہمراہ ہم ایرپورٹ کے لئے

بقیہ صفحہ ۵ پر

سلفیوں کا مرکز الدعوۃ ان کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور نقصان پہنچانے کیلئے کوئی موقع کھونا نہیں چاہتا مگر جس کی حفاظت خدا کرے اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے اللّٰھم احفظہ من کل شر و سوء۔

(۱) بھائی تسنیم صاحب پاکستانی ہیں اور عرصہ سے جدہ میں رہ رہے ہیں، جدہ ایرپورٹ پر ملازم ہیں، حضرت قاری صاحب سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں، خالص دینی اور دعوتی مزاج کے آدمی ہیں، وہ غیر مقلدیت کے موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں، ہماری کتابوں اور زمزم پرچہ کے قدرداں ہیں، مجھ سے بہت محبت رکھتے ہیں، ان کا اصرار ہوتا ہے کہ آپ کی کتابیں اور زمزم پرچہ انٹرنیٹ پر آنا چاہئے۔ اب کی دفعہ بھی اس موضوع پر بڑی دیر تک گفتگو کرتے رہے اور اصرار کر رہے تھے کہ آپ مستقل اس کیلئے ادارہ قائم کریں، یہ سب کام تنہا نہیں ہوتا اور نہ آپ کے بعد یہ چل پائے گا، ان کی محبت بھری گفتگو میں سن رہا تھا اور اپنے حالات اور اپنے یہاں کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا، یعنی مورا اپنا پاؤں دیکھ رہا تھا، بھائی تسنیم جب جدہ ایرپورٹ پر ہمارے ساتھ رہتے ہیں تو ان کی وجہ سے بڑی سہولت ہوتی ہے، اس دفعہ بھی ایرپورٹ پر ساری کاغذی کاروائی انھوں نے کی۔